مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا

جلد ۱۴

دوماہی دینی و علمی مجلّہ

شمارہ ۱

زمزم

محرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے

پاکستان کے لئے .... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر Punjab National Baink 0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور۔یوپی

Pin. 233001 .... Mob.9453497685

فہرست مضامین

mdajmalansari52@gmail.com

اداریہ

ہندوستان کی تاریخ کے سب سے طویل مقدمہ کا فیصلہ گزشتہ دنوں ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ نے سنا دیا، اس مقدمہ کے فیصلہ کی طرف ہر کان لگا ہوا تھا، مسلم اور ہندو تنظیموں نے اعلان کر رکھا تھا کہ عدالت کا جو فیصلہ ہوگا ہم اسے قبول کریں گے، اور فیصلہ کے بعد جو فریق اگلی عدالت جانا چاہے وہ جائے گا، مسلمان اس خوش فہمی تھا کہ عدالت کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا، غیر مسلموں کو یقین تھا کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا، اگر ان کو اس کا یقین نہ ہوتا تو مودی، اشوک سنگھل اور بمبئی کا بال ٹھاکرے جیسا شخص اور ہندوؤں کی خالص فرقہ پرست جماتیں اس کا بار بار اعلان نہ کرتیں کہ وہ عدالت کا فیصلہ بہر حال قبول کریں گی۔ معلوم ہوا کہ پہلے سے دال میں کچھ کالا تھا، ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ عجیب وغریب تھا، عدالتی دستور سے ہٹ کر اس مقدمہ کا فیصلہ عقیدہ کی بنیاد پر کیا گیا۔ اور ہندوؤں کو یک طرفہ ڈگری دے دی گئی اور بالکل غیر آئینی طور پر بابری مسجد میں مسلمانوں کیلئے کچھ حصہ رکھا گیا، غیر آئینی طور پر اس لئے کہ جب مقدمہ مسلمانوں کے حق میں خارج کر دیا گیا ہے تو پھر مسلمانوں کو مسجد کا کچھ حصہ دئے جانے کا کیا مطلب۔؟

فیصلہ اگر شہادت اور ثبوت کی بنیاد پر کیا جاتا تو مسلمان اپنے وعدوں کے مطابق اس فیصلہ کو برضا ورغبت قبول کر لیتا اسے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، مگر اس فیصلہ میں قانون کا مذاق اڑایا گیا، عدالت کا رخ بدلا گیا، اور ثبوت اور شہادت کی جگہ استھا یعنی عقیدہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا گیا، اس فیصلہ سے بڑے بڑے ہندو قانون داں بھی حیران رہ گئے، سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں نے دانتوں میں انگلیاں دبالیں، ہندوستان کا سیکولر کردار داغدار ہوا، پوری دنیا میں ہندوستان بدنام ہوا۔

بہر حال بابری مسجد کے مقدمہ کا جو فیصلہ ہونا تھا ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ مسلمان کیا کریں، اگلی عدالت میں جائیں یا خاموش ہو کر گھر بیٹھ جائیں، مسلمانوں کی کچھ

تنظیموں کی رائے ہے کہ اس فیصلہ کو قبول کر کے جو کچھ مل رہا ہے اس پر راضی ہو جاؤ، کب تک یہ مقدمہ لڑتے رہو گے، اور اکثر تنظیمیں اگلی عدالت میں جانے کی بات کر رہی ہیں، میرا خیال ہے کہ عدالت میں اس لئے جانا ضروری ہے کہ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ سے عدالت کا جو وقار مجروح ہوا ہے وہ اگلی عدالت میں بحال ہو، مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی سب سے اونچی عدالت اس کا خیال رکھے گی اور سپریم کورٹ کا جو فیصلہ ہوگا وہ ضابطہ کا اور قانون کے مطابق ہوگا، اور اس سے ہندوستان کا عدالتی سیکولر بحال ہوگا اور ہندوستان کی اس فیصلہ سے جو رسوائی ہوئی ہے اس کا مداوا ہوگا۔ اگر ہم خاموش ہو کر بیٹھ رہے تو ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ ایک ایسی نظیر بن جائے گا کہ اس کی روشنی میں مسلمانوں کی کوئی مسجد محفوظ نہیں رہے گی، نہ عیسائیوں، سکھوں اور غیر مسلم مذاہب والوں کا کوئی معبد محفوظ رہے گا۔ استھا کی بنیاد پر جب کوئی رام والا چاہے گا حق جتادے گا، اور عدالتیں اس فیصلہ کی روشنی میں ان کے حق میں فیصلہ کر دیں گی۔

خوشی کی یہ بات ہے کہ اس فیصلہ کے بعد جو سراسر غیر منصفانہ فیصلہ تھا مسلمانوں نے پورے صبر وضبط سے کام لیا اور پورے ملک میں امن وامان قائم رہا، خدانخواستہ یہ فیصلہ ہندوؤں کے خلاف ہوتا تو ملک جہنم کی آگ بن جاتا۔

☆☆☆☆☆

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ھدایات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب تم میں کا کوئی پڑوسی تم سے تمہاری دیوار پر لکڑی رکھنے کی اجازت طلب کرے تو تم اس کو منع مت کرو۔ (ترمذی)

یہ حدیث شریف پڑوسی کو پڑوسی کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے اس کا سبق دے رہی ہے۔ پڑوسی کا پڑوسی پر بڑا حق ہوتا ہے، اس میں سے یہ بھی ہے کہ پڑوسی کا گھر بن رہا ہے، اور ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ وہ اپنی لکڑی کا کچھ حصہ اپنے پڑوس کی دیوار پر رکھے تو دوسرے پڑوسی کو جس کی دیوار پر وہ اپنی لکڑی رکھنا چاہتا ہے اس سے روکنا نہ چاہئے، یہ اسلامی اخلاق کے خلاف بات ہے اور مروت کے بھی خلاف ہے، روکنے پر شدید رنجش پیدا ہوگی اور نہ روکنے پر میل ملاپ اور محبت میں اضافہ ہوگا، اور کسی موقع سے اس دوسرے پڑوسی کو بھی اپنے پڑوسی سے فائدہ اٹھانا آسان ہوگا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امانت اس شخص کو ادا کرو جس نے تم پر اعتماد کیا ہے، اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی ہے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ (ترمذی)

مومن کی شان ہے کہ وہ امانت دار ہوتا ہے، بے ایمانی یہ نفاق کی علامت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تمہارے اوپر اعتماد کیا ہے اور اس نے اپنی امانت تمہارے پاس رکھی ہے تو وقت آنے پر اس کی امانت کو جوں کا توں ادا کردو، اس میں کسی طرح کی خیانت جائز نہیں ہے جیسی اس کی چیز ہے بلا کم وبیش وبلا تغیر وتبدل یعنی بلا اپنے کسی تصرف کرے اس کو اس کی امانت لوٹاؤ، مومن کی شان یہی ہے، اور اگر کسی نے تمہارے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا ہے تو تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرو، اس کا عمل اس کے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔

(۳) حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جار الدار احق بالدار یعنی گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں حضور کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی پڑوسی اپنا مکان بیچنا چاہتا ہے تو اس مکان کو خریدنے کا پہلا حق اس کے پڑوسی کا ہے، اس پڑوسی کے انکار کے بعد دوسروں کو وہ گھر بیچنا چاہئے، یہ بھی اسلامی اخلاق اور پڑوسیوں کے حق کا تقاضا ہے، مگر اس پڑوسی کا حق اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ وہ گھر وہ اسی قیمت پر لے جتنی قیمت اس گھر کی دوسرے دے رہے ہیں، الا یہ کہ مالک خود ہی قیمت میں سے کچھ کم کردے تو الگ بات ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوید بن قیس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ایک تولنے والے سے کہا زن وارجح ۔ یعنی تولو اور ذرا جھکا کر تولو۔ (ترمذی)

یہ حدیث مکارم اخلاق کے بہت اعلیٰ نمونہ کا درس دیتی ہے، حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب بیچنے والا کسی چیز کو تول کر کے بیچے تو ذرا ترازو کا پلہ جس میں سامان ہے اس کو جھکا کر کر کے بیچے یعنی کچھ شئے زائد دے، اسی طرح جو تاجر ناپ کر کے کوئی چیز بیچ رہا ہے جیسے فیتہ یا میٹر سے س کو بھی چاہئے کہ انچ دو انچ زیادہ ناپے، اگر تجارت اس اصول پر کی جائے تو خریدنے والے اور بیچنے والے کے درمیان اعتماد کی فضا بحال ہوگی اور اس سے اس تاجر کا اعتماد خریداروں میں بڑھے گا، اور اس عمل کی برکت سے اس کی تجارت کو فروغ ہوگا۔ کاش مسلمان تاجر خریداروں کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو ان کی دیانت وصداقت اور ان کی تجارت کا چرچا ہو اور وہ ایسی برکت دیکھیں جس کا ان کو تصور بھی نہ ہو، مگر افسوس آج کے مسلمانوں میں اس کا فقدان ہے، اور کم تولنا کم ناپنا ان کا مزاج بن گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں ان کی تجارت فیل ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن فضلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ذخیرہ اندوزی وہی کرتا ہے، جو خطا کار ہوتا ہے۔

بعض تجار کی عادت ہوتی ہے کہ وہ غلہ اور کھانے پینے کی اشیاء کا ڈھیر سا اسٹاک کر لیتے ہیں اور اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ان چیزوں کا دام بڑھے تو اسے فروخت کر کے زیادہ کمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، اس سے ایک تو انسان کی حرص کا پتہ چلتا ہے، دوسرے دوسروں کو نقصان پہونچانا ہوتا ہے، اور ایک مصنوعی قحط جیسی شکل

پیدا ہو جاتی ہے جس سے غرباء اور فقراء پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، اور جو چیز ایک پیسے کی ہوتی ہے وہ چار پیسے میں بکنے لگتی ہے۔ البتہ ایسی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی جو عام انسانوں کی ہر وقت کی ضرورت کی نہ ہو تو اس کا اسٹاک کرنا جائز ہے مگر مکارم اخلاق کے خلاف ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی تم میں کا کوئی سامان بیچ رہا ہے تو تم میں کا کوئی دوسرا اس کے ہاتھ اپنا سامان فروخت نہ کرے، اسی طرح کسی نے کہیں نکاح کا پیغام دیا ہے تو دوسرا اس عورت کے لئے نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ جب تک خریدنے والا بیچنے والے سے اور بیچنے والا خریدنے والے سے اپنا معاملہ مکمل نہ کرلیں اور ابھی عقد جاری ہے تو دوسرے کو بیچ میں دخل نہیں دینا چاہئے اور خود خرید و فروخت کے معاملہ سے گریز کرنا چاہئے جب ان کا معاملہ صاف ہو جائے تب خریدنے یا بیچنے کی بات کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی جگہ کسی عورت کیلئے شادی کا پیغام بھیجا ہے تو جب تک وہاں سے انکار نہ ہو جائے اس وقت تک دوسرے کو اس عورت سے نکاح کا پیغام دینا منع ہے۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من غش فلیس منا یعنی جو دوسروں کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)

آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر غلہ کی ایک منڈی سے ہوا تو آپ نے گیہوں کا ایک ڈھیر دیکھا، آپ نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اندر سے گیہوں بھیگا ہوا تھا، تو آپ نے غلہ والے سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا، یا رسول اللہ بارش ہوئی تھی گیہوں بھیگ گیا ہے، تو آپ نے فرمایا تو تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا، پھر فرمایا جو دوسروں کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

آج بھی میوہ، سبزیوں اور پھلوں کے تاجر اسی طرح کی حرکتیں کرتے ہیں، خراب مال کو اچھے کے ساتھ ملا کر رکھتے ہیں، اور لوگوں کی نظر سے بچا کر اچھے کے ساتھ خراب مال بھی دیدیتے ہیں، یہ دھوکہ ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، اللہ و رسول سے تعلق رکھنے والوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

محمد ابوبکر غازی پوری

''تعدد دلائل یا نص فہمی'' کا قضیہ نامرضیہ

مکرمی! سلام مسنون

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ گذارش ہے کہ میں آج کل حضرت مولانا مفتی سعید صاحب دام مجدہ کی بے نظیر تصنیف تحفۃ الالمعی شرح ترمذی کا مطالعہ کررہا ہوں۔ اس کتاب میں مولانا جگہ جگہ فرماتے ہیں کہ یہ دلائل کا اختلاف نہیں ہے نص فہمی کا اختلاف ہے، اور ان کے صاحبزادہ نے حضرت مفتی صاحب دام مجدہ کی اسی بات کو مولانا کی خاص خصوصیت بتلائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب نے اس شرح کو کشتی کا اکھاڑہ نہیں بنایا ہے بلکہ تمام مذاہب فقہیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ ''دلائل کا اختلاف نہیں ہے نص فہمی کا اختلاف ہے'' اس کی شرح فرمادیں، اور حضرت مفتی صاحب کی اس سے کیا مراد ہوتی ہے اس کی وضاحت فرمادیں، کرم ہوگا۔ چاہ رہا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ہی سے اس کی وضاحت چاہوں مگر ہمت نہیں ہوئی۔

والسلام

نجم الحسن قاسمی، گونڈہ

۱۴ر شوال ۱۴۳۱ھ

زمزم! آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت مفتی صاحب سے پڑھا ہے اور آپ ان کے شاگرد ہیں، اگر واقعہ یہی ہے تو استاذ سے کسی بات کو معلوم کرنے میں حیا یا ڈر کیوں؟ حضرت مفتی صاحب اپنی بات کی وضاحت جس طرح کر سکتے ہیں دوسرا نہیں کرسکتا۔

جب میں نے بھی جلد اول کے شروع میں عرض مرتب کے عنوان کے تحت اس عبارت کو پڑھا تھا کہ ''اکثر مسائل میں اختلاف کی بنیاد نص فہمی کا اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں'' تو تھوڑی دیر کیلئے میرا بھی سر گھوم گیا تھا، اور سوچتا رہا کہ حضرت مفتی صاحب

کے اس کلام کا مطلب کیا ہے، اور یہ کون سی قابل تعریف بات ہے، پھر میں نے احادیث کی کتابوں اور ان کی شروح کا مفتی صاحب کے اس کلام کی قیمت جاننے کے لئے مطالعہ کرنا شروع کیا تو وہاں مسائل فقہیہ میں ائمہ کے درمیان دلائل کا اختلاف تو نظر آیا مگر مفتی صاحب نے یہ جو نیا شوشہ چھوڑا ہے اس کا کہیں وجود نظر نہیں آیا، شاید کہیں نص فہمی کا اختلاف ہو مگر اکثر مسائل میں دلائل ہی کا اختلاف نظر آیا۔ اور ہر فقیہ اور امام کی اپنی اپنی ترجیحات نظر آئیں، یا ان دلائل کے درمیان تطبیق کا راستہ نظر آیا، یا کسی نے ناسخ منسوخ کی بات کی یا ان دلائل میں کس کو ترجیح دیں اور کس کو نہ دیں، اس سے توقف کیا، تعارض ادلۃ کے وقت محدثین عام طور پر انہیں چار راستوں پر چلتے ہیں۔

اصول فقہ کی کتابوں میں بھی جہاں تعارض ادلۃ کی بحث آتی ہے، تو اس کے حل کے لئے انہیں چار راستوں میں سے کسی ایک پر چلنے کی بات کی جاتی ہے۔

اب رہا کہ مفتی صاحب کے اس کلام کا مطلب کیا ہے؟ تو اصل میں مفتی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جب حق ایک ہے اور سارے مذاہب حق ہیں تو سب مذاہب کے دلائل بھی ایک ہونے چاہئیں۔ ان کے صاحبزادہ سلمہ فرماتے ہیں۔

> ''حدیث شریف پڑھانے کا جو پہلے سے طریقہ چلا آرہا ہے کہ مجتہدین مذاہب میں تقابل اور ترجیح قائم کی جاتی ہے آپ کو یہ بات اس تقریر میں واضح طور پر نظر نہیں آئے گی، حضرت الاستاذ مدظلہ اس کو پسند بھی نہیں کرتے وہ فرمایا کرتے ہیں کہ جب چاروں مذاہب برحق ہیں تو ان میں ترجیح قائم کرنے سے کیا فائدہ؟ حق بہرحال حق ہے، اس میں تشکیک ومراتب نہیں ہیں۔'' (۱/۴۰) پھر فرماتے ہیں کہ:
>
> ''بہرحال یہ تقریر مناظرہ کشی اور کشتی کا اکھاڑہ نہیں ہے'' [1]

صاحبزادہ سلمہ کی یہ بات ''چھوٹا منھ بڑی بات کی مثال ہے''یعنی صاحبزادہ سلمہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کتب احادیث کی اب تک جو شرحیں لکھی گئی ہیں چاہے وہ فتح الباری ہو،

---

[1] حاشیہ صفحہ نمبر ۲۴ پر دیکھیں

یاعمدۃ القاری، یا فیض الباری ہو یا بذل المجہود، علامہ شبیر احمد عثانی کی مسلم کی شرح ہو یا علامہ بنوری کی ترمذی کی شرح یہ ساری شروحات مناظرہ کشی اور کشتی کا اکھاڑہ ہیں اس لئے کہ ان کتابوں میں مسائل فقہیہ میں تعارض کے وقت ہر مذہب والا اپنے اپنے مذہب کو دلائل کی بنیاد پر ترجیح دیتا ہے، اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی یہ شرح اس عیب سے پاک ہے، وہ تمام مذاہب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ائمہ کے درمیان اکثر مسائل میں دلائل کا اختلاف نہیں ہے نص فہی کا اختلاف ہے، یعنی ہر امام نے اپنی فہم کے مطابق نص کو یعنی اس مسئلہ کی جو اصل دلیل ہے اس کو سمجھا ہے، نص اور دلیل ہر مذہب کی ایک ہی ہے، فہم کا اختلاف ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بلا ولی کے نکاح نہیں ہوسکتا، اور حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح بلا ولی کے بھی ہو جائے گا۔ یعنی عورت خود اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دونوں امام کی دلیل ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے "لانکاح الا بولی" اور چونکہ اس نص کو دونوں اماموں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق سمجھا ہے۔ اس وجہ سے دونوں کا مسلک اس مسئلہ میں الگ الگ ہو گیا ہے۔ دلائل کے الگ الگ ہونے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس نص کا معنی الگ الگ سمجھنے کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نفی کو حقیقت پر محمول کیا ہے، یعنی نکاح کی حقیقت بلا ولی کے نہیں پائی جائے گی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نفی سے مجازی معنی مراد لیا ہے یعنی بلا ولی کے کمال اور تام طریقہ پر نکاح منعقد نہیں ہوگا، منعقد ہوگا مگر ناقص ہوگا۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اصل دلیل صرف ایک حدیث ہے، دوسرے تمام دلائل جو جانبین سے پیش کئے جاتے ہیں ان کا مسئلہ باب سے واضح تعلق نہیں پس یہ نص فہی کا اختلاف ہے دلائل کا نہیں۔" (۵۱۷/۳)

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور وعید کی

حدیثوں میں ناقص کو کالعدم فرض کرکے گفتگو کی جاتی ہے۔" (۵۱۸/۳)

مفتی صاحب کے اس اچھوتے نکتہ پر کئی سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ مفتی صاحب کو جو نکتہ سوجھا ہے اس کی تائید اکابر کے کلام سے ہوتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اکابر محدثین کی شروحات میں احادیث مختلفہ کے موقع پر جو ہر مذہب کے دلائل کا ذکر ہے اور شراح حدیث نے اپنے اپنے مذہب کی ان دلائل میں سے جو دلیل ذکر کی ہے، ان کا یہ کام لغو اور بیکار ہے؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کا واقعی یہ عقیدہ ہے کہ شراح حدیث کی کتابیں کشتی کا اکھاڑہ ہیں اور کیا آپ کے اس نقطۂ نظر کی وجہ سے ان اکابر کا احترام اور اکرام باقی رہتا ہے؟

چوتھا سوال یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے لا نکاح الا بولی کی حدیث کو وعید کی حدیث کہا ہے؟

پانچواں سوال یہ ہے کہ آپ نے جو کہا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو وعید کی حدیث قرار دیتے ہیں اس کا ماخذ کیا ہے؟ کس کتاب میں یہ لکھا ہے، خود امام سے یا ان کے کسی شاگرد سے یہ بات منقول ہے؟

چھٹا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کے اس نکتہ سے ائمہ کے درمیان اختلاف ختم ہو گیا یا اختلاف ائمہ کی ذات تک پہونچا یعنی پہلے تو ائمہ کے دلائل کی وجہ سے کتب احادیث کشتی کا اکھاڑہ بنی ہوئی تھیں اب ان کی ذات کشتی کا اکھاڑہ بن جائے گی، ہر امام کا مقلد کہے گا ہمارا امام زیادہ احادیث کا سمجھنے والا ہے، اور پھر اس کھینچا تانی میں ائمہ کا احترام دلوں سے رخصت ہو جائے گا؟

ساتواں سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنے اس نکتہ کی وجہ سے احناف کے ہاتھ میں جو سونے کا پیالہ تھا اس کو لیکر پیتل کا پیالہ نہیں تھما دیا؟ اس کی شرح یہ ہے کہ جب آپ نے کہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں نفی کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور امام

ابوحنیفہ مجاز پر محمول کرتے ہیں تو بتایئے کہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کی کیا حقیقت ہے؟
جب کہ دلائل کی روشنی میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک زیادہ راجح ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ
اللہ علیہ کے مسلک کی تائید متعدد احادیث کے علاوہ قرآن کی آیات سے ثابت ہے۔ مثلاً
قرآن میں ہے فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ .اس آیت کریمہ میں
نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے
بارے میں اصل عورت ہے، نیز قرآن میں ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا
تعضلوهن ان ینکحن . اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں ہی طرف کی گئی
ہے۔اور احادیث ایک نہیں کئی ہیں۔ مثلاً الا یم احق بنفسها . بلاشوہر والی عورت کا حق
اپنے اوپر دوسروں سے زیادہ ہے، اور مسلم کی روایت ہے لاتنکح الا یم حتی تستامر
ولا تنکح البکر حتی تستأذن، قالوا یارسول الله کیف اذ نها قال ان
تسکت . یعنی بلاشوہر والی[1] عورت سے مشورہ کے بعد ہی اس کا نکاح کرایا جائے گا، اور
جو عورت ابھی باکرہ ہے یعنی پہلی بار اس کا نکاح ہو رہا ہے اس سے پہلے اجازت لی جائے
گی، لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول اس کی اجازت کیسے ہوگی۔؟ آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا وہ اجازت لئے جانے کے وقت خاموش رہے۔ ان دو حدیثوں کے علاوہ
کتب حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا مستدل اور بھی بہت سی احادیث
ہیں اور عقل کا بھی یہی تقاضا اور یہی شہادت ہے کہ جب عورت عاقلہ بالغہ ہے اور مرد کے
ساتھ اسی کو نباہ کرنا ہے تو ایسے اہم معاملہ میں اس کو عضو معطل بنا کر نہ رکھا جائے، عورت سے
صراحۃً یا اشارۃً اس کی بھی مرضی معلوم کی جائے۔ غرض عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اور اللہ کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث ہیں، ان احادیث کے ساتھ جب کتاب اللہ کو
ملا لیا جائے تو احناف کے مذہب کی بنیاد بہت مضبوط ہو جاتی ہے، جب کہ مفتی صاحب کے
نکتہ کی رو سے احناف کا مذہب دلیل کے اعتبار سے بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے
کہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز بے حقیقت ہوتا ہے۔

---

[1] یہاں بلاشوہر والی عورت سے مراد ثیبہ ہے، اس لئے کہ الایم یہاں باکرہ کے مقابلہ میں آیا ہے۔

یہاں ایک اور بات آپ نوٹ کرلیں کہ مفتی صاحب اپنی طرف سے بہت سی باتیں وہ کہہ دیتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، مثلاً دیکھئے یہیں انھوں نے **لا نکاح الا بولی** کو وعید کی حدیث قرار دیا ہے اور اس کی نسبت بلا کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کردی ہے، اسی طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفہامیہ کلام **من المتکلم** کو زجر وتوبیخ کا کلام قرار دیا ہے، اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک صحابی معاذ بن رفاعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ان کو چھینک آگئی اور ان کے منہ سے یہ دعا نکلی **الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ کمایحب ربناویرضیٰ**. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر پوچھا **من المتکلم** یعنی یہ دعا کون پڑھ رہا تھا۔ کسی نے جواب نہیں دیا، تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات دہرائی تو تیسری مرتبہ معاذ بن رفاعہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس کو پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا **کیف قلت**؟ کیسے تم نے کہا تھا، یعنی وہ کلمات کیا تھے، حضرت ابن رفاعہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوبارہ وہ دعا آپ کو پڑھ کر سنائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **والذی نفسی بیدہ لقدابتدرھا بضعۃ وثلاثون ملکا ایھم یصعد بھا**. یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تقریباً تیس فرشتے لپکے کہ کون اس کو لیکر آسمان کی طرف جائے، اس پورے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھنا **من المتکلم** بطور تعجب کے تھا، نہ کہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر، مگر مفتی صاحب فرماتے ہیں:

> ''نبی پاک نے تحمید کرنے والے کو تین مرتبہ ڈانٹا ہے اور اس کو کلام فی الصلوٰۃ قرار دیا ہے جو لوگ عربی زبان کی باریکیوں سے واقف ہیں وہ **من المتکلم فی الصلوٰۃ** کے وزن کا اندازہ کرسکتے ہیں یہ کتنی سخت ڈانٹ ہے۔.............پھر آپ نے ان کی تسلی کی خاطر اس کو شاندار ذکر قرار دیا۔'' (۲۳۹/۲)

معلوم نہیں حضرت مفتی سعید پالنپوری صاحب کس دنیا میں ہیں، اور ان کے منہ

سے کیا نکل رہا ہے ان کو اس پتہ بھی چلتا ہے یا نہیں؟ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ان کلمات کی خوبی کا پتہ چل گیا تھا، اور آپ کو نماز ہی میں یہ محسوس ہو گیا تھا کہ تیس کے قریب فرشتے ان کلمات کا آسمان کی طرف لے جانے کیلئے لپکے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے بعد یہ پوچھنا کہ ان کلمات کو کس نے کہا ہے؟ یہ ڈانٹ کیوں کر ہوگی؟ آپ کا یہ سوال تو ان کلمات کی خوبی اور فرشتوں کے ان کلمات کی طرف لپکنے کی وجہ سے بطور استعجاب تھا، اور پھر مفتی صاحب نے کتنی غلط یہ بات فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کی تسلی کی خاطر ان کلمات کو شاندار ذکر قرار دیا۔ یعنی یہ کلمات فی نفسہ شاندار ذکر نہیں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو خلاف واقعہ شاندار ذکر قرار دیا۔ (یعنی معاذ اللہ حضرت معاذ کو جھوٹی تسلی دی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مفتی صاحب کی یہ بات کتنی خطرناک ہے۔ قارئین اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز میں تحمید کی گنجائش ہے نہ تشمیت کی۔ یعنی چھینک آنے کے وقت نہ حالت نماز میں الحمد للہ کہنے کی گنجائش ہے نہ یرحمک اللہ کہنے کی گنجائش ہے، تو عرض ہے کہ یرحمک اللہ کہنے کی تو واقعی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کاف خطاب کا ہے، مگر الحمد للہ بھی کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مفتی صاحب کو اس کے لئے دلیل پیش کرنی چاہئے۔

اخیر میں آپ سے ایک گذارش کروں گا کہ اگر آپ اپنے بارے میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ غلط، صحیح اور حق وصواب کی آپ تمیز کر سکتے ہیں تب تو مفتی صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ جاری رکھیں لیکن اگر آپ کا علم کچا ہے تو اس کا مطالعہ بند کر دیں۔ اس لئے کہ مفتی صاحب کی اس کتاب میں موتیوں کے ساتھ ساتھ خزف ریزے بھی ہیں۔ ان کا موتیوں سے الگ کرنا ہزاروں صفحات کی کتاب میں سے کوئی آسان کام نہیں ہے، چند خزف ریزوں کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں: قرآن پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے (۴۲/۱) لاتجلسوا علی القبور سے مراد قبروں پر مراقبہ کرنا ہے[1] (۴۶۲/۳) زمین

---

[1] حاشیہ صفحہ ۲۶ پر دیکھیں۔

پر تین مخلوق مکلف ہیں (۲۰۱/۱) نماز میں جان بوجھ کر خلاف ترتیب سورہ مکروہ تحریمی ہے (۵۸/۲) عیدین میں راستہ بدل کر آنا جانا عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، امراء کے لئے ہے (۴۱۸/۲) حدیث حجت نہیں[1] (۳۵۵/۴) اترتی سورتوں کا پڑھنا واجب ہے (۴۹۲/۲) دو سورتوں کو اگر ایک رکعت میں پڑھے تو بسم اللہ جہراً پڑھے (۴۹۲/۲) مجبوری میں جمع تاخیر جائز ہے (۴۳۳/۲) صحابۂ کرام بھی مبعوث تھے (اس پر حدیث معاذ سے استدلال) (۴۳۵/۱) حوض کوثر ہر نبی کے لئے ہوگا (۱۹۵/۶) ائمہ کا اجتہاد یعنی قیاس بھی حکماً وحی ہے (۵۹/۱) داڑھی کا خلال سنت نہیں ہے ادب ہے (۲۵۵/۱) حضرت زید بن ثابت جمع قرآن ثانی کے وقت بوڑھے تھے (۶۴/۱) (حضرت زید کی عمر اس وقت ۳۹ سال تھی کیا اس عمر کا آدمی بوڑھا کہلاتا ہے؟) وحی حکمی پانچ چیزیں ہیں (۱) نبی کا خواب (۲) نبی کا اجتہاد (۳) امت کا اجماع (۴) اور امت کا اجتہاد (۵۷/۱) (یہ تو صرف چار چیزیں ہوئیں پانچویں چیز؟ (اجتہاد بھی وہی اجماع بھی وہی یہ بالکل نیا انکشاف) نص حدیث کا غلط معنی (۱۳۶/۱)[2] کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کو علل کی کتاب قرار دینا (یہ رجال میں ہے علل میں نہیں) شمائل کا واحد مفتی صاحب کے نزدیک شمیلۃ ہے (جب کہ شمال کی جمع ہے شمیلۃ کی نہیں) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ ولید ہوا (۶۹/۱)[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غیر مہذب لفظوں کا استعمال (۴۷۰/۴)[4] صحابیٔ رسول کے بارے میں بھونڈے لفظ کا استعمال (۱۶۹/۴)[5] فرشتوں کی طرف غلط بات کا انتساب بے ڈھنگے طریقے سے (۴۰۸/۳)[6] حضرت امام ترمذی پر طنز (۴۱۰/۲) ہندوستان دار الکفر ہے (۵۲۷/۴)

(۲) سباب المسلم فسوق کا غلط ترجمہ: (۴۱۴/۶)

مفتی صاحب نے فسوق کا ترجمہ بدکاری سے کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی اردو لغت میں حضرت نے فسق کا معنی بدکاری دیکھ لیا ہے، اور اسی کو یہاں فٹ کر دیا ہے۔ اردو زبان میں

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ حاشیہ صفحہ ۲۶، ۲۷ پر دیکھیں۔

بدکاری کالفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور عربی لفظ فحشاء کا یہ ترجمہ ہوتا ہے، شریعت کی زبان میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا ترجمہ گناہ کا کام، اللہ کی نافرمانی وغیرہ ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی گہری نیند ناقض وضو ہے: (۲۹۲/۲)

مفتی صاحب فرماتے ہیں: چونکہ انبیاء چوکنا سوتے ہیں، اس لئے ان کی نیند ناقض وضو نہیں ہے، امت بھی اگر چوکنا سوئے تو سونے کی وجہ سے ''ان کی بھی وضو نہیں ٹوٹتی'' گہری نیند سے مفتی صاحب کے خیال کے مطابق نبی کی بھی ''وضو ٹوٹ جاتی ہے اور امت کی بھی وضو ٹوٹ جاتی ہے'' اس فلسفہ کا حاصل یہ نکلا کہ نیند سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں نبی ﷺ اور امت کے درمیان کوئی فرق نہیں، یعنی نیند سے وضو نہ ٹوٹنا نبی ﷺ کا اختصاص نہیں رہا۔

حوض کوثر ہر نبی کے لئے ہے: (۱۹۵/۶)

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ حوض کوثر ہر نبی کے لئے ہوگا، ہمارے نبی کا بڑا ہوگا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا چھوٹا ہوگا۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر انا اعطیناک الکوثر میں صرف حضور ﷺ کو بطور خصوص خطاب بلا وجہ ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث پر ایک دلچسپ اعتراض: (۵۲۹/۴)

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم میدان نہیں چھوڑیں گے، اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے موت پر بیعت کی تھی۔

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: یہ ایک ہی حقیقت کی دو الگ الگ تعبیریں ہیں، حضرت جابر کی تعبیر بہتر ہے، حضرت سلمہ کی حدیث پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ''تم مرے کیوں نہیں بیعت کی خلاف ورزی کیوں کی'' یعنی چاہے لڑائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو حضرت سلمہ کا مرنا ضروری تھا۔

وتر میں کوئی بھی دعا پڑھ لے: (۳۲۰/۲)

مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں: وتر میں کوئی بھی دعا پڑھ لے قنوت کا تحقق ہو جائے گا، اس لئے کہ قنوت کا معنی دعا کے ہیں۔مگر کیا کوئی بھی دعا پڑھنے سے مسنون دعاء قنوت کا بھی تحقق ہو جائے گا؟ وتر میں حضور ﷺ کوئی بھی دعا پڑھتے تھے؟ رہا مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ میں جلدی کی حالت میں کوئی بھی دعا پڑھ لیتا ہوں، تو آپ کا اپنا عمل شریعت میں حجت کب سے ہو گیا؟

حضرت مفتی صاحب کا امام ترمذی کے بارے میں ایک ریمارک: (۳۸۲/۲)

مفتی صاحب فرماتے ہیں: قلم امام ترمذی کے ہاتھ میں ہے جو چاہیں لکھ دیں، ہمیں ذرا قلم دیں پھر دیکھیں ہم کیا لکھتے ہیں:

حضرت ترمذیؒ کے مقابلے میں یہ انداز گفتگو کچھ مناسب نہیں ہے، حضرت امام ترمذیؒ اگر ہمارے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو ہمارے شرف کے لئے بہت کافی ہے۔

امام ترمذی پر بلا وجہ کلام: (۲۱۵/۲)

امام ترمذیؒ نے طول القیام فی الصلوٰۃ کا باب باندھا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدیث میں جو آتا ہے کہ افضل صلاۃ طول القنوت یہاں قنوت سے مراد قیام ہے، اس پر مفتی صاحب فرماتے ہیں: اس معنی کے لئے کوئی وجہ ترجیح نہیں، حدیث میں قنوت کے دوسرے معنی بھی لئے جاسکتے ہیں، مگر مفتی صاحب نے ان دوسرے معنوں میں سے وئی معنی بیان نہیں کیا، مفتی صاحب نے طول قنوت کا مطلب اس سے پہلے طول قرأت بیان کیا ہے، مفتی صاحب کو پتہ نہیں چلا کہ جب طول قرأت ہوگا تو طول قیام بھی ہوگا۔؟

ذنب سے کیا مراد ہے: (۲۵۲/۲)

سورہ فتح کے شروع میں جو یہ ہے کہ "ماتقدم من ذنبہ وماتاخر" تو ذنب کا مطلب مفتی صاحب بیان فرماتے ہیں: ''غرض یہاں ذنب سے لوگوں کے ذہنوں میں علی سبیل الفرض پیدا ہونے والے خیالات ہیں، پس یہ آیت امکان گناہ کو ستلزم نہیں''۔

معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے ذہن سے تفسیر بالرائے والی وعیدیں محو ہوگئی تھیں، میں پوچھتا ہوں کہ ذنب کا یہ معنی کس مفسر نے بیان کیا ہے؟ اور اس آیت کی یہ تفسیر کس نے کی ہے؟

حدیث کی من مانی شرح: (۲/۲۵۸)

حدیث پاک میں ہے: ''**رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیها**'' یعنی فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حضرت مفتی صاحب اس کی شرح کرتے ہیں ''اس ارشاد کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو صبح چار پیسوں کی خاطر فرض جلدی سے ادا کر کے کام پر لگ جاتے ہیں''۔

یعنی مفتی صاحب کی فہم کے مطابق اس حدیث کا تعلق عام مسلمانوں سے نہیں ہے؟

حدیث پاک کا غلط معنیٰ: (۲/۲۶۴)

حدیث پاک میں آتا ہے: ''**اذا صلیٰ احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینه**'' '' مفتی صاحب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا مسجد میں تہجد پڑھنے والوں سے تھا''۔

یعنی مفتی صاحب کے نزدیک خاص لوگوں کے لئے ہے، عام مصلیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے، کرم ہوتا اگر مفتی صاحب کسی شارح حدیث سے حدیث پاک کا یہی معنی نقل کر دیتے۔

اربع من سنن المرسلین: (۳/۴۹۵)

مفتی صاحب کے نزدیک شرم کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا اصلاً بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں، فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں۔''

مفتی صاحب کے نزدیک اربع من سنن المرسلین کا یہ مطلب ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بڑے نبی کا نام لیا ہے نہ چھوٹے۔

سعودیہ والے نہیں چاہتے کہ حج وقت پر ہو: (۵۶/۴)

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ''سعودیہ والے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، ہر سال رمضان اور عیدین میں دو گواہ قاضی کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ان کی گواہی پر چاند ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے جب کہ پوری دنیا میں کہیں چاند نظر نہیں آتا''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

''بات دراصل یہ ہے کہ سعودیہ میں چاند کا نظام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہیں چاہتے کہ حج صحیح وقت پر ہو، انہوں نے چاند کا سارا نظام بدل دیا ہے۔''

اور ۶۹/۴ پر فرماتے ہیں ''اگر غلطی کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ غلطی معاف ہے، جیسے سعودیہ میں چاند کا نظام جن ہاتھوں میں ہے ان کی دلچسپی اس سے ہے کہ حج صحیح نہ ہو۔ اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مسلمانوں کے حج کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن بھی مسلمان حج کرتے ہیں ان کا حج صحیح ہوتا ہے یہ اجتماعی غلطی ہے جو معاف ہے۔''

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا یہ ارشاد بہت قابل غور ہے اور انتہائی خطرناک بات ہے۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر کا مطلب: (۵۵۶،۵۵۵/۴)

مفتی صاحب فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تیر و تفنگ کی لڑائی تو لڑ چکے یہ چھوٹا جہاد تھا، اب دل سے لڑنا ہے یعنی خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ہے، اور یہ بڑا جہاد ہے، تبلیغ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ تبلیغ کے لئے نکلنا بڑا جہاد ہے۔ یہ مطلب صحیح نہیں ہے، حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو کہ رومی ہمارا مقابلہ نہ کر سکے ہم زبردست ہیں، ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا، یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے، غافل نہیں ہو جانا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں یہ معرکے پیش آئے۔ اس حدیث میں اس کی پیشن گوئی ہے۔''

اس حدیث میں پیشن گوئی کی بات کس نے کہی ہے اور جہاد اکبر کی آپ نے اپنی طرف سے جو تفسیر کر کے دوسروں کے سر مڑھا ہے اس کا حوالہ کیا ہے؟

خلفائے راشدین کی سنت کے بارے میں مفتی صاحب کا ایک ملفوظ (۲/۶۵۲)

سنت الخلفاء الراشدین کے بارے میں حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں خلفاء راشدین کی جن سنتوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے ان سے مراد ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی سنتیں ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک نیشنل حکومت (قومی حکومت) قائم ہوئی تھی۔ انٹرنیشنل (بین الاقوامی) حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، وہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں قائم ہوئی، اس لئے اس سلسلہ کے احکام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں جب ایسی حکومت قائم ہوئی تو ان حضرات نے بہت سی باتیں ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی بیان کیں۔ ملک وملت کی تنظیم شیرازہ بندی کے لئے بھی جنگ ضروری ہے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اور بیس رکعت باجماعت تراویح کا نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنایا ہے، یہ حضرت عمر کی نسبت ہے اول کا تعلق ملک کی تنظیم سے ہے اور ثانی کا ملت کی تنظیم سے ہے۔

مفتی صاحب دامت برکاتہم نے حجۃ اللہ البالغہ کی شرح لکھی ہے، اس وجہ سے کبھی کبھی ولی اللہی روح ان میں جلوہ گر نظر آتی ہے، مفتی صاحب کا یہ کلام اس کی ایک مثال ہے: ''اس حدیث کی شرح میں کسی شارح حدیث نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے اور نہ انہوں نے خلفاء راشدین کی سنتوں کی یہ تقسیم کی ہے اور نہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کو قومی حکومت تک محدود کیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات میں قیامت تک کی باتیں ہیں، انٹرنیشنل بھی اور غیر انٹرنیشنل بھی۔ جنگ

کے احکامات، حدود اور قصاص، معاملات، خرید و فروخت، پڑوسی کے حقوق، دوست اور دشمن کے ساتھ معاملات، چھوٹوں اور بڑوں سے متعلق ہدایات، ماں باپ سے متعلق احکام وفرامین، کیا ان کا تعلق ہر زمانہ اور ہر عہد سے نہیں ہے؟ میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ ملفوظ عہد رسالت کی ایک طرح کی توہین ہے، اور حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد کہ بیس رکعت تراویح با جماعت کا نظام حضرت عمر نے بنایا ہے یہ بھی آپ کے سمجھنے کی بات ہے، ورنہ بیس رکعت تراویح جماعت کے ساتھ تو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب پڑھائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو صرف اتنا کیا کہ وہ حضرت ابی ابن کعب کو امام بنا کر پورے رمضان کے مہینہ تراویح پڑھوائی، اور یہ منشاء نبوت کو پا کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات تراویح میں صحابہ کرام کی شرکت کا ذوق وشوق دیکھ کر فرمایا خشیت ان تفرض علیکم اور چونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تراویح کی فرضیت کا اندیشہ نہیں رہا تو آپ نے اپنے عہد میں اس منشاء نبوت کی تکمیل فرمائی۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں مفتی صاحب نے جو بات فرمائی ہے وہ بہت قابل غور ہے۔

الایم کا غلط ترجمہ اور ایک جدید و عجیب فلسفہ: (۴۹۳/۱)

کبھی کبھی تو مفتی صاحب حدیث کی شرح میں ایسا فلسفیانہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ وہ فلسفہ اور وہ شرح سر سے گذر جاتی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت والا حدیث کی شرح کر رہے ہیں یا کسی اور دنیا میں ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ **لانکاح الا بولی** میں عورتوں سے خطاب ہے، اور **الایم احق بنفسھا** میں مردوں سے خطاب ہے، غرض جب عورتوں سے خطاب کیا تو سارا حق ولیوں کو سونپ دیا اور جب مردوں سے خطاب کیا تو عورتوں کو پورا اختیار دے دیا۔ اور الایم کا حضرت والا نے ترجمہ کیا ہے "غیر شادی شدہ عورت"

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

حدیث مرسل کی غلط تعریف: (۱۴۹/۱۲۰)

حدیث مرسل کی تعریف حضرت مفتی صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:

''متاخرین کی اصطلاح میں مرسل وہ روایت ہے جس کی سند کے آخر سے صحابی کا نام حذف کر دیا گیا ہو''

اگر مرسل کی یہی تعریف ہے تو اس کے حجت ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہ حذف شدہ صحابی معلوم ہو یا نا معلوم، اگر وہ صحابی ہے تو الصحابة كلهم عدول کے تحت آتا ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی چیزیں ہیں جو اس کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو ملیں گی۔ اس کتاب کا ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب اس کتاب میں جگہ جگہ تبلیغی جماعت کا رد کرتے ہیں۔ گویا اس کتاب کا ایک موضوع یہ بھی ہے، اس موضوع سے مفتی صاحب کی اتنی دلچسپی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

رمضان اور غیر رمضان میں مدارس ومکاتب کے سفراء بمبئی وغیرہ شہروں میں چندہ کیلئے جاتے ہیں، عموماً یہ سفراء مولوی اور حفاظ ہوتے ہیں، ان سفراء مدارس کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: ایسے مدرسوں کے سفراء کو لوگ جوتوں سے تولتے ہیں۔ (۶۱۳/۲) اگر مفتی صاحب یہ بات غلط قسم کے سفراء کے بارے میں فرماتے تو بجا تھا، مگر مفتی صاحب نے اس کو چھوٹے مدارس کے سفراء کے لئے عام رکھا ہے۔

آپ کے سوال کا جواب تو بہت مختصر تھا مگر اس کو لکھنے کے لئے المعی کی کچھ جلدوں کو ہاتھ میں لیا تو یہ جواب بہت طویل ہو گیا، آپ نے مجھ سے یہ سوال کر کے مجھ کو بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے، مگر کتمان علم کی وعید کے پیش نظر مجھے آپ کے خط کا جواب دینا پڑا۔ اللہ حفاظت فرمائے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے

ایک عاجزانہ ومخلصانہ گذارش

اب اخیر میں دارالعلوم دیوبند کے ایک ادنیٰ وحقیر طالب علم ہونے کی حیثیت سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے گذارش ہے کہ اب آپ دارالعلوم کے ایک عام مدرس نہیں رہے ہیں، عام مدرس بھی اگر آپ ہوتے تو دارالعلوم کی طرف آپ کے انتساب کی وجہ سے آپ کا مقام بہت بلند ہوتا، مگر اب تو آپ ماشاء اللہ حضرت اقدس محدث کبیر صدرالمدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اس وجہ سے صف علماء میں آپ کا ایک خاص مقام ہوگیا ہے، اس کتاب یا دوسری کتابوں[1] میں اس طرح کی باتیں اگر باقی رہیں جن کا نمونہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا ہے تو آئندہ چل کر جماعت دارالعلوم کے لئے اور خود دارالعلوم کے لئے یہ کتابیں فتنہ بنیں گی اور دارالعلوم دیوبند اور جماعت کی جو بدنامی ہوگی اس کا آپ خود تصور کرلیں۔ اس لئے میری حقیر رائے اور مخلصانہ گذارش ہے کہ دو تین اچھے شاگردوں کی ایک کمیٹی بنادیں جو آپ کی نگرانی میں اس تقریر ترمذی کا غائر نظر سے مطالعہ کرے اور قابل مواخذہ اور اعتراض والی باتوں کو خصوصاً جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین یا اکابرامت یا فرشتوں کے بارے میں

[1] اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب کی دوسری کتابوں میں بھی ناگفتنی ملتی ہے، مثلاً فرشتوں پر ایک عوامی اور غیر مہذب مثال فٹ کرنا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ بارہویں پارہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے کا قصہ ہے، جس میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو فرشتوں کو انسان سمجھا اور ان کو کھانا پیش کیا مگر فرشتوں نے کہا کہ ہم تو فرشتے ہیں۔ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، جب فرشتوں نے یہ کہا کہ ہم تو فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے جو پیچھے کھڑی یہ سب سن رہی تھیں نے کہا ''لو بھائی کھودا پہاڑ اور نکلی چوہیا'' یعنی بجائے انسان اور مہمان کے یہ تو فرشتے نکلے، مفتی صاحب نے ہدایت القرآن میں (جلد چہارم) اس عوامی اور غیر مہذب مثال کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مبارکہ کی زبان سے فرشتوں پر فٹ کردیا، حضرت کو اس کا بھی پتہ نہیں چل سکا کہ اس مثال کا موقع اور محل کیا ہے۔

یا وحی کے سلسلہ میں جو آپ کے قلم سے غیر مناسب، ناشائستہ کلمات و غلط باتیں نکلی ہیں یا جن باتوں سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب کے بارے میں غلط تاثر قائم ہوتا ہے[1] ان سے اس کتاب کو پاک صاف کریں، اور جب تک یہ کام نہ ہولے اس تقریر کی اشاعت کو آپ بند کر دیں، اور اس کتاب کی تطہیر و تہذیب کے بعد ہی اس کے شائع کریں، یہ میری مخلصانہ اور حقیری گذارش ہے۔

هل بلغت ؟ اللّٰهم فاشهد

ملاحظه

میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے بصد ادب عرض کروں گا حضرت والا میری اس تحریر کو کسی اور جذبہ پر محمول نہ کریں، اگر آپ کے ساتھ محبت و اخلاص کا تعلق نہ ہوتا اور دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میرے پیش نظر نہ ہوتی تو میں چند سطروں میں خط کا جواب دیکر قلم رکھ دیتا، مگر چونکہ آپ کی کتاب عام ہو چکی ہے اور مخالف اور غیر مخالف سب اس کو پڑھیں گے اس وجہ سے ان امور کی نشاندہی خود ایک حقیر طالب علم کے قلم سے میرے نزدیک ضروری ہوئی۔ اگر میں خاموش رہتا تو نہ آپ کے ساتھ خیر اخواہی ہوتی اور نہ دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے ساتھ۔ **والله يعلم مافي الصدور.**

---

[1] حضرت مفتی صاحب کی اس کتاب میں جگہ جگہ امام ترمذی پر طنز ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں: امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسری احمقانہ آواز کو جس سے آدمی گنہ گار ہوتا ہے حذف کر دیا ہے، حضرت کو حذف کرنے کا بڑا شوق ہے حالانکہ جو ٹکڑا حذف کیا ہے اس کو لکھتے تو وہ اتنی جگہ نہ گھیرتا جتنی وفي الحديث الخ نے گھیری ہے (۴/۴۱۰)
حضرت مفتی صاحب کی زبان سے امام ترمذی کے بارے میں یہ بات کچھ جچی نہیں۔

....

صفحہ نمبر ۹ کا حاشیہ نمبر (۱)......اصل میں مفتی صاحب نے اور صاحبزادہ سلمہ نے اس پر غور نہیں کیا کہ مسائل فقہیہ میں چاروں ائمہ کے مابین اختلاف ہوتے ہوئے بھی چاروں مذاہب برحق ہیں، اور سب کے سب اہل سنت والجماعۃ ہیں اور سب کے سب ما أنا علیہ واصحابی والے ہیں، اور یہی وجہ ہے

کہ نہ شافعی حنفی کے مذہب کو باطل کہتا ہے اور نہ حنفی شافعی کے مذہب کو باطل کہتا ہے، نہ حنبلی اور مالکی ایک دوسرے کو ناحق کہتے ہیں، چونکہ ہر مذہب کا مستدل قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس ہے، کہیں کتاب اللہ سے استدلال ہوتا ہے کہیں سنت رسول اللہ سے اور کہیں اجماع اور قیاس سے چار وں مذاہب کی بنیاد انہیں چاروں اصول اور اساس پر ہے، تو سب متحد ہیں نہ کہ مختلف، اور آپس میں اتحاد ہے نہ کہ افتراق، کیا کسی شافعی نے کہا ہے کہ حنفی مذہب کی نماز باطل ہے، اس لئے کہ وہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہیں پڑھتا، یا کسی حنفی نے کہا ہے کہ شافعی کی نماز باطل ہے اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے قرآن پڑھتا ہے، اسی طرح مالکی وحنبلی میں سے آج تک کسی نے مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی نماز کو باطل کہا ہے، اور رہا مسائل کا اختلاف تو اللہ کی اس میں بڑی مصلحت اور ایک غیبی راز ہے اور وہ یہ کہ جس طرح قرآن کی حفاظت کی ضرورت تھی جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی ہے اور اس کا ایک عجیب وغریب نظام بنایا ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسلمان بچوں کے سینوں میں بھی قرآن محفوظ رہتا ہے، رمضان اور غیر رمضان میں حافظوں کے علاوہ عام مسلمان بھی قرآن اس قدر پڑھتے ہیں کہ اس کی مثال دنیا کی کسی مذہب کی کوئی کتاب نہیں پیش کرسکتی، اسی طرح احادیث مبارکہ بھی وحی کی ایک قسم ہے اور اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے، مگر اس کی حفاظت کا اللہ نے وہ نظام نہیں بنایا ہے جو قرآن کا نظام ہے، جب کہ اس کی بھی حفاظت کی ضرورت تھی اور وہ شریعت اسلامیہ کی دوسری بنیاد ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام یہ بنایا کہ چاروں ائمہ کرام کا مزاج احادیث مبارکہ کو ترجیح واختیار کرنے میں الگ بنادیا، اس طرح چاروں مذاہب کو اگر غور سے دیکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث مبارکہ پر عمل ہورہا ہے۔ حتی کہ ان احادیث پر بھی عمل ہورہا ہے جو مراسیل اور موقوفات صحابہ ہیں بلکہ ان تمام ضعیف احادیث پر بھی عمل ہورہا ہے جن کا ضعف شدید نہیں ہے، اس طرح چاروں مذاہب کے واسطہ سے اور ان کے اختلاف کی برکت سے عملی طریقہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث مبارکہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے، رفع یدین والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے، اور غیر رفع یدین والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے، آمین بالجہر والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے اور اخفاء والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے۔ لانکاح الا بولی والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے اور الایم احق بنفسھا والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے، لاصلوۃ لم یقرأ الفاتحہ والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے واذا قرأ فانصتوا والی حدیث پر بھی ہے۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے اور نہ پڑھنے والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے، جلسہ استراحت میں بیٹھ کر اٹھنے والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے، اور سیدھے کھڑے ہونے والی حدیث پر بھی عمل ہورہا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام کلمات مبارکہ کی، آپ کے کئے ہوئے تمام اعمال مبارکہ کی، نیز آپ کے پسندیدہ اور آپ کے مشروع کئے ہوئے تمام امور حسنہ کی

حفاظت کا عجیب وغریب نظام رہتی دنیا تک کے لئے قائم کردیا ہے، پس جس طرح قرآن پاک کا ایک ایک لفظ قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا گیا ہے، اسی طرح تمام احادیث مبارکہ کی حفاظت کا اللہ ہی کی طرف سے انسانی عقل وفہم کے ماوراء یہ نظام قائم کیا گیا ہے، اور چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی حفاظت ان چاروں مذاہب متبوعہ کے ذریعہ پوری ہورہی تھی اس وجہ سے اللہ نے اور مذاہب فقہیہ کو باقی نہیں رکھا اس لئے مذاہب کا یہ اختلاف کشتی کا اکھاڑہ نہیں بلکہ یہ اختلاف امتی رحمۃ ہے، اگر مذاہب کا یہ اختلاف نہ ہوتا اور تمام مذاہب والے ایک پلیٹ فارم پر ہوتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ تمام احادیث مبارکہ کی حفاظت اوران پر عمل ہوسکے، رہا اختلاف کے وقت ترجیح تو یہ تو انسان کا فطری حق ہے، ایک دسترخوان پر مختلف انواع کے کھانے ہوتے ہیں، کھانا سب جائز اور طیب اور برحق ہے مگر انسان دسترخوان سے وہی کھانا لیتا ہے جو اس کی پسند ہوتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ بقیہ کھانوں کا کھانا جائز نہیں اور وہ ناحق ہیں۔

....

صفحہ نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر (۱)..... لاتجلسوا علی القبور مفتی سعید صاحب نے غور نہیں کیا کہ حدیث کے الفاظ لاتجلسوا علی القبور میں .لاتجلسوا عند القبور نہیں ہیں، لاتجلسوا علی القبور کا تعلق مراقبہ سے نہیں ہے بلکہ قبر سے ہے، بیٹھنے سے ہے، یعنی قبر پر بیٹھنا ممنوع ہے اس لئے کہ اس میں قبر اور مردہ کی اہانت ہے، جس طرح قبر پر ٹیک لگانا بھی اس وجہ سے ممنوع ہے، اگر حدیث پاک میں عند القبور کا لفظ ہوتا تو حضرت مفتی صاحب کی بات کیلئے کچھ گنجائش کی شکل تھی، مگر یہاں تو علی القبور ہے نہ کہ عند القبور، کسی شارح حدیث نے اس حدیث کا مطلب وہ نہیں لیا ہے جو مفتی سعید صاحب نے سمجھا ہے۔

مفتی صاحب اس شرح میں جگہ جگہ فرماتے ہیں کہ اکابر کا عمل حجت نہیں ہے، مفتی صاحب کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے، مگر اکابر کے عمل سے جائز اور ناجائز کا عمل معلوم تو کیا جاسکتا ہے خصوصاً ہمارے وہ اکابر جن کی زندگیوں میں سنت کا نور جگمگا تا رہا ہو، کسی حدیث غلط معنی بیان کرکے ان کے عمل کو باطل نہیں کہا جاسکتا۔

صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۱)..... معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں مفتی صاحب کا ذہن صاف نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہے، اور دوسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حدیث کو حجت نہیں مانتا تو وہ اسلام کے ارکان اربعہ پر عمل پیرا نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ حجیت حدیث کا انکار درحقیقت احکام قرآنی سے گریز ہے، کیونکہ حدیثوں کے بغیر احکام قرآنی پر عمل ممکن نہیں۔ (۴۴۲/۶)

اور مقدمہ میں مفتی صاحب نے ما اتاکم الرسول والی آیت کو حجیت حدیث کی تیسری دلیل بتائی ہے، بلکہ ایک جگہ تو مبالغہ کردیا ہے، فرماتے ہیں: ''احادیث قرآن کریم کی طرح وحی ہیں۔'' (۴۷/۱)

بلاشبہ احادیث بھی وحی ہیں مگر قرآن کریم کی طرح نہیں۔
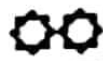
صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۲) ...... مفتی صاحب فرماتے ہیں: نص حدیث کے معنی ہیں حدیث کو مرفوع کرنا یعنی نبی کریم تک کو پہونچانا، معلوم نہیں یہ معنی کس لغت میں ہے۔

....

صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۳) ...... عمر بن عبدالعزیز کے بعد خلیفہ یزید بن عبدالملک ہوا تھا۔ دیکھو (البدایہ)

....

صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۴) ...... ایک صحابی بوڑھے تھے وہ دو آدمیوں کے سہارے چل رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح چلتے دیکھا تو پوچھا مابال ھذا؟ یعنی کیا بات ہے اس طرح کیوں چل رہے ہیں؟ مفتی صاحب نے مابال ھٰذا کا ترجمہ کیا ہے: آپ نے پوچھا یہ کیا ناٹک ہے اس طرح کیوں چل رہا ہے؟ یعنی مفتی سعید کے نزدیک وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم واقعۃً کمزوری کی وجہ سے ٹیک لگا کر نہیں چل رہا تھا بلکہ وہ کمزوری کے دکھلاوے کا ناٹک کر رہا تھا۔ (استغفر اللہ العلی العظیم) میں نے جب عبارت پڑھی تو میں کانپ گیا اور میری طبیعت پر کئی روز اس کا اثر رہا۔

....

صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۵) ...... مفتی صاحب فرماتے ہیں: ایک صحابی رسول حضرت حبان بن منقذ تھے ان کی گرہ میں کمزوری تھی یعنی ان کی عقل کا اسکرو ڈھیلا تھا، اگر یہی لفظ کوئی حضرت مفتی صاحب کے بارے میں استعمال کرے تو کیا مفتی صاحب اس کو گوارا کرلیں گے، انہوں نے کتنا غیر مہذب لفظ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا ہے۔ قارئین دیکھ رہے ہیں۔

....

صفحہ نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر (۶) ...... حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: جب نوحہ کرنے والا میت کی کوئی ایسی جھوٹی خوبی بیان کرتا ہے تو فرشتے اس کے سینہ پر مکا مارتے ہیں اور کہتے ہیں: وابھینسا؟ وایہاڑاہ؟ واالو کا پٹھاہ اور یہ مکے وہ عذاب ہیں جو پسماندگان کو کھانے پڑتے ہیں۔ حدیث میں عذاب سے یہی عذاب مراد ہے۔

☆☆☆☆☆☆

قسط چہارم
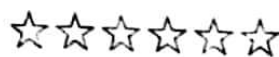
مولانا داؤد راز کی تشریح بخاری

محمد ابوبکر غازی پوری

داؤد راز صاحب تشریح بخاری جلد اول صفحہ ۴۶۰ پر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ابراہیمی مصلیٰ پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا، مگر صد افسوس کہ اس امت نے کعبہ ہی کو تقسیم کر ڈالا[1] اور چار مصلیٰ حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ناموں سے ایجاد کر لئے گئے، اس طرح امت مسلمہ میں وہ تفریق پیدا ہوئی کہ جس کی سزا آج تک مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ اللہ بھلا کرے نجدی حکومت کا جس نے کعبہ سے اس تفریق کو ختم کر کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی مصلے پر جمع کر دیا''

داؤد صاحب کو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے، ترکی حکومت کے ذمہ جب حرمین شریفین کی خدمت تھی، تو اس حکومت نے عالم میں پھیلے ہوئے چاروں مذاہب کی رعایت کی تھی، چونکہ حرمین شریفین میں امامت کا شرف حاصل کرنا چاروں فقہی مسالک میں سے ہر مسلک کے لوگوں کے لئے باعث افتخار تھا۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سب کی خواہش تھی کہ ان کو بھی حرمین شریفین کی امامت کا شرف حاصل ہو، تو ترکی کی حکومت جو حنفی کہلاتی تھی رواداری، بھائی چارگی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اور اس بات کو بتلانے کے لئے کہ ہم سب بحیثیت مسلمان ایک ہیں، ہم میں سے ہر ایک کی نماز ہر ایک کے پیچھے ہوتی ہے، حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے، شافعی کی نماز حنفی کے پیچھے، مالکی کی نماز حنبلی کے پیچھے اور حنبلی کی نماز مالکی کے پیچھے یعنی ہر مسلک والے کی نماز دوسرے مسلک والے کے پیچھے بلا کراہیت اور بلا ادنیٰ شبہہ جائز ہے۔ اس حنفی حکومت نے تمام مذاہب والوں کو حرمین میں امامت کا موقع دیا اور سب مذہب والوں کا احترام کیا تا کہ کسی کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ تنہا حنفی ہی

---

[1] مصلیٰ کی تقسیم کیا کعبہ کی تقسیم ہے؟ واہ رے عقلمند!

حرمین شریفین کے اجارہ دار ہیں، اور دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ سارے اہل سنت ایک ہیں، ان میں آپسی کوئی تنازع نہیں، ان امور کے پیش نظر ترکی حکومت کے زمانہ میں چار مصلے تھے، چار مصلے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہر مصلیٰ پر الگ الگ نماز ہوا کرتی تھی، بلکہ کچھ وقت کی نماز حنفی امام پڑھاتا تھا، اس کے پیچھے سارے مسالک والے پڑھتے تھے، کچھ وقت کی نماز دوسرے مسالک کے ائمہ پڑھاتے تھے، اور ان کے پیچھے سارے مسلمان نماز پڑھتے تھے، یعنی مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کا یہ ایسا خوشگوار منظر ہوتا تھا کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی، میل محبت، رواداری اور حسن سلوک اور اسلامی وحدت کا ایسا منظر کہیں نہیں دیکھنے کو ملتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ پورے عالم اسلام میں ترکی حکومت کے اس نظام کا والہانہ استقبال ہوتا تھا، غیر مقلدوں کے وجود سے پہلے ترکی حکومت کے اس حسن انتظام پر کسی نے انگلی نہ اٹھائی تھی، ترکی حکومت کا یہی ہنر غیر مقلدوں کو عیب نظر آتا ہے، اور ترکی حکومت کی یہی رواداری ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کے کھٹکتی ہے، اس بوالعجبی کا ہم کیا نام دیں، عیب تو اس وقت ہوتا اور تفریق بین المسلمین کا گلہ اس وقت کیا جاتا جب ایک وقت میں چاروں مصلوں پر الگ الگ نماز ہوتی، جب ایک وقت میں ایک ہی امام نماز پڑھا رہا ہے اور سب اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ تفریق بین المسلمین ہے یا اتحاد بین المسلمین کا خوشگوار منظر۔۔۔؟ ہائے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ترکی حکومت نے تو وہ کیا جس کا تذکرہ اوپر ہوا، یعنی سارے اہل سنت کے جذبات کی اس نے پوری رعایت کی اور دکھلا دیا کہ ہمارے نزدیک حنفی، شافعی اور حنبلی مالکی کی کوئی تفریق نہیں، ہم سب اہل سنت ہیں اور ہم سب ایک ہیں۔

اور جب انگریزوں کی سازش سے اور عرب حکمرانوں کی غداری اور دین فروشی سے حرمین شریفین پر نجدیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے کیا کیا؟ اسے دنیا دیکھ رہی ہے۔ اب حرمین ان کی جاگیر ہے، صرف انہیں کا امام حرمین میں نماز پڑھائے گا، اور ماشاء اللہ نماز بھی

کیسی وہ پڑھاتا ہے، نہ سنت کی رعایت، نہ آداب کی رعایت، نہ مصلیوں کی رعایت، نہ بوڑھوں کی رعایت، نہ بچوں اور معذوروں کی رعایت۔ بالکل من مانی نماز۔ قرأت میں تکلف اتنا کہ صاف محسوس ہو کہ یہ طبعی قرأت نہیں ہے، جمعہ کا خطبہ تو اتنا طویل اتنا لمبا کہ بس اللہ کی پناہ، وتر کی نماز ایسی کہ بہت سے مسالک والے الگ ہی وتر پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں، تراویح کے بعد وتر کی دعا تو بالکل ہی غیر مسنون، چیخنا چلانا، منہ بنا بنا کر رونا اور اتنا چیخ کر رونا کہ شیعہ محرم میں بھی ایسا نہ روتے ہوں گے، دعا کس طرح ہونی چاہئے، نماز میں قرأت کس طرح کرنی چاہئے، دو رکعت پر تشہد کے بعد بھی تراویح کی نماز میں کچھ اور بھی پڑھنا ہے یا نہیں، جمعہ کا خطبہ کیسا ہو، ان اماموں کو اس کا کچھ پتہ نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، خطبہ ہلکا دو، نماز خطبہ سے طویل ہو، مگر یہ حنبلی نجدی ائمہ حرم بالکل اس کے خلاف کرتے ہیں، اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنیے، مسلم شریف کی روایت ہے:

عن عمار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلاۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحرا. (رواہ مسلم)

یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ کو ہلکا پڑھنا یہ امام کی سمجھداری کی علامت میں سے ہے، پس نماز کو تو لمبی پڑھاؤ اور خطبہ مختصر پڑھو، اور پھر فرمایا کہ بیان میں تو جادو ہوتا ہے یعنی بعض خطیب اپنے خطبہ سے لوگوں کو مسحور کر دیتے ہیں۔

اور پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خالق سے توجہ ہٹ کر خطیب کے کلام کی طرف ہو جاتی ہے اور عبادت کا جو مقصود ہے یعنی اللہ کی طرف دھیان اور توجہ وہ فوت ہو جاتا ہے، جن کو حرمین شریفین میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو اس کا خوب مشاہدہ ہوا ہوگا کہ خطیب حرم کیسا خلاف مسنون خطبہ دیتا ہے۔ وہ خطبہ کیا دیتا ہے، اپنی خطابت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ داؤد راز صاحب ایسے نجدی علماء کی تعریف کر رہے ہیں، ان کو اس کا ذرا بھی لحاظ

نہیں کہ وہ یہ سوچیں کہ حرمین شریفین میں خلاف مسنون نماز ہو، خلاف مسنون خطبہ ہو، خلاف مسنون تراویح ہو، خلاف مسنون دعا ہو، اس سے اللہ کے رسول کو کیسی کلفت ہوتی ہوگی؟ نجدی حکومت ہی تو اس خلاف مسنون نماز کی ذمہ دار ہے۔

مسلم شریف ہی کی ایک روایت اور سن لیجئے۔

عن عمرو بن حريث ان النبى صلى الله عليه وسلم خطب وعليه عمامة سوداء وقد ارخىٰ طرفيها بين كتفيه يوم الجمعة.

یعنی حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز خطبہ دیا، آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا، جس کے دونوں کناروں کو آپ ﷺ نے اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔

حرمین شریفین کے زائرین نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا ائمہ حرمین کا اس سنت پر دوران خطبہ عمل ہوتا ہو، میں نے الحمدللہ حرمین شریفین کا پچیس بار سے زیادہ سفر کیا ہے مگر میں نے نہیں دیکھا کہ حرم کے ائمہ کے سر پر کبھی عمامہ ہو، ہاں نزاکت والا ایک رومال ضرور ہوتا ہے جس کا اور کور سلجھانے میں نماز سے کہیں زیادہ اس کی طرف ان کی توجہ ہوتی ہے۔

بات دور جا پڑی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ نجدیوں کا یہ انتہائی درجہ تعصب ہے انہوں نے حرمین شریفین پر ایسا قبضہ کر رکھا ہے کہ اب اس کے مصلیٰ پر نہ کوئی حنفی نظر آتا ہے، نہ شافعی، نہ مالکی، نجدیوں کے علاوہ اس مصلیٰ پر اب کسی کا گزر نہیں، جب کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جب حرمین کی خدمت حنفیوں کے سپرد تھی تو سارے مسالک والوں کا لحاظ کیا جاتا تھا سب کی رعایت کی جاتی تھی، اور حرمین شریفین کے مصلیٰ پر شافعی امام بھی نظر آتا تھا، مالکی بھی اور حنبلی اور حنفی بھی، ترکی حکومت کا یہی ہنر راز صاحب کو عیب نظر آ رہا ہے۔

البتہ یہ بات ضرور قابل توجہ ہے کہ غیر مقلدوں کی قسمت میں حرمین شریفین میں کبھی بھی امامت کرنا مقدر نہیں رہا، نہ ترکی حکومت کے زمانہ میں، نہ نجدی حکومت کے زمانہ میں، یعنی نہ آج اور نہ کل، اس لئے کہ حرمین میں امامت وہی کرے گا، جو اہل سنت والجماعت میں سے ہوگا، اس لئے غیر مقلد اور شیعہ کو تو قیامت تک یہ شرف حاصل نہ ہوگا

اس لئے کہ یہ دونوں فرقے اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

راز صاحب کی جہالت یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمی مصلیٰ پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کعبہ شریف میں صرف ایک مصلیٰ ہو، کچھ ٹھکانا ہے اس جہالت کا، ماشاء اللہ کیا ہی خوب ہے ان کی قرآن فہمی، اگر قرآن فہمی یہی ہے تو یہ قرآن فہمی اللہ ان کو ہی مبارک کرے، مگر میرے نزدیک یہ قرآن فہمی نہیں ہے بلکہ غیر مقلدین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی فہم سے ان کی غیر مقلدیت کی نحوست کی وجہ سے جو انتہائی درجہ جاہل بنا رکھا ہے اس کا یہ شاہکار نمونہ ہے، ناظرین حیران ہوں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، مگر جو کچھ کہہ رہا ہوں نہایت ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔ آیت کریمہ کا تعلق کسی اور مسئلہ سے ہے، اور راز صاحب اس کو فٹ کہیں اور کر رہے ہیں، سنئے کہ آیت کریمہ کا تعلق طواف کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھنے کی جگہ سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے رہے ہیں کہ مسلمانو جب تم کعبہ شریف کے طواف سے فارغ ہو تو جو دو رکعت نفل نماز تمہیں پڑھنا ہے اس کی بہتر جگہ مقام ابراہیم ہے، یہ دو رکعت تم اس جگہ ادا کرو۔ یہ ہے **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلیٰ** کا مطلب، اور راز صاحب کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تم کعبہ شریف میں ایک مصلیٰ بناؤ یعنی صرف ایک مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھو، مارو گھٹنا پھوٹے سر اسی کو کہتے ہیں، اور راز صاحب اپنی قرآن فہمی کی اس نادر دولت کے باوصف اجتہاد کا شوق پالے ہوئے ہیں، قرآن وحدیث خود سمجھیں گے، کسی امام کی تقلید سے ان کو عار ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم تشریف لائے اور اس آیت کریمہ کی تلاوت کی اور دو رکعت نماز ادا کی، امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا طواف کے بعد اس آیت کریمہ کو پڑھتے ہوئے دو رکعت نفل ادا کرنا یہ دلیل ہے کہ آیت کریمہ سے مراد طواف کے بعد نماز کی ادائیگی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: **عن جابر و ذكر حجة النبی صلی الله عليه وسلم الی قوله استلم النبی صلی الله عليه وسلم الركن فرمل ثلاثا ومشی اربعاً ثم تقدم الی مقام**

ابـراهيم فجعل مقامه بيته و بين البيت وصلى ركعتين فلما تلا عليه السلام عـنـد ارادتـه الـصـلاـة خلف المقام واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى. دل ذلک عـلـى ان المراد بالآية فعل الصلاة بعد الطواف . (احکام القرآن:۷۴/۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کے بعد دورکعت نماز ادا کرنے وقت اس آیت کی تلاوت کی اور مقام ابراہیم کے پیچھے دورکعت طواف کے بعد والی نفل پڑھی، آپ کا یہ عمل بتلاتا ہے کہ آیت کریمہ سے مراد طواف کے بعد دورکعت نماز کی ادائیگی ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک مصلّٰی کا مطلب دعا کی جگہ ہے، یعنی طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آکر کے دعا کرو۔ (دیکھو تفسیر قرطبی)

ہمیں حد سے زیادہ تعجب ہے کہ داؤد راز صاحب نے آیت پاک کا یہ جاہلانہ مطلب کیسے سمجھا جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب ہی قائم کیا ہے، **و اتـخـذوا من مقام ابراهيم مصلىٰ** اوراس کے تحت خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ صاف صاف مذکور ہے۔

قـدم الـنبـي صلى الله عليه وسلم فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف الـمـقـام ركعتين. یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے بیت اللہ کا سات مرتبہ چکر لگایا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دورکعت نماز ادا کی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا ہے کہ آیت کریمہ میں مصلّٰی کا مطلب کیا ہے مگر غیر مقلدین کے سر میں ایک سودا سمایا رہتا ہے کہ حدیث وقرآن کا نام لیکر مقلدین کے خلاف بکواس کریں۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جن کے یہاں قرآن وحدیث سے جاہل ہونے کے ایسے نادر نمونے ہوں ان کو شوق ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی احادیث کی تشریح کے لئے قلم اٹھائیں۔ ہائے

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل وفا گئی

داؤدراز صاحب اپنی اس کتاب میں کبھی کبھی واعظ کے روپ میں نظر آتے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کا سب سے زیادہ درد ان کو ہے، تفریق بین المسلمین کے فتنہ کو وہ سب سے بڑا فتنہ سمجھتے ہیں، اتحاد بین المسلمین کے یہ بہت بڑے داعی ہیں، اکابر واسلاف کے احترام کی دعوت بھی دیتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

''شدید ضرورت ہے کہ دنیا میں بھی جملہ کلمہ گو مسلمان ایک دوسرے کے لئے اپنے دلوں میں جگہ پیدا کریں، اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں تا کہ وہ امت واحدہ کا نمونہ بن کر آنے والے مصائب کا مقابلہ کرسکیں۔ (۱/۴۶۱)

اس طرح کا وعظ وہ جگہ جگہ کہتے ہیں، اور ان کی اس دعوت کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ تقلید چھوڑو، یہ تقلید ہی امت مسلمہ کو بانٹے ہوئے ہے، اصل فساد کی جڑ یہی تقلید ہے، سب آؤ غیر مقلد بن جاؤ، سارا انتشار ختم ہو جائے گا، امت مسلمہ کو جو آفات اور بلائیں گھیرے ہوئے ہیں ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔ داؤدراز صاحب کے یہاں امت مسلمہ میں اتحاد پیدا ہونے کا اور ان کے درمیان سے تفریق ختم ہونے کا اور امت مسلمہ پر جو آفات وبلائیں اتری ہوئیں ہیں یا آئندہ اترنے والی ہیں اس کے لئے ان کے پاس صرف ایک نسخہ کیمیا ہے کہ تقلید چھوڑو، ائمہ واسلاف سے ہاتھ جھاڑلو، اور قرآن وحدیث کو اپنے طور پر سمجھو، میں کیسے کہوں کہ اے واعظ ومرشد

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرابند قبا دیکھ

ذرا کوئی بتلائے تو کہ آج پورے عالم اسلام میں سلفیت کے نام پر جو فرقہ جانا پہچانا جاتا ہے س سے زیادہ سلف بیزار، سلف کے بارے میں اس سے زیادہ بدزبان اور بدگمان، بے ادب اور گستاخ کوئی اور فرقہ ہے؟ جو صحابۂ کرام تک کہ بارے میں گستاخ ہو، اس فرقہ کا ایک فرد جس کا نام داؤدراز ہے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے احترام کا درس دیتا ہے، اقبال نے سچ کہا ہے۔ ؏

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ناظرین کرام یہاں ایک بات اور بھی نوٹ کریں کہ داؤدراز صاحب اپنی اس کتاب میں احناف کے خلاف جہاں بھی موقع ملتا ہے صفحات کے صفحات سیاہ کرڈالتے ہیں، اختلافی مسائل میں ان کا خوب قلم چلتا ہے، مگراس موقع پر بہت ہلکی سی تشریح کر کے اور وہ تشریح بھی کیا ہے ناظرین نے دیکھ لیا ہے، ان کا قلم خاموش ہوگیا ہے، اگراس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعی محبت ہوتی اور اگراس کا سینہ اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دغل ودجل سے خالی ہوتا تو یہ موقع تھا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام بلند سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتا، اور اللہ اوراس کے رسول کے یہاں حضرت عمر فاروق کی جو عظمت، محبوبیت اور مقبولیت تھی اس کو واضح کرتا اور بتلاتا کہ اس آیت کریمہ واتخذوا من مقام ابراھیم کا شان نزول کیا ہے، اور خداوند قدوس کو حضرت عمر کی خواہش اور دلداری کا کتنا پاس ولحاظ ہوا کرتا تھا۔ مگر چونکہ غیر مقلدوں کو اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قسم کی کد ہے اس لئے حضرت عمر فاروق کی عظمت و جلالت کا ذکران کی زبان وقلم پر بہت کم آتا ہے۔

اب آپ مجھ سے سنیں کہ یہ آیت کریمہ ان چندآیتوں میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارگاہ صمدیت میں ان کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کرتی ہے، قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کررہے تھے، جب اللہ کے رسول کعبہ شریف سے متصل مقام ابراہیم پر پہونچے تو حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا یہی جگہ مقام ابراہیم ہے؟ تو آپ نے فرمایاہاں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے فرمایا تو کیا ہم اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ نہ بنالیں؟ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ جبرئیل امین اللہ کی طرف سے یہ آیت کریمہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ (یعنی مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو) لے کر نازل ہوئے اور اس وقت سے آج تک طواف کے بعد دورکعت نماز مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا مسنون پایا اور تاقیامت یہ سنت باقی رہے گی۔

یعنی یہ آیت کریمہ عین منشأ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مطابق اللہ تعالیٰ

نے نازل فرمائی، یہ تھا بارگاہ الٰہی میں حضرت عمر فاروق کا مقام۔ اسلام سے قبل اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر عہد صدیقی تک مقام ابراہیم بیت اللہ سے متصل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو موجودہ جگہ پر کیا ہے، اور بلا نکیر تمام امت مسلمہ نے حضرت عمر کے اس فعل کو مستحسن سمجھا، اور اس جگہ یعنی مقام ابراہیم کے پیچھے عہد صحابہ سے لیکر آج تک طواف کی دو رکعت ادا کرنے کی جگہ یہی ہے۔

داؤد راز صاحب کو یہی باتیں بتلانے کی تھیں، مگر حضرت نے اس آیت کی تشریح یہ کی، اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو ابراہیمی مصلے پر نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، مگر اس امت نے کعبہ ہی کو تقسیم کر ڈالا، اور چار مصلے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ناموں سے ایجاد کر لئے۔

ع: ناطقہ سر بہ گریبان ہے اسے کیا کہئے (جاری)

☆☆☆☆☆

حضور اکرم ﷺ کی اہم پیشین گوئی

(۱)

"مَاظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ."

جب کوئی قوم پبلک فنڈ اور جنتا کے پیسے میں خیانت اور بے ایمانی کرنے لگتی ہے تو اس قوم کے دل میں خدا تعالیٰ خوف، دہشت اور ڈر پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی وہ قوم بزدل اور ڈرپوک ہو جاتی ہے۔

(۲)

"وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمِ الْمَوْتُ."

جب کسی قوم میں حرام کاری اور بدکاری عام ہو جاتی ہے تو اس قوم میں موت، خودکشی اور ہلاکت کے واقعات کثرت سے ہونے لگتے ہیں۔

(۳)

"وَمَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ."

جب کوئی قوم ناپ، تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو اس قوم کا رزق اٹھا لیا جاتا ہے۔ یعنی اناج، پانی کھینچ لیا جاتا ہے۔

(۴)

"وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الدَّمُ."

جب کوئی قوم بے انصافی کرنے پر تل جاتی ہے تو اس قوم میں آپسی خونریزی اور قتل و غارت گری بڑھ جاتی ہے۔

(۵)

"وَلَا اَخْلَفَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سَلَّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ."

جب کوئی قوم عہد توڑنے لگتی ہے تو اس قوم پر اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

محمد ۱۰۰ جمل مفتاحی

اللہ والے

امام سفیان ثوری

سفیان کے والد کا نام سعید تھا ان کے نسب میں ثور بن عبد مناۃ نام کے ایک شخص گذرے ہیں، اسی نسبت سے ان کو ثوری کہا جاتا ہے، فقہ وحدیث کے یہ مسلم امام ہیں، امام ثوری ان ائمہ فقہ میں سے ہیں جن کا مذہب کئی سو سال تک باقی رہا، پھر ختم ہوگیا، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کبار محدثین سے علم حاصل کیا اور ان سے حدیث وفقہ حاصل کرنے والے بے شمار لوگ رہے ہیں، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے اساتذہ کی اور شاگردوں کی بڑی طویل فہرست دی ہے۔

امام ذہبی نے ان کو شیخ الاسلام، امام المناظ، سید العلماء فی زمانہ جیسے بلند وبالا القاب سے یاد کیا ہے، ان کی پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی، گویا یہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عمر ہیں ان سے چند ہی سال چھوٹے تھے، ان کے والد خود بھی محدث تھے اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، ان کی ہی توجہ سے حضرت سفیان بچپن ہی میں طلب علم کی راہ میں لگ گئے تھے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امام ثوری کے اساتذہ کی تعداد چودہ سو ہے، ان کے بڑے اساتذہ میں سے بطور خاص ان کا شمار ہوا ہے، جنھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ، جریر بن عبد اللہؓ، ابن عباسؓ اور ان حضرات کے زمانہ میں جو صحابۂ کرام تھے ان سے روایت کی ہے، ان کے شاگردوں کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ایک جم غفیر نے ان سے حدیث لی تھی، اور اگر ابن جزری کی بات تسلیم کی جائے تو ان کے شاگردوں کی تعداد بیس ہزار ہے، بلکہ اس سے زیادہ، مگر حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ تعداد ناقابل تسلیم ہے، اگر بہت کوشش کی جائے گی تو ایک ہزار کی تعداد ہوگی، پھر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے سب سے زیادہ امام مالک سے روایت کیا ہے اور ان کی تعداد مجہول اور کذابین کو ملا کر چودہ سو سے زیادہ نہیں پہونچتی ہے۔

امام ثوری کا حدیث وفقہ میں یہ مقام تھا کہ جب وہ کسی جگہ پہونچتے تو شور مچ جاتا کہ ثوری آگئے، ثوری آگئے، بچپن سے ان کے حافظہ اور ذکاوت کی شہرت تھی، نوعمری میں حدیث بیان کرنا شروع کردیا تھا، حافظہ کا عالم یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ میرے حافظہ نے کبھی خیانت نہیں کی جو سنا وہ ہمیشہ کے لئے میرے دل میں محفوظ رہا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ کوفہ کی سب سے جلیل المرتبت سند یہ ہے: **سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود۔**

ہم یہاں بہت مختصر میں سفیان ثوری کے بارے میں چند بڑے محدثین کے خیالات نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سفیان کا فقہ، حدیث اور زہد وتقویٰ اور عبادت گذاری میں کیا مقام ہے۔

امام شعبہ، سفیان بن عیینہ، ابوعاصم اور یحیٰ بن معین فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ کسی کوفی فقیہ اور محدث کو سفیان ثوری پر فضیلت نہیں دیتا، یونس بن عبید کہتے ہیں میں نے سفیان سے افضل کسی کو نہیں پایا۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میری نگاہ نے چار آدمی سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، امام ثوری سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا، شعبہ سے زیادہ سادہ زندگی گزارنے والے کسی دوسرے کو نہیں دیکھا، امام مالک سے بڑھ کر کسی صاحب عقل کو نہیں دیکھا، ابن مبارک سے زیادہ امت کا کسی کو خیر خواہ نہیں دیکھا۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ وہیب سفیان کو حفظ حدیث میں امام مالک سے زیادہ جانتے تھے۔

یحیٰ قطان کہتے ہیں کہ شعبہ سے زیادہ محبوب مجھے کوئی دوسرا نہیں، نہ ان کے برابر کسی کو سمجھتا ہوں، مگر جب امام ثوری سے اختلاف کرتے ہیں تو میں ثوری کی بات کو لیتا ہوں۔

عباس داری کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰ بن معین کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے کو امام

ثوری کے زمانہ میں فقہ حدیث، زہد اور دوسرے علوم واخلاق میں امام ثوری سے بلند نہیں جانتے تھے۔

شعنی بن صباح فرماتے تھے کہ سفیان اس امت کے عالم اور عابد ہیں۔

ابن عینیہ کہتے ہیں کہ میں حلال وحرام کا جاننے والا سفیان سے زیادہ کسی کو نہیں پایا، اور فرماتے تھے کہ اصحاب حدیث تین ہیں، حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں، امام شعبی اپنے زمانہ میں، اور ثوری اپنے زمانہ میں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ امام کس کو کہا جاتا ہے، امام تو سفیان ثوری ہیں، ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔

سفیان ثوری فقہ وحدیث کے مسلم امام تو تھے ہی، ان کا مقام عبادات وورع میں بھی بہت اونچا تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہر وقت رہتا، موت کو ہر وقت یاد کرتے کبھی فکر آخرت میں ڈوبے تو رات سے صبح ہو جاتی اور وہ اسی حالت میں رہتے۔ موت کو کثرت سے یاد کرتے اور کبھی آخرت کا فکر قلب پر اس قدر اثر انداز ہوتا کہ پیشاب سے خون آنے لگتا، ان کے پاس جو بیٹھتا اس پر بھی ان کی حالت کا اثر ہوتا اور اس کو آخرت کی فکر اور اس کا غم گھیر لیتا۔ اب سنئے اس بارے میں ائمہ علم اور سفیان کے احوال کا مشاہدہ کرنے والے ان کے ہم عمر کیا کہتے ہیں۔

امام شعبہ کہا کرتے تھے کہ سفیان پرہیز گاری اور علم میں لوگوں کے سردار تھے، اور قبیصہ کہتے ہیں کہ میں سفیان کی مجلس میں جب بھی رہا میں نے موت کو یاد کیا، میں نے ان سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا دوسرے کو نہیں دیکھا۔ یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ مجھ سے سفیان نے وضوء کا برتن وضو کرنے کے لئے مانگا، میں نے برتن دیا اور انہوں نے برتن ہاتھ میں لیا اور داہنا ہاتھ اپنے رخسار پر رکھ کر کسی فکر میں ڈوب گئے، میں سو گیا جب صبح فجر کیلئے اٹھا تو دیکھا کہ سفیان اسی حال میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وضو کا برتن ان کے ہاتھ ہی میں ہے، وہ رات بھر فکر آخرت میں ڈوبے رہے۔ یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ جب سفیان آخرت کا ذکر کرتے تو ان کو خون کا پیشاب آتا۔ احمد بن یونس کہتے ہیں کہ میں نے بے شمار بار سفیان کو

یہ کہتے ہوئے سنا: اللھم سلم سلم اللھم سلمنا وارزقنا العافیة فی الدنیا والآخرۃ. یعنی اے اللہ ہم کو سلامت رکھ اور دنیا و آخرت میں عافیت نصیب فرما۔

اب امام سفیان کے چند ملفوظ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے تھے کہ گزشتہ زمانہ میں مال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب عہد کی برکت سے اعتماد علی اللہ اور توکل علی اللہ کا زمانہ تھا لیکن اب یہ مال مومن کے لئے (ایمان کی حفاظت کی خاطر) ڈھال کا کام دیتا ہے۔

ایک شخص نے سفیان کے ہاتھ میں کچھ دینار دیکھا تو کہا کہ آپ کے ہاتھ میں یہ دینار! تو انھوں نے کہا کہ خاموش رہو اگر یہ پیسے نہ ہوتے تو خلفاء اور بادشاہ ہمیں اپنے ہاتھ کا رومال بنا لیتے یعنی وہ ہم کو حقیر و ذلیل بنا کر رکھ دیتے۔

یحیٰی بن قطان کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ سفیان کہتے تھے کہ بدترین آدمی وہ ہے جو آخرت کے عمل کے عوض دنیا طلب کرے، حضرت سفیان کا ایک ملفوظ یہ ہے کہ جو بھی دوسرے کے پیالہ میں ہاتھ رکھتا ہے وہ اس کے سامنے بے حیثیت ہو جاتا ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ زہد یہ نہیں کہ آدمی تھوڑا کھائے اور معمولی پہنے بلکہ زہد یہ ہے کہ اپنی خواہش کم کرے اور موت کو یاد رکھے۔

آپ فرماتے تھے کہ مال اس امت کا مرض ہے اور علم اس امت کی دوا ہے۔ جب عالم شخص مرض حاصل کرنے میں لگ جائے تو دوسروں کا علاج کیا کرے گا۔

سفیان فرماتے تھے کہ تین چیزوں سے بچو۔ اللہ نے جس بات کا حکم دیا ہے اس میں کوتاہی کرنے سے بچو، اور اس سے بچو کہ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں دیا ہے اس سے تم خوش نہیں ہو، اور اس سے ڈرو کہ دنیا طلب کرو اور جب وہ تم کو نہ ملے تو اللہ سے ناراض رہو اور اس پر غصہ کرو۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ مجھ سے سفیان نے کہا کہ شہرت سے بچو میں نے جس عالم سے بھی ملاقات کی ہے وہ مجھ سے اس بات کی تاکید کرتا تھا۔

حضرت سفیان کا انتقال شعبان ۱۶۱ھ میں ہوا، اور ان کی عمر ترسٹھ سال تھی۔

سعید بن عبدالعزیز التنوئی الاشفی

سعید بن عبدالعزیز شام کے مفتی کے نام سے جانے جاتے تھے۔اپنے وقت میں علم وفضل میں مشہور تھے،عبادت وتقویٰ کے زیور سے ممتاز تھے،ان کا سال ولادت ۹۰ھ ہے۔ان کی پیدائش کے وقت حضرت سہل بن سعد،حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما باحیات تھے۔قرآن کی تعلیم ابن عامراور یزید بن مالک سے حاصل کی اورحدیث کی زروایت مکحول،زہری،نافع مولی حضرت ابن عمررضی اللہ عنہ،ربیعہ بن یزید وغیرہ سے کی۔

ان کے تلامذہ میں ولید بن مسلم،حسن بن یحییٰ،ابن مبارک وکیع یحییٰ بن حمزہ وغیرہ بہت سے جلیل القدر محدثین ہیں۔امام اوزاعی کے بعد سعید بن عبدالعزیز ہی بلاد شام کے شیخ ہوئے۔امام اوزاعی کے بعددس سال زندہ رہے۔

حصول علم کا غایت درجہ شوق تھا۔خود فرماتے ہیں ہ میں صبح سے ظہر تک امام مالک کی خدمت میں رہتا تھا،پھر ظہر بعد اسماعیل بن عبیداللہ کی صحبت میں بیٹھتا تھا اور بعد عصر مکحول کے پاس رہتا تھا۔

علم وفضل میں ان کے مقام بلند کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ بعض محدثین ان کو امام اوزاعی پر بھی فوقیت دیتے تھے،شام میں ان کو وہی درجہ حاصل تھا جو حضرت امام مالک کو مدینہ منورہ میں حاصل تھا۔

علم وکمال کی ان دولتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی عبادت کا خاص ذوق تھا،گریہ وبکا کا غلبہ رہتا تھا۔پوری پوری رات اللہ کے حضور سجدہ ریزی میں گزرجاتی فکرآخرت کے غلبہ کی وجہ سے ہنسنا اور مسکرانا ختم ہوگیا تھا۔ان کے احوال اس بارے میں کیا اور کیسے تھے تو اس کا ذکر حضرات محدثین کی زبان سے سنیں۔

حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوالنصر اسحٰق بن ابراہیم نے بیان کیا کہ سعید نماز میں روتے تھے تو اس قدران کی آنکھ سے آنسو بہتا کہ چٹائی پر آنسو گرنے کی آواز میں سنا کرتا تھا۔

محمد بن مبارک فرماتے ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز کی جب نماز چھوٹ جاتی تھی تو وہ رویا کرتے تھے۔

ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ سعید پوری رات عبادت میں جاگ کر گزارتے تھے جب صبح ہوتی تو تازہ وضو کر کے فجر کی نماز پڑھتے۔

ابوسعد کہتے ہیں کہ میں نے سعید کو نہ کبھی ہنستے دیکھا، نہ مسکراتے اور نہ کسی چیز کی کبھی شکایت کرتے دیکھا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اخیر عمر میں عبادت کا غلبہ ہوگیا تھا اور علم سے تعلق کمزور ہوگیا تھا۔

ابومسلم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے ان کو دعا دی اور کہا کہ اللہ آپ کی عمر دراز کرے تو انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ اللہ مجھ کو جلد اپنی ملاقات کرائے۔

سعید بن عبدالعزیز کا انتقال ١٦٧ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۷/۱۳۹)

حالت نشہ میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

مکرمی حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی کتاب ''ارمغان حق'' دونوں جلدوں کے پڑھنے کا اتفاق ہوا، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں، اس کتاب نے فقہ حنفی کے بارے میں نہ معلوم میرے کتنے شکوک وشبہات کو حل کر دیا، ماشاء اللہ طرز تحریر بھی بہت عام فہم ہے کہ معمولی خواندہ انسان بھی اس سے فائدہ اٹھائے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ فقہ اکاڈمی والوں نے نشہ کی حالت میں طلاق نافذ نہ ہونے کا فتویٰ دے رکھا ہے، عرض یہ ہے کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے، برائے کرم مطلع فرمائیں، فقہ اکاڈمی اپنے سیمیناروں میں مسائل فقہیہ کے بارے میں جو فیصلہ کرتی ہے اس کے بارے میں بھی آگاہ کریں کہ ہم ان کے فیصلوں پر کتنا اعتماد کر سکتے ہیں، اگر زمزم میں جواب دیں تو اس کا فائدہ دوسروں کو بھی ہوگا۔

والسلام

مبین احمد، بارہ بنکی

زمزم! یہ محض اللہ کا کرم اور اس کا فضل ہے کہ اس نے ''ارمغان حق'' کو قبول فرمالیا اور اس کتاب کو بہت سے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔

فقہ اکاڈمی کے ذریعہ فقہی مسائل میں جو فیصلے ہوتے ہیں، وہ ان کے فیصلے ہوتے ہیں، وہ فتاوی نہیں ہوتے، ہندوستان کی مشہور درسگاہوں مثلاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ قاسمیہ مرادآباد وغیرہ جو معتبر علمی وفقہی درسگاہیں ہیں اگر فقہ اکاڈمی کے فیصلوں کو ان درسگاہوں کے دارالافتاء سے سند قبول حاصل ہو جائے اور ان فیصلوں کو ان درسگاہوں کے دارالافتاء سے توافق ہو جائے تو وہ فیصلے معتبر ہوں گے ورنہ

نہیں، فقہی سیمیناروں کے فیصلوں کی بنیاد پر حلال وحرام اور جائز اور ناجائز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے اکابر علماء کرام نے مجمع الفقہ اکاڈمی کے فیصلوں کو کبھی قابل اعتماد نہیں سمجھا ہے، نہ ان کے فیصلوں کی ان کے یہاں کوئی اہمیت رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہی سیمیناروں کے فیصلوں کی بنیاد پر کبھی ان معتبر درسگاہوں کے دارالافتاء سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کیا گیا ہے۔

رہا یہ کہ نشہ کی حالت میں طلاق کا اعتبار ہوگا کہ نہیں تو فقہ حنفی کا مسئلہ یہ ہے کہ ہوگا۔ اور یہی رائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، حضرت امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے اور اسلاف میں سے یہی مسلک، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت امام حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز (بعد میں غالباً ان کی رائے بدل گئی تھی اور طلاق کے عدم وقوع کا فتوی دینے لگے تھے) حضرت میمون، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت امام زہری، حضرت امام اوزاعی، حضرت امام شعبی، حضرت حکم، حضرت شریح اور ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا اعتبار ہوگا اور وہ واقع ہوگی، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرمی وہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشاد ہے جیسا کہ ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق نازل کیا ہے، اور ان کا مقام وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متعدد مرتبہ قرآن پاک میں وہ احکام نازل فرمائے جو منشاء حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے موافق تھے، اور اس امت مسلمہ کے ''محدث'' وہی تھے یعنی اللہ کی طرف سے ان کو حق کا بات کا الہام ہوا کرتا تھا، حضور کا ارشاد ہے کہ ہر امت میں ایک محدث ہوتا ہے، اس امت کے محدث حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

بعض بزرگان امت سے عدم وقوع کا بھی قول منقول ہے جس میں اہم ترین ذات گرامی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے، حضرت جابر بن زید، حضرت عکرمہ، حضرت

عطا، حضرت طاؤس، حضرت قاسم وغیرہ حضرات عدم وقوع کے قائل ہیں۔

فقہ حنفی کا اصول ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسئلہ جائز اور ناجائز اور حلال وحرام کے درمیان دائر ہو تو وہ حرمت کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں، حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں شک ہو تو شک کا راستہ چھوڑ کر یقین کا پہلو اختیار کرو، جب اس مسئلہ میں اکابر امت کا الگ الگ قول ہو گیا تو حرمت اور حلت کے درمیان شک پیدا ہوا، اس لئے جانب حرمت کو اس حدیث کی روشنی ہی ترجیح ہوگی، فقہ حنفی میں اسی اصول کی بنیاد پر نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کو معتبر مانا ہے تاکہ آدمی حرام میں نہ پڑے، اور اکابر امت اور اسلاف کرام اور تابعین عظام کی ایک جماعت سے فقہ حنفی کے مسئلہ کو تائید حاصل ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجنوں اور معتوہ کی طلاق کا جب اعتبار نہیں ہے اور وہ واقع نہیں ہوتی ہے اور اس کے واقع نہ ہونے کی علت اور وجہ مجنوں اور معتوہ میں فقدان عقل ہے تو یہی علت اور وجہ تو سکران یعنی نشہ والے میں بھی پائی جاتی ہے۔ "رجل لا یعقل" یعنی وہ بھی فقدان عقل والا ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کی طلاق کا بھی اعتبار نہ ہونا چاہئے، مگر یہ قیاس قیاس فاسد ہے، اس وجہ سے کہ مجنوں اور معتوہ آسمانی بلا میں گرفتار ہے، زوال عقل میں ان کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہے، جب کہ شرابی نے اپنی عقل کو اپنے عمل سے یعنی شراب پی کر زائل کیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ شرابی اگر زنا کرے، کسی کو قتل کرے تو اس پر شرعی سزا اور حد جاری ہوگی، مگر معتوہ اور مجنوں پر جاری نہیں ہوگی۔ دنیاوی عدالت کا بھی یہی قانون ہے، دنیا کی کوئی عدالت شرابی، زانی اور قاتل کو اس وجہ سے معاف نہیں کرے گی کہ اس نے نشہ کی حالت میں زنا کیا ہے یا نشہ کی حالت میں کسی کو قتل کیا ہے۔

امید ہے کہ اس مختصر سی تحریر سے آپ نے مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ لیا ہوگا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو لوگ نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اکابر امت کی ایک جماعت ہے، اس لئے اس مسئلہ میں بہت زیادہ بحث وتکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ کرام کی مالی حالت

از: محمد کرد علی شامی

عام طور سے مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ساتھی صحابہ کرام مفلس اور مفلوک الحال لوگ تھے اور انھوں نے جان بوجھ کر اپنے لئے افلاس کی زندگی کو پسند کر رکھا تھا اور اسی لئے ان حضرات نے روحانی ترقی کی منزلیں طے کی تھیں وہ لوگ روپے پیسے سے کوسوں دور تھے۔

یہ غلط فہمی بھی عیسائی پروپیگنڈہ کے ذریعہ پھیلی ہے تاکہ مسلمان وسائل زندگی سے اپنے آپ کو دور رکھیں، اوران کے دل میں اقتصادی اور سیاسی خوش حالی کا خیال ہی نہ آئے اور اس طرح یورپ مسلمانوں کی تمام دولت اور اس کے سیاسی اقتدار کا خود مالک بنا رہے۔

ذیل میں صحابہ کرام کی مالی حالت پر ایک شامی عالم کا تاریخی مضمون پیش کیا جارہا ہے۔

صحابہ کرام کی مالی خوش حالی:

بعثت نبوی کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے، جس کو وہ اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے چنانچہ ۹ ھ میں جیش عسرت کی تیاری کے لئے دس ہزار دینار دیئے۔ اسی غزوہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے بھی بڑی قیمتی مدد کی تھی۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں دولت مندوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ جیش عسرت کی امداد میں انھوں نے ۹۵۰/ اونٹ اور پچاس گھوڑے مع ساز وسامان کے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے۔ آپ کے عہد خلافت میں مدینہ میں مال و دولت کی بڑی فراوانی ہوگئی تھی۔

خود آپ کے پاس ایک ہزار لونڈی اور غلام تھے اور اس مال میں مسلمانوں کے بیت المال اور مال غنیمت کے خمس کا ایک حبہ بھی شامل نہ تھا۔

حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں اہل حجاز کی منڈی غرۂ ہاشم کے دولت مند تاجروں میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم حضرت خدیجہ صدیقہؓ بڑی دولت مند خاتون تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، وہ اپنا تجارتی مال شام بھیجتی تھیں۔ تنہا ان کا تجارتی قافلہ پورے قبیلۂ قریش کے کاروان تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ وہ مردوں کے ذریعہ تجارت کراتی تھیں اور منافع کی شرکت پر لوگوں کو تجارت کے لئے روپیہ دیتی تھیں۔

ابوسفیان تجار مکہ کے شیخ تھے اور زمانۂ اسلام سے پہلے دولت مندوں میں ان کا شمار تھا۔ وہ دوسرے تاجروں کو اپنا اور قریش کا مال دے کر شام اور دوسرے عجمی ملکوں میں بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی خود مال لے کر جاتے تھے، رومی اور عجمی ملکوں میں ان کے تعلقات تھے۔ ان کے پاس بڑی دولت اور بڑا تجارتی سامان تھا۔ شام میں بلقاء کے مقام میں نقنس نامی ان کا اپنا مملوکہ گاؤں تھا۔ غزوۂ بدر کے دن وہ قریش کے ایک بڑے تجارتی کارواں کے ساتھ جس میں بڑی دولت اور بہت سا تجارتی سامان تھا شام سے واپس ہوئے تھے اور اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے بڑی بہادری دکھائی تھی۔ اس قافلہ میں بنوامیہ کا چار خمس مال تھا اور کل سامان کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار دینار تھا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی قریش کے بڑے صاحب ثروت لوگوں میں تھے۔ ان کی بیوی ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گئیں، ان کو خستہ حال دیکھ کر انھوں نے کہا، تمہارے شوہر تو قریش کے سب سے بڑے دولت مند آدمی ہیں۔ پھر تم کیوں اس حال میں ہو؟ انھوں نے کہا، ان کی ذات سے میرے مقدر میں کچھ نہیں ہے۔ ان کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں بسر ہوتے ہیں۔ (یعنی پھر بناؤ سنگار کس کے لئے کروں) یہ واقعہ ازواج مطہراتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا، کیا تمہارے لئے میری ذات نمونۂ عمل نہیں ہے۔ انھوں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، واقعہ کیا ہے؟ فرمایا تم سارے دن روزہ رکھتے ہو اور ساری راتیں

نمازیں پڑھتے ہو؟ عرض کیا ایسا تو ہے۔ فرمایا ایسا نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس لئے نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش کے بعد جب دوبارہ عثمان بن مظعونؓ کی بیوی ازواج مطہراتؓ سے ملنے گئیں تو دلہن کی طرح عطر میں بسی ہوئی تھیں۔

صحابۂ کرامؓ پر دنیا اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگ ایک لاکھ میں ایک ایک گھوڑا خریدتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مدینہ منورہ نہایت آباد ہو گیا تھا۔ آبادی، مال و دولت اور ہر قسم کے ساز و سامان کی کثرت تھی۔ سارے ملک کا خراج مدینہ آتا تھا، وہ حکومت کا پایۂ تخت تھا اس لئے یہاں کے باشندے مال و دولت گھوڑوں اور ہر طرح کی نعمتوں کی بہتات سے مالا مال ہو گئے تھے۔

حکیمؓ ابن حزام نے اپنا ایک گھر امیر معاویہؓ کے ہاتھ ساٹھ ہزار دینار میں بیچا تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ معاویہؓ نے بڑا استا لے لیا۔ انھوں نے کہا، میں نے اس کو زمانۂ جاہلیت میں ایک مشکیزہ شراب میں خریدا تھا۔ تم لوگ گواہ رہو، اب میں اس کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔ اب دیکھو کون خسارہ میں رہا، اسی گھر کے فروخت ہونے پر حضرت زبیرؓ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے قریش کی عزت و شرف کو بیچ دیا۔ حکیم نے کہا، اسلام نے ہماری مفروضہ عزتیں اور شرف ختم کر دیئے۔ صرف تقویٰ باقی ہے، اور اس کی قیمت خیرات کر دی۔

حضرت حکیمؓ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی تھے، اور زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے اشراف اور اصحابِ وجاہت میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حج کیا تو ایک سو قربانی کے جانور ساتھ لے گئے اور ان پر بیش قیمت جرہ (ایک قیمتی کپڑے) کی جھولیں تھیں۔ اور عرفہ میں ایک سو غلام خدا کی راہ میں آزاد کئے جن کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں تھیں۔ اور ان میں ''حکیم ابن حزامؓ کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد'' نقش تھا۔ اور ایک ہزار بکریاں خانۂ کعبہ پر چڑھائیں وہ اپنے زمانہ کے بڑے

فیاض اور سیر چشم تھے۔ تجارت کے لئے یمن اور سال میں دو مرتبہ جاڑے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے۔ انھوں نے تجارت سے بڑی دولت پیدا کی۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانۂ خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا۔ سب نے اس کی تائید کی۔ اس کے بعد فتح مکہ کے مسلمانوں کی رائے لی۔ انھوں نے بھی حمایت کی۔ صرف ایک حکیمؓ ابن حزام نے اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا۔ ''امیر المؤمنین''! قریش کا پیشہ تجارت ہے۔ جب ان کے وظیفے مقرر ہو جائیں گے وہ تجارت چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد جب ان کا وظیفہ کسی سبب سے بند ہو جائے گا۔ اور وہ آپ کے پاس آئیں گے۔ اس وقت ان کی تجارت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی۔

حکیم کی رائے نہایت مناسب اور حکیمانہ تھی۔ اس لئے کہ وظیفہ کے عام تقرر کے معنی یہ تھے کہ ایک ترقی یافتہ جماعت کو جو عمل اور جدوجہد کی عادی ہو، ست اور کاہل بنا دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کے عربوں کو وہی صورت حال پیش آئی جو اسپینیوں کو اس زمانہ میں پیش آئی تھی۔ جس زمانہ میں جنوبی امریکہ فتح ہوا تھا، اس وقت اس نئی دنیا سے ہزاروں کی تعداد میں سونے کی ڈھلی ہوئی اشیاء اور نادر معدنیات اسپین آئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسپین یورپ کا سب سے غریب ملک ہو گیا۔ ایسے ہی وظائف نے بھی مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے مسلمانوں میں بھی کچھ دیر کے لئے تھوڑی سی فراغت پیدا کر دی اور چونکہ حجاز میں سارے اسلامی ملکوں سے مال غنیمت، خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کی آمدنیاں آتی تھیں۔ اس لئے عربوں کا بڑا حصہ قوم کے خزانہ پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہو گیا اور جب فتوحات کا دور ختم ہو گیا اور اس کی آمدنیاں جاتی رہیں اس وقت قریش کے ہاتھوں سے تجارت نکل چکی تھی۔ اس لئے حجاز فقر وفاقہ میں مبتلا ہو گیا۔

حضرت سعدؓ بن وقاص بھی مدینہ منورہ کے بڑے دولت مندوں میں تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے نقد سرمایہ کی زکوٰۃ مروان کے پس

پانچ ہزار درہم بھیجی تھی۔ اور اپنی وفات کے وقت ڈھائی لاکھ درہم چھوڑے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی صاحب ثروت اور فیاض تھے۔ حضرت عباسؓ زمانہ جاہلیت میں ہاشمی خاندان کے سب سے بڑے دولت مند آدمی تھے۔ اور جنگ بدر کے بیشتر قیدیوں کو ان ہی نے کفار کی جانب سے فدیہ دے کر چھڑایا تھا۔ اور خود اپنے فدیہ میں ایک سو اوقیہ سونا دیا تھا۔ یعلی بن امیہؓ بھی بڑے دولت مند آدمی تھے۔ عمرؓ بن ربیعہ شاعر کے والد عبداللہ بن ربیعہ اتنے دولت مند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ چالیس ہزار قرض لیا تھا۔ اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل وعیال اور مال ودولت میں برکت کی دعاء کی تھی اور فرمایا تھا کہ "قرض کا بدلہ اس کی ادائیگی اور حمد وتشکر ہے۔" زمانۂ جاہلیت میں معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندان قریش چندہ کر کے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبداللہؓ تنہا اپنے صرفہ سے یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ اس سے ان کا لقب "عدل" ہو گیا کیونکہ وہ تنہا قریش کی برابری کرتے تھے۔ وہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی تجارت یمن میں ہوتی تھی۔ اسی طریقہ سے حویطبؓ بن عبدالعزیٰ بھی دولت مند تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس ہزار قرض دیا تھا اور امیر معاویہؓ سے ۴۵ ہزار دنیار میں ایک مکان خریدا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو آٹھویں مسلمان تھے۔ بڑے دولت مند اور خوش نصیب تاجر تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "مجھے خوف ہے کہ دولت کی کثرت مجھے ہلاک نہ کر دے" انھوں نے فرمایا "اس کو صرف کر دو" اس پر انھوں نے اس طرح عمل کیا کہ ایک زمین چالیس ہزار دنیار میں فروخت کر کے اس کی قیمت خیرات کی، ایک مرتبہ ایک پورا تجارتی کارواں جس میں سات سو اونٹوں پر سامان تھا مع اونٹوں کے صدقہ کر دیا۔ اپنی پوری عمر میں تیس ہزار غلام آزاد کئے اور وفات کے وقت امہات المومنین کے اخراجات کے لئے ایک باغ کی وصیت کر گئے جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔ پچاس ہزار دینار خدا کی راہ میں خیرات کئے اور ہر بدری صحابی کے لئے چار چار لاکھ دینار کی وصیت کی۔ اس وقت جتنے

اصحاب بدر زندہ تھے ان سب کو وصیت کے مطابق پوری رقم دی گئی۔ اتنی دولت صرف کرنے کے بعد بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔ سونے کی اتنی بڑی بڑی سلیں تھیں کہ ان کو ہتھوڑوں سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے۔ ان کے اصطبل اور مویشی خانہ میں ایک ہزار اونٹ، اسی قدر گھوڑے اور دس ہزار بکریاں تھیں۔ وفات کے وقت چار بیویاں تھیں۔ ان چاروں کو ترکہ میں آٹھویں حصہ میں اسّی اسّی ہزار ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی انھوں نے کار خیر میں بہت کچھ صرف کیا تھا۔ اور ان کی دولت جس قدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر صدقات وخیرات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ چار ہزار، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چار کروڑ درہم خیرات کئے اور پانچ سو اونٹ مجاہدین کی سواری کے لئے دیئے۔ پندرہ ہزار قیدیوں پر صرف کئے۔

حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری بھی مدینہ کے دولت مند لوگوں میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں مواخات کرائی۔ تو سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا۔ کہ میں مدینہ منورہ کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں، میرے مال کا ادھا حصہ تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جس کو تم پسند کرو، اس کو میں طلاق دے دوں۔ لیکن عبدالرحمٰنؓ نے شکریہ کے ساتھ اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے اور خود تجارت شروع کر دی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جتنی برکت عطا کی کہ اس کا اندازہ اوپر کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ عرب کے گیارہ مشہور فیاض دولت مندوں میں سے تھے۔ ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کو طلحۃ الفیاض، طلحۃ خیر اور طلحۃ الطلحات کے القاب سے پکارا جاتا تھا۔ ان کی ثروت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنا ایک باغ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچا۔ اور یہ پوری رقم ایک رات میں اہل مدینہ میں تقسیم کر دی۔ روایتوں میں ہے کہ اپنے بعد انھوں نے بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو نقد و جنس چھوڑا تھا۔ اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ تھی۔ ایک وایت میں ہے کہ تین کروڑ درہم اور بائیس لاکھ دینار نقد چھوڑے اور دوسرے ساز و سامان کی قیمت اس کے علاوہ تھی۔ ان میں سے جو روایت بھی صحیح مان لی جائے وہ ان کی ثروت کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔ ان کی عراق کی جائداد کی آمدنی چار لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ سالانہ تک تھی، اور شراۃ کی جائداد کی آمدنی پندرہ ہزار دینار سالانہ تھی۔ صرف غلہ کی پیدوار کی قیمت ایک ہزار وافی (ایک طلائی سکہ سالانہ تھی۔ اپنے قبیلہ بنی تمیم کے تمام غرباء اور اہل حاجت کی پرورش کرتے تھے۔ ان کی بیواؤں کی شادیاں، غریبوں کی کفالت اور مقروضوں کا قرض ادا کرتے، جب ان کی جائداد کی سالانہ آمدنی آتی تو اس میں سے دس ہزار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کرتے۔ یعلیٰؓ بن امیہ نے ایک مرتبہ چار لاکھ روپے سے حضرت زبیر بن عوام کی مدد کی، خاندان قریش کے ستر آدمیوں کو سواریاں دیں۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ جس اونٹ پر سوار تھیں وہ ان ہی کا تھا۔

حضرت خبابؓ بن ارت بھی اغنیاء میں سے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں تھا کہ میرے پاس ایک دنیار بھی نہ تھا۔ اور آج میرے گھر کے ایک گوشہ میں ایک تابوت میں چالیس ہزار وافی موجود ہیں۔ مجھ کو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہماری نعمتوں کا حصہ دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اپنے بعد سونے اور چاندی کی سلیں چھوڑی تھیں۔ جو ہتھوڑے سے کاٹی جاتی تھیں۔ نقد دولت اور جائداد اس کے علاوہ تھی جس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ یعلیٰؓ بن امیہ نے اپنے بعد پندرہ ہزار دینار اور تین لاکھ قیمت کی جائداد اور دوسری چیزیں چھوڑیں، ان سے زیادہ دولت مند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوامؓ تھے جو عشرہ مبشرہ میں تھے۔ یہ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت تھے۔ ان کے ایک ہزار غلام ان کو خراج دیتے تھے۔ جس کو وہ اکثر ایک ہی نشست میں خیرات کر دیتے تھ۔ اس فیاضی اور صدقات و خیرات کی وجہ سے انھوں نے

اپنے بعد نقد رقم نہیں چھوڑی۔ لیکن ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیاں، دو جائدادیں جن میں سے ایک مدینہ منور کے قریب ایک بڑا جنگل تھا اور گیارہ گھر مدینہ منور میں، دو بصرہ میں، اور ایک کوفہ میں چھوڑے۔ وفات کے وقت مقروض تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی دولت مندی اور امانت کی وجہ سے لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرا بوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں غزوات میں شرکت کے علاوہ تحصیل خراج یا امارت کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔ وفات کے وقت بائیس لاکھ کے مقروض تھے۔ حکیمؓ بن حزام نے ان کے صاحبزادے عبداللہ سے پوچھا کہ بھتیجے! بھائی نے کتنا قرض چھوڑا۔ انھوں نے پہلے چھپایا۔ اس وقت عبداللہ نے کہا۔ ''اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا۔ اتنی بڑی رقم کا دینا تمہارے بس سے باہر ہے اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد لے لینا۔ حضرت زبیرؓ نے کسی زمانے میں مدینہ منور کے قریب ایک بڑا جنگل ستر ہزار میں خریدا تھا۔ عبداللہ نے اس کا ایک چھوٹا سا حصہ سولہ لاکھ میں بیچ کر اعلان عام کر دیا کہ والد کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ اس کے معاوضے میں جنگل لے لے۔ عبداللہ بن جعفرؓ کا چار لاکھ قرض تھا۔ انھوں نے عبداللہؓ سے کہا۔ اگر تم چاہو تو میں یہ قرض چھوڑ دوں، اور اگر مہلت لینا چاہو تو مہلت دے دوں۔

انھوں نے ان میں سے کوئی صورت منظور نہیں کی۔ اور قرض کے بدلے میں جنگل کا ایک ٹکڑا عبداللہؓ بن جعفر کو دے دیا۔ اس کو الگ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس سوا چار حصہ جنگل کا جنگل باقی رہ گیا۔ جس کا ایک حصہ منذر نے ایک لاکھ میں خریدا اور ڈیڑھ حصہ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لے لیا۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہؓ بن جعفر کے قرض کے معاوضہ میں ان کو جنگل کا جو ٹکڑا دیا تھا اس کو انھوں نے چھ لاکھ میں فروخت کیا۔ اس طریقہ سے ابن زبیرؓ نے اپنے والد کا کل قرض ادا کر دیا۔ اس کے بعد ورثاء نے باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا میں چار سال تک برابر حج کے موقع پر اعلان کروں گا۔ کہ جو قرض خواہ باقی رہ گیا ہو وہ آ کر اپنا قرض لے لے۔ اور جب

کوئی قرض خواہ باقی نہ رہ جائے گا اس وقت ترکہ تقسیم کروں گا۔ چنانچہ چار سال اعلان کرنے کے بعد جب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہ گیا اس وقت ترکہ تقسیم کیا، اس وقت بھی اتنی دولت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ کی چار بیبیوں کو آٹھویں حصہ میں گیارہ گیارہ لاکھ ملے۔ اس حساب سے ان کی متروکہ جائداد کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ باون لاکھ کیا جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں پانچ کروڑ تک ہے۔

ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت مقداد بن اسودؓ، عروہ بن جعفرؓ، انس بن مالکؓ اور عمروؓ بن حریث مخزومی، اور سعید بن عائذ، ابو معلق انصاری، حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان عبداللہؓ اور عبیداللہؓ، حاطب بن ابی بتعہ اور سوید بن قیس عبدی بڑے تاجروں میں تھے۔

اوپر کی مثالوں سے عربوں کی ثروت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس دولت کے ساتھ ان میں امانت، ایثار، صدقات وخیرات اور زہد بھی اسی درجہ کا تھا۔ ان میں سے اکثر اسلام سے پہلے بھی دولت مند تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اور اس دولت کو انھوں نے بہت سے قومی وملی کاموں میں صرف کیا۔ اس سے فوجیں تیار کیں، مجاہدین پر صرف کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ابتدائی غزوات میں بڑی مدد ملی۔ صحابۂ کرام کی دولت مسلمانوں کے مفاد ومصالح اور فقراء ومساکین دونوں پر یکساں صرف ہوتی تھی۔ اس دولت کا بڑا حصہ انھوں نے تجارت سے پیدا کیا تھا اور زراعت اور صنعت وحرمت کا حصہ اس میں بہت کم تھا۔ ابوطالب عطریات اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، طلحہؓ اور عبدالرحمٰنؓ وغیرہ کپڑوں کے تاجر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک زمانے میں تیر بناتے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق کھجور کے درختوں کی اصلاح کرتے تھے۔ عتبہؓ نجاری کرتے تھے۔ حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی کرتے تھے، عمروؓ بن العاص جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑا اور خوشبویات بیچتے تھے۔ ابوسفیانؓ زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ عبداللہ بن جدعان لونڈی غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ عثمان بن طلحہؓ خیاطی کرتے تھے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دسمبر ۱۹۷۳ء بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیۃ)

دین ودنیا میں توازن:

اقتصادی اور تمدنی کاموں میں حصہ لینے کی جو اہمیت اوپر بیان کی گئی ہے۔اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان اپنی تمام تر سرگرمیوں کو کھانے کمانے اور دولت پیدا کرنے میں محدود کردے۔اور مذہب کے دوسرے عباداتی فرائض سے غافل ہوجائے۔

بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے ساتھ ساتھ روزی کمانے کی جدوجہد میں بھی اپنے آپ کو مشغول کرنا چاہئے۔

یعنی ہر مسلمان خدا اور اس کی مخلوق دونوں کے حقوق ادا کرے۔خدا کا حق توحید وعبادت ہے۔اور بندوں کا حق ان کی خدمت اور کفالت ہے۔

اسی توازن کا نام اسلام ہے۔اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"

مسلمانو! تم ایک اعتدال پسند امت بنائے گئے ہو۔

یہی وہ اعتدال پسندی اور درمیانہ روی ہے۔جو اس امت کا خصوصی امتیاز ہے۔

☆☆☆☆☆

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

شیخ جمن نے چار کی موجودگی میں پانچویں عورت سے بھی شادی رچایا

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! شیخ جمن حفظہ اللہ نے پہلی دو بیبیوں کی موجودگی میں ٦ء میں تیسری بھی لیکر آئے تھے۔ پھر ٨ء میں چوتھی بیوی لائے اور اب ١٠ء میں گزشتہ ماہ چار بیوی کی موجودگی میں پانچویں بھی لائے اور ان پانچوں کو ایک ساتھ رکھ رکھا ہے، اور فرماتے ہیں کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں ایک ساتھ کئی کئی بیویاں تھیں۔ مسلمانوں نے اس سنت کو اجماعی طریقہ پر چھوڑ رکھا ہے، ہمیں اس سنت کو زندہ کرنا ہے، سوشہیدوں کا ثواب ملے گا۔

باپ: مگر بیٹا. چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ رکھنا تو اجماعی طریقہ پر حرام ہے، خود قرآن میں چار بیویوں سے زیادہ کو ایک ساتھ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

بیٹا: ابا جی. شیخ جمن حفظہ اللہ کو شیخ کلو حفظہ اللہ نے یہ سب بتلایا مگر شیخ جمن حفظہ اللہ کی بس ایک ہی رٹ ہے کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنا نبی کی سنت ہے، مسلمانوں نے عہد صحابہ سے لیکر آج تک اس سنت کو مردہ کر رکھا ہے ہمیں اس کو زندہ کرنا ہے، اور سو شہید کا ثواب حاصل کرنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو میری مردہ سنت کو زندہ کرے گا اس کو سوشہیدوں کا ثواب ملے گا۔

باپ: بیٹا. شیخ جمن نے اتنا بڑھیا سبق کہاں سے سیکھا ہے، دنیا میں بھی مزہ مار رہے ہیں اور آخرت میں بھی مزہ ماریں گے۔

بیٹا: ابا جی. وہ جو ہمارے دوسرے مجتہد صاحب ہیں نا، یعنی نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نواب صاحب کی کتاب عرف الجادی سے شیخ جمن حفظہ اللہ نے یہ سبق لیا ہے۔

باپ: کیا نواب صاحب نے یہ لکھا ہے کہ چار سے زائد بیبیوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھا جا سکتا ہے؟ مگر نواب صاحب کی عرف الجادی نام کی تو کوئی کتاب نہیں ہے۔

بیٹا: ابا جی. عرف الجادی نام کی کتاب تو نواب ہی صاحب کی ہے مگر نواب صاحب نے اس کو اپنے لڑکے نواب نور الحسن کے نام سے شائع کیا ہے، نزھۃ الخواطر میں حکیم عبدالحئ صاحب نے اس کو واضح کیا ہے۔

باپ: اچھا بتلاؤ کہ اس بارے میں نواب صاحب کیا فرماتے ہیں؟

بیٹا: ابا جی. وہ لکھتے ہیں کہ چار سے زیادہ شادی کرنا جائز ہے اور فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چار سے زیادہ بیوی رکھنا یہ آپ کی خصوصیت نہیں ہے، اگر کوئی خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ دلیل لائے، دعویٰ خصوصیت مفتقر بہ دلیل اور رہا یہ کہنا کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیوی نہ رکھنے پر اجماع ہے تو یہ تسلیم نہیں ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں: اجماع کا دعویٰ کرنا محض شور شرابا اور بکواس ہے، وقعقعہ بدعوی اجماع نزد غیر مفزع باین حلبہ اہون وایسر خطب ست.

باپ: بیٹا. مگر اس مسئلہ میں قرآن کی آیت بھی ہے تو اس کا نواب صاحب کیا جواب دیتے ہیں؟

بیٹا: ابا جی. اس کا تو انہوں نے بڑا شاندار جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک امت مسلمہ نے جو اس کی آیت کا مطلب سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ اس آیت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ بس چار ہی عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عقد نکاح کی مجلس میں ایک عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہو، دو سے بھی، تین سے بھی اور چار سے بھی۔ فرماتے ہیں:

''آیۃ کریمہ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث
وربــــاع بمحاورہ عرب وائمہ لغت مفید جواز نکاح دودو، سہ سہ وچہار
چہار یک بار است ودراں تعرضے از برائے مقدار عدد زنان نیست۔''

باپ: بیٹا ابھی تم اس کتاب کو کہیں چھپا کر رکھ دو۔

بیٹا: ابا جی. میں نے خود اس کو اماں جی کے کپڑوں والے بکس میں رکھ دیا ہے،
سنا ہے کہ جب شیخ جمن کے اس واقعہ کی اطلاع جماعت کے سربرآوردہ لوگوں کو
ملی تو انہوں نے آئندہ جمعہ کو جماعت کے علمائے عظام، مفتیان کرام کو جمع کرنے
کا فیصلہ کیا ہے، کہ اب ہماری جماعت کا مسلک اس بارے میں کیا ہوگا، نواب
صاحب والا یا فتاویٰ نذیریہ والے میاں صاحب والا، ابا جی کیا میاں صاحب
نواب صاحب سے الگ مذہب رکھتے تھے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا۔

☆☆☆☆☆

مکتوب امریکہ

باسمہٖ تعالیٰ

مخدومی ومولائی حضرت اقدس ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ حضرت اقدس خیریت سے ہوں گے، زمزم برابر مل رہا ہے۔ رد سلفیت میں آپ کی مساعی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، واقعہ یہ ہے کہ تمام علماء دیوبند پر جو اس سلسلہ میں فرض کفایہ تھا، آپ نے اس کو ادا کردیا، آپ کے قلم نے سلفیت کی کمر توڑ دی، شکر اللہ مساعیکم وجزاکم خیر الجزاء. آپ کی سب تصانیف شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

میرے اسفار مختلف جگہوں پر ہوتے رہتے ہیں، جہاں جاتا ہوں آپ کی نعت ونظم پڑھتا ہوں، لوگ وجد میں آجاتے ہیں اور بہت محظوظ ہوتے ہیں، امسال Trinida, Cerieda اور Barbdos کا سفر ہوا، مختلف مجمع میں آپ کی نعتیں ونظمیں پڑھ کر خوب سنایا، جب میں آپ کی وہ نعت جس کا آخر مصرع یہ ہے

قتیل حب نبی بنوں میں
وہاں پہ جاکے وہیں رہوں میں
روز محشر کہیں یہ آقا
یہ آرہا ہے غلام میرا

جب اس نعت کو پڑھتا ہوں تو لوگ بہت متاثر ہوتے ہیں، اور عشق رسول میں ڈوبا ہوا آپ کا آخری شعر پڑھتا ہوں تو لوگ رونے لگتے ہیں اور آنسوؤں سے ان کا چہرہ بھیگ جاتا ہے، میں بڑے فخر سے کہتا ہوں کہ یہ مصرع اور یہ نعت ہمارے استاذ محترم کی ہے۔

زبان میری ہے عشق رسول ان کا ہے

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر آپ کی نظم بھیج رہا ہوں، مناسب ہو تو یہ خط اور قاری صاحب والی نظم زمزم میں شائع کردیں۔

انشاءاللہ چھ ماہ کے اندر پیٹ کا آپریشن ہوگا۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔

فقط والسلام

یوسف بھولا[1] (امریکہ)

۱۰ رشوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۵ رستمبر ۲۰۱۰ء

....

بندہ احقر محمد یوسف بھولا نے حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد ڈابھیل صد سالہ اجلاس کے موقع پر ڈابھیل کے قبرستان کے میدان میں ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ مطابق ۶ رمارچ ۱۹۷۹ء کو استاذ گرامی حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری کی یہ استقبالیہ نظم پڑھی تھی اور اس سے کئی سال پہلے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس کے موقع پر مہاراشٹر کے ایک طالب علم نے حضرت قاری صاحب کی موجودگی میں اس نظم کو پڑھا تو پورا مجمع سرشار تھا، اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظم کی ایک کاپی ازخود طلب کر کے اپنے پاس رکھ لی تھی۔

نظم

نور کی ایک چادر تنی ہے ہر طرف روشنی روشنی ہے
کتنی دیکھو مبارک گھڑی ہے زندگی زندگی سے ملی ہے

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

حبذا باب رحمت کھلا ہے آج ہم پہ انعام خدا ہے
ہر زباں پر یہی اک صدا ہے جان و دل میرا تجھ پہ فدا ہے

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

آج خوشیوں کا اللہ رے عالم چھٹ گئے جیسے دنیا کے سب غم
درد بنتا گیا خود ہی مرہم نطق دیکھو تو گویا ہے شبنم

---

[1] عزیزم قاری یوسف بھولا سلمہ میرے بڑے عزیز شاگرد ہیں، میں زمزم میں اس طرح خط شائع نہیں کرتا، مگر عزیزم کو مجھ سے جو تعلق اور محبت ہے میں ان کی خواہش کو ٹھکرا نہیں سکا۔

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

وہ رموز شریعت کا دانا — اس کی عظمت کو دنیا نے جانا
حبذا اس کا تشریف لانا — اور عنادل کا یوں چہچہانا

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

اس نے کھولا رموز شریعت — اس کی باتوں میں حکمت ہی حکمت
اس کی ذات گرامی ہے آیت — فخر کرتی ہے جس پہ شریعت

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس اسم گرامی ہے طیب

دیکھ لے جس کو ہو چشم عبرت — کس طرح کر رہے ہیں یہ خدمت
کیوں نہ ہو جائیں وہ فخر ملت — کیوں نہ دائم رہے ان کی عظمت

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

یہ ہیں قاسم کی سچی نشانی — گر ندانی تو امرے ندانی
کب ملے گا ہمیں ان کا ثانی — سن کے رہ جائیں گے بس کہانی

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

ما مریضاں تو مارا دوائے — از تو یابیم حضرت شفائے
ایں بود از کریما عطائے — گوش کن از فلک ایں ندائے

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

کن ولیا لہ یا الٰہی — صار فاعنہ کل الدواھی
کیست غیر از تو مارا پناہی — امر شاھا بود امر شاہی

کیست ایں مرد پاکیزہ اطیب
جس کا اسم گرامی ہے طیب

پیکر اخلاص اور عبدیت وتواضع کی

ایک عظیم مثال

احقر مدیر زمزم دار العلوم دیو بند میں ۱۹۶۴ء میں زیر تعلیم تھا، اور میرا کمرہ نمبر ۳ دفتر تھا۔ مجھے تیز چلنے کی شروع ہی سے عادت تھی اور وہ وقت جوانی کا تھا اور لا اوبالی پن بھی طبیعت میں حد سے زیادہ تھا۔ میں ایک دفعہ اپنے کمرہ سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اتر رہا تھا، حضرت قاری محمد طیب صاحب ؒ مہتمم دار العلوم دیو بند کے دفتر اہتمام جانے کا وہی راستہ تھا، میں تیزی سے نیچے اتر رہا تھا اور حضرت قاری صاحب اتفاق سے اسی وقت زینہ سے اپنے دفتر اہتمام جا رہے تھے، میں بالکل بے خیالی میں حضرت قاری طیب صاحب ؒ سے ٹکرا گیا اور حضرت ؒ تقریباً دو تین سیڑھی نیچے آ گئے اور گرتے گرتے حضرت نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، میرا حال یہ ہوا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، میں گھبرایا ہوا اپنی جگہ پر سہما سہما کھڑا رہا، اب اس پیکر اخلاص اور اللہ کے اس نیک بندے کی بات سنیں کہ بجائے اس کے وہ مجھ پر خفا ہوتا اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ مولوی صاحب آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟ میں حضرت قاری صاحب ؒ کے اس انداز پر مر مٹا اور میرے زبان پر بے اختیار یہ شعر آیا۔ ع

اولئک آبائی فجئنا بمثلهم
اذا جمعتک یا جریر المجامع

☆☆☆☆☆

مکتبہ اثریہ غازی پور کی تین اہم کتابیں

قارئین زمزم کے ہاتھوں بہت جلد پہونچنے والی ہیں

(۱) ارمغان حق جلد ثالث

جس کے تقریباً تین سو صفحات ہوں گے۔ متنوع مضامین کا حسین گلدستہ آپ اس کتاب کو پائیں گے۔

(۲) مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی

مولانا غازی پوری کی یہ مشہور عام کتاب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن آج سے تیس سال پہلے چھپا تھا، شائقین کے اسرار پر اس کا دوسرا ایڈیشن چھپنے جا رہا ہے۔

(۳) صحابۂ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر

اس رسالہ کا تیسرا ایڈیشن ختم تھا، اب مکتبہ اثریہ غازیپور سے اس کا چوتھا ایڈیشن چھپ گیا ہے۔ اس رسالہ سے معلوم ہوگا کہ صحابۂ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ قیمت صرف ۳۰/روپیہ

نوٹ: ان کتابوں کو مکتبہ اثریہ کے پتہ سے طلب کریں۔

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا

جلد ۱۴

دوماہی دینی وعلمی مجلّہ

شمارہ ۲

زمزم

ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

مدیر مسئول ومدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے

پاکستان کے لئے .... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر Punjab National Baink 0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور۔ یوپی

Pin. 233001............ Mob. 09453497685, 08423339082

محرم ۱۴۰۱ جمل مفتاحی

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

اداریہ

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ہجری سال ۱۴۳۲ھ کی پہلی تاریخ یکم محرم تھی، میں کچھ لکھ پڑھ رہا تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی، موبائل ہاتھ میں لیا تو ایک عزیز یہ اطلاع دے رہے تھے کہ ابھی ابھی دیوبند سے ایک طالب علم کا فون آیا ہے کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ابھی ایک گھنٹہ قبل یعنی ساڑھے دس بجے دن میں ان کے وطن بجنور میں انتقال ہوگیا ہے، بلا اختیار زبان سے اس موقع کی دعا مسنون انا للہ وانا الیہ راجعون نکلی، پھر متعدد عزیزوں اور دوستوں کا اسی حادثہ فاجعہ کی اطلاع کا فون آتا رہا، دیوبند کے متعدد اساتذہ سے بھی رابطہ رہا، معلوم ہوا کہ حضرت مرحوم کا جنازہ دیوبند آئے گا اور مزار قاسمی میں عشاء کے بعد ان کی تدفین ہوگی، اسی روز رات میں دس بجے کے قریب دیوبند میں ان کا جنازہ آیا اور ایک بڑے مجمع کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ان کے صاحبزادہ محترم نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور گیارہ ساڑھے گیارہ بجے شب میں ان کی تدفین سے فراغت ہوئی، میں خیالات کے ہجوم میں بڑی دیر تک رہا، رات میں کب نیند آئی مجھے پتہ نہیں چلا، اب صبح ہوئی تو چند سطر کی تاثراتی تحریر کیلئے قلم ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوں۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ایک نزاع میں مبتلا ہوکر دارالعلوم کے منصب اہتمام سے الگ ہوگئے تو ہر ایک یہی سوچ رہا تھا کہ اب دارالعلوم کا اہتمام کون سنبھالے گا، اور حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر کون فٹ ہوسکے گا، دارالعلوم کے شوریٰ کے اکابر نے بڑے غور وفکر کے بعد حضرت قاری صاحب کی جگہ پر منصب اہتمام کے لئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت دارالعلوم دیوبند جیسے باوقار اور بین الاقوامی شہرت کی مالک درسگاہ کیلئے بالکل فٹ تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، علم وفضل کی انتہائی بلندی پر تھے، تقریر کے بادشاہ تھے،

تحریر لے ابن تیمیہ اور ابن رشد تھے، شکل وصورت ایسی کہ دیکھا کرے کوئی، لباس اتنا صاف ستھرا اور ایسا پاکیزہ کہ کسی کو بھی اس پر رشک آئے، خاندانی اعتبار سے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شریف خاندان کے تھے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور ان کے علوم کے وارث تھے۔ دارالعلوم دیوبند ہو یا ہندوستان کا کوئی خطہ، عربی ممالک میں ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں ایشیا کے کسی ملک میں ہوں کہ افریقہ کے کسی شہر میں، بادشاہوں کی مجلس میں ہوں کہ فقیروں کے جمگھٹوں میں ہوں، ہر جگہ آپ کا نمایاں رنگ تھا، اور بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابل میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم دارالعلوم کی شخصیت سب سے اونچی وممتاز اور سب سے باوقار ہوتی تھی، جیسا دارالعلوم ہے ویسا ہی اس کا مہتمم تھا۔

حضرت قاری صاحب کی جگہ پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مسند اہتمام پر تشریف لائے، جن کی شخصیت میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ والی کوئی بات نہیں تھی تو ہر شخص کو یہ فکر لاحق تھی کہ دارالعلوم کا اہتمام اب کیسا ہوگا، اور دارالعلوم کا اب کیا بنے گا، مگر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حسن تدبیر، اپنی تنظیمی صلاحیت وپختہ ارادے اور اپنے خلوص اور اپنی دیانت وامانت، اپنے تقویٰ اور پاک سیرت کے چھپے جوہر کے ساتھ جب دارالعلوم کے منصب اہتمام کو زینت بخشی تو انہوں نے بڑے کامیاب طریقہ پر دارالعلوم کی نیا کی کھیون ہاری کی، اور ہم سب نے دیکھا کہ ان کے عہد اہتمام میں دارالعلوم ہر اعتبار سے ترقی کر رہا تھا، اور بڑی حد تک لوگ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کو بھول گئے اور دارالعلوم کے انتظامی امور میں کوئی کمی محسوس نہیں کی، بلکہ دارالعلوم ہر اعتبار سے ترقی کرتا رہا، طلبہ کی تعداد بڑھی، مختلف نئے نئے شعبے کھلے، تعمیرات میں بہت ترقی ہوئی، پرانی عمارتوں کی جگہ نئی عمارتوں کی تعمیر ہوئی، طلبہ کا وظیفہ بڑھا، اساتذہ کی تنخواہیں بڑھیں، دارالعلوم کا میزانیہ ہر سال بڑھتا رہا، اور انہیں کے عہد مبارک میں مسجد رشید کی تکمیل ہوئی، جو تعمیر کی فنکاری کا ایک عجیب شاہکار ہے، دارالعلوم کے احاطہ کی پرانی مسجد کی شکل وصورت بدل گئی، غرض دارالعلوم ہر اعتبار سے

آگے ہی کی طرف بڑھتا رہا، اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی پشت پر تائید خداوندی کے علاوہ کوئی ایسی مدبر روحانی قوت ہے، جس کے ہاتھ میں دارالعلوم کا سفینہ ہے، اور وہی روحانی مدبر اصلا اس سفینہ کا کھیون ہار ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک مسند اہتمام پر رہے، انہوں نے دارالعلوم سے تنخواہ کے نام پر ایک پیسہ نہیں لیا، حتیٰ کہ دارالعلوم سے وہ کھانا بھی نہیں لیتے تھے، اور اگر کبھی لیا تو وہ اس کی ادائیگی کرتے تھے، اساتذہ، طلبہ، ملازمین سب ان سے خوش تھے، اور سب ان سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، عمر اگر چہ ان کی نوے سے متجاوز ہو چکی تھی مگر ان کا دماغ چوکنا اور بیدار تھا، فیصلہ ان کا بہت سمجھ بوجھ کا ہوتا تھا، شنوائی ان کی کم ہوگئی تھی مگر دماغ پوری طرح حاضر تھا، اور کچھ مدت سے ضعف بھی بڑھتا جارہا تھا اور مختلف امراض کا آپ پر حملہ بھی تھا، بہر حال حضرت مہتمم صاحب اپنی طبعی عمر کو پہونچ چکے تھے، اور بالآخر مذکورہ تاریخ اور دن میں جہاں سب کو جانا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہونچ گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے حسن عمل کو قبول فرمائے، مولانا مرغوب الرحمٰنؒ نے دارالعلوم کی جس دیانت وامانت کے ساتھ خدمت کی ہے وہ ایسے نقوش ہیں جن کا مٹنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور اب دارالعلوم جن مشکل حالات میں ہے، دارالعلوم کو ان مشکل حالات سے بھی نکالنے کا غیب سے انتظام فرمائے۔ زمزم اور اس کے متعلقین حضرت مرحوم کے خاندان خصوصاً ان کے صاحبزادہ محترم مولانا انوار احمد صاحب کے اس بھاری زخم اور غم کے موقع پر ان کے برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆☆

محمد ۱۰۲ جمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

نبوی ہدایات

حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی سندوں سے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ دو کلمے ہیں جو زباں پر ہلکے ہیں، ترازو میں بھاری ہیں، رحمٰن کو محبوب ہیں وہ دونوں کلمے یہ ہیں: **سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان العظیم** . یہ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے۔

اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جس کے راوی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر کیا میں تم کو اس کلمہ کو نہ بتلادوں جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، سب سے محبوب کلمہ اللہ کے نزدیک **سبحان اللہ وبحمدہٖ** ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ کلمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور اپنے بندوں کیلئے چن لیا ہے، یعنی **سبحان اللہ وبحمدہٖ**.

مسلم شریف میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار کلمے اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہیں، **سبحان اللہ ، الحمدللہ، لاالٰہ الااللہ، اور اللہ اکبر** .ان کلمات میں سے جس سے چاہو ابتدا کرو۔

اور مسلم شریف میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاکی حاصل کرنا ایمان کا آدھا حصہ ہے، اور **الحمدللہ** میزان کو بھر دیتا ہے، اور **سبحان اللہ والحمدللہ** آسمان وزمین کے مابین کو بھر دیتے ہیں۔

اور حضرت جویریہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ کر ان کے پاس سے باہر تشریف لے گئے اور یہ ابھی مسجد میں تھیں پھر صلوٰۃ الضحیٰ پڑھ کر آپ لوٹے اور یہ مسجد میں بیٹھی ہی ہوئی تھیں، تو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اسی حالت میں اب تک مسجد میں رہیں جس حالت میں میں تم کو چھوڑ کر گیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہارے بعد چار کلمات تین بار کہے ہیں، اگر تم ان کلمات سے وزن کرو تو یہ چار کلمات ان سے بھاری لگیں گے، **سبحان اللہ وبحمدہٖ عدد خلقہٖ سبحان اللہ رضیٰ نفسہٖ، سبحان اللہ زنۃ عرشہٖ، سبحان اللہ مداد کلماتہ.**

اور صحیح ترمذی میں یہ روایت ہے کہ کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھلا دوں جس کو تم کہا کرو، **سبحان اللہ عدد خلقہٖ، سبحان اللہ عدد خلقہٖ، سبحان اللہ عدد خلقہٖ، سبحان اللہ رضیٰ نفسہٖ، سبحان اللہ رضیٰ نفسہٖ، سبحان اللہ رضیٰ نفسہٖ، سبحان اللہ زنۃ عرشہٖ، سبحان اللہ زنۃ عرشہٖ، سبحان اللہ زنۃ عرشہٖ، سبحان اللہ مداد کلماتہٖ، سبحان اللہ مداد کلماتہٖ، سبحان اللہ مداد کلماتہٖ.**

اور صحیح مسلم میں یہ بھی روایت ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں یہ کہوں **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر**. تو میرے نزدیک یہ دنیا کی سب چیزوں سے محبوب ہیں۔

اور بخاری مسلم میں حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے **لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر**. ان کلمات کو دس مرتبہ کہا تو گویا وہ اس آدمی کے برابر ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔

اور بخاری و مسلم میں یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان کلمات **لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر**. کو ایک دن میں سو مرتبہ فرمایا تو اس کا ثواب دس غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے اور اس کے لئے سو حسنات لکھی جاتی ہیں، اور اس کیلئے سو چھوٹی گناہیں مٹا دی جاتی ہیں، اور یہ کلمات شیطان سے اس دن شام تک اس آدمی کے لئے حفاظت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور اس کے مقابل میں کسی اور کا عمل نہیں ہوتا ہے

سوائے اس آدمی کے جوان کلمات کواس سے زیادہ کہے اور آپ نے فرمایا کہ جس نے سومرتبہ سبحان اللہ وبحمدہٖ دن میں کہا تو اس کی ساری خطائیں معاف کردی جاتی ہیں اگر چہ وہ مقدار میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

اور ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ذکر میں سب سے افضل لاالٰہ الااللہ ہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

اور صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے، اور جو ذکر نہیں کرتا ہے، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔

اور صحیح مسلم کی روایت ہے اس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کچھ کلمات سکھلا دیں کہ میں اسے پڑھا کروں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پڑھا کرو، لاالٰہ الااللہ وحدہٗ لاشریک لہ ،اللہ اکبر کبیراً والحمدللہ کثیراً وسبحان اللہ رب العالمین، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العزیز الحکیم. تو اس نے کہا یہ تو میرے رب کیلئے، میرے لئے کیا ہے، تو آپ نے اس سے کہا کہ یہ پڑھا کرو، اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی.

اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کا کوئی اس سے عاجز ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکی کمائے تو پہنچنے والوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزانہ آدمی ایک ہزار نیکی کمائے ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سومرتبہ اگر تسبیح پڑھے گا تو اس کے لئے ایک ہزار نیکی لکھی جائے گی، یا ایک ہزار اس کے گناہ معاف ہوں گے۔

حافظ ابوعبداللہ الحمیدی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس طرح مسلم کی تمام روایات

میں ہے، مگر برقانی نے کہا ہے کہ امام شعبہ نے اس کو یا ایک ہزار کے بجائے اور ایک ہزار سے روایت کیا ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بدن کے ہر جوڑ کی ہڈی پر ایک صدقہ ہے، سو ہر تسبیح صدقہ ہے اور ہر تحمید صدقہ ہے، اور ہر تہلیل صدقہ ہے، اور ہر تکبیر صدقہ ہے، اور امر بالمعروف صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور ان سب کی طرف سے دو رکعت نماز چاشت کی کافی ہے۔[1]

اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کا پتہ نہ دے دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ نے فرمایا کہ وہ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** ہے۔

اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے، اس عورت کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں، انہیں پر وہ تسبیح پڑھا کرتی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ کیا میں تم کو اس سے آسان بات نہ بتلا دوں؟ یا یہ فرمایا کہ اس سے افضل چیز نہ بتلا دوں، پھر آپ نے فرمایا: **سبحان اللہ عددما خلق فی السماء، وسبحان اللہ عددما خلق فی الارض، وسبحان اللہ عدد مابین ذلک وسبحان اللہ عدد ماھو خالق.** اور **اللہ اکبر** اسی طرح کہو اور **الحمدللہ** بھی اسی طرح کہو، اور **لاالٰہ الااللہ** بھی اسی طرح کہو، اور **لاحول ولاقوۃ** بھی اسی طرح کہو، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اور صحابیہ مہاجرہ حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ **اللہ اکبر**، اور **سبحان اللہ** اور **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کہنے کا خیال رکھا کریں، اور انگلی کی پوروں سے گرہ باندھ لیا کریں، ان پوروں کو اللہ کے

---

[1] تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا، تحمید یعنی الحمدللہ کہنا، تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا، تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا۔

یہاں نطق عطا کر کے ان سے سوال کیا جائے گا۔

اور ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں صحیح سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح کے وقت انگلی میں گرہ دے دیا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں گرہ دیا کرتے تھے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ جس نے یہ کہا، **رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولاً.** تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن یسر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ترمذی میں روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے احکام مجھے اپنے اوپر زیادہ معلوم ہو رہے ہیں، مجھے کوئی ایک ایسی بات بتلا دیں کہ میں اس پر جما رہوں، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تمہاری زبان ذکر اللہ سے ہمیشہ تروتازہ رہا کرے، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اور ترمذی ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عبادتوں میں سے کس عبادت کا درجہ اللہ کے یہاں افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، تو میں نے کہا کہ کیا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اگر جہاد کرنے والا اپنی تلوار کا کنارا مشرکین پر خوب استعمال کرے یہاں تک کہ اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے اور وہ شخص خونا خون ہو جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہے۔

اور ترمذی میں اور ابن ماجہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو وہ عمل نہ بتلا دوں جو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ ارفع ہے؟ اور تمہارے لئے سونے چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہے، اور اس سے بہتر ہے کہ تم دشمنوں کو پا کر ان کی

گردن اڑادو اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ! آپ ہمیں وہ عمل بتلائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر، حاکم نے اس حدیث کو صحیح سند والی کہا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب اسریٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو میرا سلام کہو اور اس کو بتلاؤ کہ جنت بڑی پاکیزہ اور شیریں پانی والی ہے، اور وہ دو نرم زمینیں ہیں، جن کا پودا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

اور ترمذی ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان کلمات کو کہے سبحان اللہ وبحمدہٖ تو جنت میں اس کے لئے ایک کھجور کا درخت لگادیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

محدثین کی قوت حفظ

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی، احادیث رسول کے عالم وحافظ اور فقہائے صحابہ میں سے ایک بڑے فقیہہ ہیں۔

قبیلہ دوس کے رہنے والے تھے، جاہلیت میں عبدشمس نام تھا، اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہوا، اسلامی نام کے سلسلہ میں اختلاف ہے، مگر مشہور قول یہی ہے۔

ابوہریرہ کنیت ہے، فرماتے تھے کہ میں بچپن میں بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک روز جنگل سے بلی اور اس کے کچھ بچے پکڑ لائے، میرے والد نے اس وقت کہاانت ابو ھریرہ تم بلی والے ہو۔

ابوہریرہؓ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، یتیمی اور فقیری کی زندگی گزارتے ہوئے جوانی کی منزل میں آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آفتاب اپنی ضیاء پاشیوں سے خطہ عرب کو منور کررہا تھا، ابوہریرہ کی سعید روح بھی اس نیر اعظم اور بدر منیر سے کسب فیض کے لئے بے چین تھی، مشہور قول کی بنا پر آپ غزوۂ خیبر کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس جنگ میں شرکت بھی کی تھی، یہ آپ کے داماد سعید بن المسیب کا قول ہے اور قیس بن حازم کہتے ہیں کہ آپ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت جنگ کے اختتام پر حاصل ہوئی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ بھی اسلام کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئی تھیں، ابوہریرہؓ ان کے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا رہا، لیکن وہ کسی

طرح اس پر آمادہ نہیں ہوتی تھیں،ایک دفعہ ان کی زبان سے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب وشتم کے کلمات بھی نکلے
، میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سارا قصہ کہہ
سنایا،اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ والدہ کی ہدایت کے لئے
دعا فرمائیں،آپؐ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائی،اس کے بعد
میں جب گھر پہونچا تو دیکھا کہ والدہ اسلام لانے کے لئے آمادہ
و تیار ہیں، پھر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی،آپؐ
دعا فرمائیں کہ اللہ میری اور میری والدہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں
پیدا کردے،اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: **اللھم
حبب عبدک ھذا و امه الی عبادک المؤمنین وحببھم
الیھما**. یعنی اے اللہ تو اپنے اس بندہ کو اور اس کی ماں کو لوگوں
کا محبوب بنادے اور ان کی محبت ان کے قلوب میں پیدا فرمادے۔"

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ جو ہم دونوں کو دیکھتا یا ہمارے
بارے میں سنتا وہ ہم سے محبت کرنے لگتا۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ہے، **فان اباھریرہ
محبوب الی جمیع الناس وقد شھر اللہ ذکرہ.** اس لئے کہ ابو ہریرہؓ سب لوگوں
کے محبوب ہیں اور اللہ نے ان کو شہرت عام بخشی ہے۔

اگرچہ ابو ہریرہؓ کا اسلام بہت متاخر ہے،اور آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
زندگی کے صرف ساڑھے تین سال اسلامی زندگی میں ملے،مگر اسلام لانے کے بعد آپ
مستقل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ملازمت میں رہے۔سفر ہو یا حضر،مجلس عام ہو
یا مجلس خاص،آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے،یہی وجہ ہے کہ آپ دوسرے
صحابہ کے مقابلہ میں زیادہ کثیر الروایات ہیں،نیز اسی کے ساتھ ساتھ علم کا ذوق اور شوق بھی
خوب تھا،اس وجہ سے آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سنتے اور محفوظ رکھتے،ابن کثیرؒ

کہتے ہیں کان احرص شئ علیٰ سماع الحدیث. یعنی حدیث کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا اور سمجھنا یہی آپ کی سب سے بڑی حرص تھی۔

آپ کا شمار اصحاب صفہ میں ہے، جن کی زندگی کی مقصد اعلیٰ یہی تھا کہ علم دین سیکھیں اور اس کو محفوظ رکھیں، علوم شرعیہ میں تفقہ اور بصیرت حاصل کریں، اور اس کی تبلیغ واشاعت کریں۔ بسا اوقات لوگ آپ کی کثرت حدیث سے خوش نہیں ہوتے تھے، اس کا احساس ابو ہریرہؓ کو تھا اس پر وہ فرماتے کہ لوگ میرے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ میں کثرت سے حدیث بیان کرتا ہوں، میرا حال تو یہ تھا کہ میں مسکین آدمی تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صحبت میں رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ملازمت وصحبت کے طفیل میرے کھانے پینے کا انتظام ہو جاتا تھا۔ مہاجرین بازاروں میں اپنی تجارتوں میں لگے رہتے اور انصار اپنے کاروبار میں ہوتے (اس طرح مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث سننے اور آپؐ کی حرکت وعمل کے مشاہدہ کرنے کا مہاجرین وانصار سے زیادہ موقع تھا)

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج جو اپنی چادر بچھائے گا اور میری بات پوری ہو جانے پر اپنے سینہ سے اس کو لگا لے گا تو وہ شخص جو چیز بھی مجھ سے سنے گا وہ اسے محفوظ رہے گی، میں نے اپنی چادر بچھادی، اس کے بعد قسم بخدا میں نے جو سنا وہ مجھے یاد رہا۔

سارے علماء کا اتفاق ہے کہ ابو ہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب سے بڑے عالم اور حافظ تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابو ھریرۃ احفظ من روی الحدیث فی دھرہ. یعنی ابو ہریرہؓ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے تھے، خود ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ابن عمرؓ کے سوا مجھ سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی دوسرا نہیں تھا، ابن عمرؓ حدیث لکھ لیا کرتے تھے۔ اور میں لکھتا نہیں تھا۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: کان من اوعیة العلم ومن کبار ائمة الفتویٰ مع الجلالة والعبادة والتواضع . یعنی ابو ہریرہؓ تواضع، عبادت اور جلالت شان کے ساتھ ساتھ بڑے امام فتویٰ اور علم کے ظرف تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایت کی ہے اور آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بقول امام بخاریؒ آٹھ سو ہے، جس میں متعدد صحابہؓ بھی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو وعاء (ظرف) حدیث سنی ہے، ایک وعاء تو میں نے ظاہر کر دیا ہے اور اگر دوسری وعاء ظاہر کر دوں تو لوگ میری گردن کاٹ ڈالیں، ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ جن احادیث کو انھوں نے ظاہر نہیں کیا ہے وہ فتن ملاحم اور بعد میں پیش آنے والے مشاجرات صحابہ سے متعلق احادیث تھیں۔

گزر چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا حافظہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے ایسا ہو گیا تھا، کہ آپ سے وہ جو بات سن لیتے تھے ذہن سے نکلتی نہیں تھی۔ ابتداء میں ان کا حافظہ ایسا نہیں تھا، ایک دفعہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کی تھی کہ وہ جو باتیں سنتے ہیں بھول جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اپنے سینہ سے لگا لو۔ انہوں نے اسے سینہ سے لگالیا، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں فمانسیت حدیثا بعد. یعنی اس کے بعد مجھے کوئی حدیث بھولی نہیں۔

یہ واقعہ گزشتہ واقعہ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے، ان کی قوت حفظ ہی کے سلسلہ کا ایک واقعہ وہ ہے جس کو بعض اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مروان نے (جس کو ابو ہریرہ کی کثرت روایت کی بنا پر کچھ شبہ ہو چلا تھا) ان سے بہت ساری حدیث پوچھی اور انہوں نے ایک بڑی تعداد کی روایت کر ڈالی، مروان نے اپنے سکریٹری ابوالزعرہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ خاموشی سے ان احادیث کو نوٹ کرتے رہیں۔ چنانچہ اس نے ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ ان ساری کثیر حدیث کو ایک کاپی میں محفوظ کر لیا، ایک سال بعد مروان نے ابو ہریرہؓ کا امتحان لینے کے لئے کہا کہ وہ ساری حدیثیں جو آپ نے سال گذشتہ بیان کی تھیں گم ہو چکی ہیں، ابو ہریرہؓ نے کہا کہ فکر کی بات نہیں ہے، میں پھر سے نوٹ کرا دیتا ہوں، مروان نے ابوالزعرہ کو پردہ کے پیچھے بٹھلا دیا تا کہ وہ سال گزشتہ کی کاپی دیکھتے رہیں،

ابو ہریرہؓ نے بیان کرنا شروع کیا، ابوالزعرہ کا بیان ہے کہ فما زادو لا نقص یعنی انہوں نے نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا نہ کم کیا۔ ابو ہریرہؓ کی اس حیرت انگیز یادداشت دیکھ کر مروان کی رائے ان کے بارے میں بدلی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی علمی دلچسپی کا اندازہ اس سے بھی لگتا ہے کہ باوجودیکہ عبرانی زبان سے واقف نہیں تھے، مگر انہوں نے توراۃ کا علم بھی اچھا خاصا حاصل کرلیا تھا، جس پر حضرت کعب بن مالکؓ کو بھی حیرت تھی اور وہ فرماتے تھے کہ میں نے اب تک جن غیر اہل کتاب سے گفتگو کی ہے، ان میں ابو ہریرہؓ سے زیادہ توراۃ کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں، حالانکہ انہوں نے توراۃ پڑھی بھی نہیں ہے۔

عکرمہؒ کی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے گناہوں سے روزانہ بارہ ہزار مرتبہ توبہ واستغفار کرتا ہوں، ان کے پاس ایک لمبا دھاگا تھا، اس میں بارہ ہزار گرہیں پڑی تھیں رات کو سوتے وقت اس پر تسبیح پڑھ کر سوتے تھے۔

گھر کا معمول یہ تھا کہ پوری رات اہل خانہ یکے بعد دیگرے شب بیداری میں گزارتے اور صلوٰۃ و تسبیح تہلیل وتحمید سے فضائے خانہ کو نورانی بنائے رہتے۔

ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کا سات روز مہمان رہا، میں نے دیکھا کہ وہ اور ان کی بیوی اور ان کا خادم رات بھر یکے بعد دیگرے بیدار ہوتے اور عبادات میں مشغول رہتے۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **کان ابو ھریرۃ من الصدق والحفظ والامانۃ والدیانۃ والزھد والعمل الصالح علی جانب عظیم.** یعنی ابو ہریرہؓ سچائی، حفظ، امانت، دیانت، زھد اور عمل صالح میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

سخاوت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ مروان نے ان کے پاس ایک سو دینار ہدیہ بھیجا، ابو ہریرہؓ نے اسی روز صدقہ وخیرات کردیا۔

ابو ہریرہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بحرین کے گورنر بھی رہے تھے، حضرت معاویہؓ نے ان کو اپنے زمانہ میں مدینہ کا گورنر بنایا تھا، مگر اس گورنری کے زمانہ میں

بھی یہ بازار سے سامان گھر خود لاتے تھے، عام انسانوں کی طرح اپنا کام خود کرتے تھے اور راستہ چلتے بچوں سے ہنسی مذاق بھی کرلیا کرتے تھے، اور مزاحاً فرماتے کہ لوگو! ہٹو! تمہارا حاکم آرہا ہے۔

ان کا انتقال مدینہ سے باہر مقام عتیق میں ہوا، جنازہ مدینہ لایا گیا اور مدینہ ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی، اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

(کتاب الکنی، بخاری صفحہ ۳۳، البدایہ: ج ۸، ص ۱۰۳۔ ترجمہ ابو ہریرہ)

☆☆☆☆☆

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

دین میں مقام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بیشک اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان اور دل پر اتارا ہے۔"

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو کوئی بات پیش آتی تو جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے اسی طرح قرآن میں نازل ہوتا۔ (ترمذی شریف)

قسط پنجم

مولانا داؤد راز کی تشریح بخاری

محمد ابوبکر غازی پوری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف میں ایک حدیث ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے: نهى عن الصلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس. یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے طلوع ہونے تک فجر بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، اسی طرح غروب شمس تک عصر بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں راز صاحب فرماتے ہیں:

''ہاں اگر کوئی فرض نماز قضا ہوگئی ہو تو اس کا پڑھ لینا جائز ہے اور فجر کی سنتیں بھی اگر نماز سے پہلے نہ پڑھی جا سکی ہوں تو ان کو بھی بعد جماعت فرض پڑھا جا سکتا ہے۔'' (۵۷۳/۱)

میں راز صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے اس فتوی کی بنیاد کیا ہے؟ کس حدیث میں اس کا بیان ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مطلقا فجر کی فرض نماز کے بعد کوئی بھی نماز پڑھنے سے منع کر رہے ہیں اور آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف لوگوں کو اپنا فتویٰ سنا رہے ہیں۔

نیز راز صاحب فرماتے ہیں:

''جو لوگ نماز ہوتے ہوئے فجر کی سنت پڑھتے رہتے ہیں وہ حدیث کے خلاف کرتے ہیں۔'' (ایضا)

راز صاحب اللہ سے توبہ کریں، کیسی بات آپ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم وغیرہم

صحابۂ کرام وتابعین کی ایک جماعت فجر کی نماز کھڑی ہو جانے پر بھی فجر کی سنتیں پڑھا کرتے تھے، تابعین میں سے حضرت مسروق، حضرت شعبی، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاھد وغیرہم فجر کی نماز کھڑی ہو جانے کے بعد بھی سنت پڑھا کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ طحاوی شریف اور احادیث کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کریں، آپ کی آنکھ سے پردہ ہٹ جائے گا۔

مولانا راز صاحب فرماتے ہیں:

"اہل حدیث کے نزدیک جس نماز سے آدمی سو جائے یا بھول جائے پھر جاگے یا یاد آئے اور اس کو پڑھ لے تو وہ ادا ہوگی نہ کہ قضا۔" (۱/۵۷۷)

آپ کے یہاں تو کافروں کے پیچھے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، یعنی اگر کسی نے امامت کی اور پھر کہا کہ میں تو کافر تھا تو، اہل حدیث مذہب میں نماز کو دہرایا نہیں جائے گا، اگر کسی کو شک ہو تو کسی اہل حدیث مفتی سے فتوی معلوم کرلے، نواب وحید الزماں کنز میں لکھتے ہیں: ولوا خبر بعد الصلوۃ بانہ کافر لا یعیدون. یعنی اگر نماز کے بعد امام نے کہا کہ وہ کافر ہے تو مصلی نماز نہیں لوٹائیں گے۔ آپ کے یہاں نماز قضا کب کہلاتی ہے فرمائیے تو، قرآن کیا کہتا ہے آپ کو یاد بھی ہے؟ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً کا کیا مطلب آپ نے سمجھا ہے، محض اہل حدیث نام رکھنے سے کوئی محدث نہیں بن جاتا۔

داؤد راز صاحب نے جلد اول میں رفع یدین پر کافی خامہ فرسائی کی ہے اور رفع یدین کو اپنا مذہب بتلایا ہے، مگر داؤد صاحب نے یہ صاف نہیں کہا ہے کہ اہل حدیث کا مسلک چار جگہ رفع یدین کرنا ہے یا تین جگہ، اگر تین جگہ کرنا ہے تو چار جگہ والی حدیث پر عمل نہیں ہوتا، اور اگر چار جگہ کرتے ہیں تو تین والی حدیث پر عمل نہیں ہوتا۔

بخاری شریف میں نماز میں صرف ایک جگہ والی رفع یدین کا بھی ذکر ہے مگر غیر مقلدین کے علماء اس کو چھپاتے ہیں، اس کا نام تک نہیں لیتے، دیکھو باب صفۃ الجلوس فی التشھد. [1]

---

[1] ناصر الدین البانی کو موجودہ زمانہ کے غیر مقلدین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فوقیت دیتے

اور امام بخاری نے خاص اس موضوع پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں تو ہر اٹھنے بیٹھنے اور ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کرنے والی حدیثیں ہیں، آخر ان حدیثوں پر غیر مقلدین کا عمل کیوں نہیں ہوتا، وہ رسالہ بھی تو امام بخاری ہی کا ہے، اور خاص اسی موضوع پر ہے، رہا قرأت خلف الامام کا مسئلہ اور آمین کا مسئلہ اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ، ان مسائل پر میری کتاب ارمغان حق میں تفصیلی اور تحقیقی بحث ہے اسے دیکھ لیا جائے، آج تک کسی غیر مقلد سے اس کا جواب نہیں بن سکا، اس کتاب نے الحمد للہ غیر مقلدین علماء کی ہوا اکھیڑ دی ہے۔

یہ وہ مسائل ہیں جن کی تحقیق پہلے ہی ہو چکی ہے، مگر داؤد راز صاحب بلا وجہ ان پر اتنی بحث کر کے اپنی کتاب کو گراں بار کیا ہے، اور کمال یہ ہے کہ موصوف کی اپنی کوئی تحقیق نہیں ہے انہوں نے ان مسائل کے بارے میں اپنے مختلف علماء کی تحقیقات پیش کی ہیں اور دیانت یہ ہے کہ ضعیف احادیث سے بھی اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ گویا وہ بالکل صحیح احادیث ہیں جس کا جی چاہے اس کتاب میں ان بحثوں کو دیکھ لے، میں اس جگہ ان بحثوں کو بلا وجہ کی تطویل کی وجہ سے نقل کرنے سے عاجز ہوں۔

اس جلد میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے کہ ناپاک، اہلحدیث کا مذہب راز صاحب نے ناپاکی کا بیان کیا ہے، مگر مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں نے اپنی مشہور کتاب نزل الابرار میں کتے کا ہی نہیں بلکہ سور کا جھوٹا بھی پاک بتلایا ہے، فرماتے ہیں: **واختلفوا فی لعاب الکلب والخنزیر وسورھا والارجح طھارتہ کما مر** (ص ۴۹) یعنی لوگوں نے کتے اور سور کے لعاب اور جھوٹے کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور راجح بات یہ ہے کہ پاک ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے، غیر مقلدین کا مذہب کیا ہے اور کیا نہیں ہے، اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے، کوئی کچھ ہانکتا ہے اور کوئی کچھ بکتا ہے، اور کوئی جمہور فقہاء کی چادر میں پناہ لیتا ہے، مثلاً بخاری شریف کی

ہیں، اور ان کی تحقیقات کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے، ان البانی صاحب نے اپنی کتاب صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر اٹھنے بیٹھنے پر اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کو آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی سنت بتلایا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن خالد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے اور منی کا خروج نہ ہو تو وہ کیا کرے، یعنی غسل کرے یا نہ کرے؟ تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ وہ نماز والا وضو کرلے اور پھر فرمایا کہ یہ بات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، پھر حضرت زید بن خالد نے یہی بات حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھی سب نے ان کو وہی جواب دیا جو جواب حضرات عثمان نے دیا تھا، مگر اس بخاری شریف کی صحیح روایت کے برخلاف داؤد راز صاحب فرماتے ہیں: ''اب صحبت کے بعد غسل فرض ہے خواہ نزول ہو یا نہ ہو'' (۳۲۶/۱) اور دلیل میں کوئی حدیث نہیں پیش کی ہے بلکہ جمہور امت کی چادر میں پناہ لی ہے، امام ترمذی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جمہور کا یہی مذہب ہے، اور اب اسی پر امت کا اجماع ہے۔ سوال یہ ہے کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک جمہور کا اتفاق اور امت کا اجماع کب سے حجت ہو گیا ہے، آپ کے بڑے بڑے اکابر نے صاف صاف اجماع کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے ''اجماع چیزے نیست'' اجماع کوئی چیز نہیں ہے۔ (عرف الجادی) جمہور کا مذہب اور امت کا اجماع تو آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح پر بھی ہے، اس مسئلہ میں جمہور کا عمل اور امت کا اجماع نظر نہیں آتا، جمہور کا مذہب تو تین طلاق کے واقع ہونے کا بھی ہے اور اس پر بھی امت کا اجماع ہے، مگر آپ لوگوں کو یہاں امت کا اتفاق اور جمہور کا مذہب نظر نہیں آتا، جمہور بلکہ ساری امت کا اجماع جمعہ کی نماز کیلئے دو اذان کہنے کا بھی ہے، مگر یہاں آپ غیر مقلدین حضرات کو امت کے خلاف شیعوں والا مذہب پسند ہے، جمہور کا مذہب تو حالت حیض میں طلاق کے واقع ہونے کا بھی ہے مگر یہاں بھی آپ کی دوستی رافضیوں سے ہے، اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں جمہور کا اتفاق ہے اور غیر مقلدوں کا جمہور سے اختلاف ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ غیر مقلدین کا مذہب نہ قرآن پر قائم ہے نہ حدیث پر نہ اجماع پر اور نہ قیاس پر، بلکہ ان کے مذہب کی اساس ہوی نفس پر ہے، اگرچہ غیر مقلدین یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم لوگ صرف قرآن وحدیث والے ہیں، خود راز صاحب اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ یہی ڈھنڈھورا پیٹتے

دکھائی دیتے ہیں، مثلاً اپنی اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۳۴۲ میں فرماتے ہیں:

''مسلک اہل حدیث کی بنیاد خالص کتاب وسنت پر ہے، پھر یہ شعر پڑھتے ہیں:

صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست ما اھلحدیثیم دغا را نہ شناسیم

اس شعر کا مطلب ہے کہ ہم اہلحدیث لوگ ہیں ہمارے مذہب میں مکر وحیلہ نہیں ہے۔

ماشاء اللہ بڑی اچھی بات ہے، بڑا اچھا مذہب ہے اہلحدیث مذہب زندہ باد کا نعرہ لگائیے، اچھا اگر آپ کا مذہب مکر وحیلہ والا نہیں ہے تو شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب غنیۃ الطالبین میں تراویح کے باب میں بڑی ایمانداری سے کیوں آپ لوگوں نے تحریف کردیا، ناظرین حیران ہوں گے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں تراویح کی رکعات بیس ذکر کی تھی، مگر غیر مقلدوں نے جب اس کتاب کو ترجمہ کے ساتھ پاکستان سے شائع کیا تو بیس رکعت کی جگہ گیارہ رکعت بنادیا، اصل عبارت کتاب میں یہ ہے: **وھی عشرون رکعۃ یجلس عقب کل رکعتین ویسلم فھی خمس ترویحات کل اربعۃ منھا ترویحۃ وینوی فی کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونۃ اذا کان فردا اواذا کان اماما او ماموما**، یعنی شیخ جیلانی فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعت ہے، یعنی پانچ ترویحے ہیں، ہر چار رکعت کو ایک ترویحہ کہا جاتا ہے، اور ہر دو رکعت میں یوں نیت کرے گا، میں دو رکعت تراویح مسنون کی نیت کرتا ہوں، یہ نیت تنہا نماز پڑھنے والا بھی کرے گا، اور امام بھی کرے گا، نیز مقتدی بھی کرے گا۔ غیر مقلدین ناشرین اس مختصر سی عبارت میں دو جگہ خیانت کی ہے، ایک تو عشرون (۲۰ رکعت کی جگہ **احدی عشر** اگیارہ) بنادیا، اور دوسری خیانت یہ کی ہے کہ **فھی خمس ترویحات** سے لیکر **ماموماً**. تک کی ساری عبارت نکال دی ہے، اس لئے کہ اس عبارت میں بیس رکعت تراویح کے بیان کے ساتھ ساتھ منفرد، امام، مقتدی سب کیلئے زبان سے نیت کرنے کا بھی ذکر تھا، چونکہ زبان سے نیت کرنا غیر مقلدین کے نزدیک بدعت ہے، اس وجہ سے نیت والی عبارت بھی نکال دی ہے، اس بے ایمانی کے باوجود **ما دغا را نہ شناسیم** کی قوالی بھی گائیں گے اور مکر وحیلہ نہ کرنے پر خدا کا شکر بھی ادا کریں گے، جی ہاں یہ ہیں اہل حدیث کے امانت دار لوگ۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری نے تفسیر ابن کثیر کا اختصار شائع کیا تو واذا قری القرآن. الخ والی آیت میں حافظ ابن کثیر نے امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والی جتنی روایات ذکر کی تھیں سب کو حذف کر کے حافظ ابن کثیر کے کلام کو مسخ کر دیا، مکتبہ دارالسلام (ریاض) سے جب غیر مقلدوں نے نواب صاحب بھوپالی کی کتاب التاج المکلل کو شائع کیا تو دسیوں جگہ سے نواب صاحب بھوپالی کی عبارتوں کو حذف کر دیا اور ناشر نے نہایت بے شرمی سے عرض ناشر میں اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ چونکہ یہ عبارتیں سلفیوں کے عقیدہ کے خلاف تھیں، اس وجہ سے اس کو حذف کر دیا گیا ہے، بیروت سے غیر مقلدین نے جب تذکرۃ الحفاظ حافظ ذھبی کی کتاب کو شایع کیا تو حضرت امام اعظم کا تذکرہ بھی اڑا دیا، بیروت ہی سے جب غیر مقلدوں نے نواب صدیق خاں بھوپالی کی کتاب الحطہ شائع کیا تو نواب صاحب نے شیخ محمد بن بدالوہاب نجدی کے بارے میں جو سخت قسم کی عبارتیں تھیں ان سب عبارتوں کو حذف کر دیا، ان بے ایمانیوں اور مکر وحیلہ کے باوجود راز صاحب اور ان جیسے انصاف پسند اہل حدیث بھی قوالی گاتے رہیں گے، مااھلحدیثھم دغارا نشاسیم.

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بڑی بے باکی سے لکھ دیا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایتیں بخاری و مسلم میں ہیں (دیکھو فتاوی ثنائیہ) جے پوری کی کتاب حقیقۃ الفقہ پڑھئے بے ایمانیوں کا ایک جنگل نظر آئے گا، دغابازیوں کا ایک سمندر نظر آئے گا، حکیم صادق سیالکوٹی اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول میں تقریباً چوراسی کے قریب ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، مگر کہیں بھی کسی حدیث کا ضعف ظاہر نہیں کیا ہے، بعض بعض احادیث موضوع کے قریب ہیں مگر اس اللہ کے بندے نے اور دغارانشاسیم والے نے ان کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ وہ احادیث صحیح ہیں، غیر مقلدین کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو آپ کو دغا بازیوں اور فریب کاریوں کا ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ نظر آئے گا، بڑوں اور چھوٹوں کا سب کا یہی حال ہے، مگر غیر مقلدین مااھلحدیثیم والی گا گا کر اپنے عوام کو فریب میں مبتلا کئے رہتے ہیں، اللہ نے اگر توفیق دی تو میں انشاء اللہ ان کی فریب کاریوں کو کسی مستقل مضمون میں ظاہر کروں گا۔

(جاری)

محمد ابوبکر غازیپوری

تحفۃ الالمعی کے بارے میں ایک خط کے جواب میں میری تحریر پر حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری کا تاثر

اس شمارہ سے پہلے والے شمارے میں حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے ایک ملفوظ کے بارے میں ایک صاحب کے استفسار پر میرا جواب شائع ہوا تھا، جواب کچھ مفصل تھا، اور میں نے تحفۃ الالمعی جو حضرت مفتی صاحب کی ترمذی شریف کی درسی تقریر ہے اور جو چار ہزار سے زائد صفحات پر محیط ہے، اور جس کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے کا جو اس تقریر کے مرتب ہیں، یہ فرمان ہے کہ:

''اس مجموعہ کی سب سے بڑی اور اہم خوبی یہ ہے کہ صاحب افادات حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اس شرح کا ایک ایک لفظ بامعان نظر پڑھا ہے اور حک وفک کر کے اس کو قابل اشاعت بنایا ہے۔''

میں نے اپنے جواب میں حضرت مفتی صاحب سے عاجزانہ گذارش کی تھی کہ چونکہ اس کتاب میں بعض قابل لحاظ امور باقی رہ گئے ہیں، اور آپ کے امعان نظر سے پڑھنے اور حک وفک کے باوجود بھی ان کی اصلاح نہیں ہوسکی ہے، اس لئے اس کتاب پر مزید نظر ثانی کی جائے اور ان باتوں کو اس شرح سے نکالا جائے جو آج نہیں تو کل دار العلوم کیلئے اور جماعت دار العلوم کے لئے باعث فتنہ بن سکتی ہیں۔ خصوصا وہ باتیں جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، یا جن کا تعلق صحابۂ کرام سے ہے، یا جو باتیں فرشتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے کچھ باتوں کی نشاندہی بھی کی تھی، میری یہ گذارش حضرت مفتی صاحب سے تعلق خاطر کی بنا پر تھی، اور دار العلوم سے تعلق کی نسبت سے تھی، اس گذارش یا میری اس تحریر میں کسی منافست یا کسی مخاصمت کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔

میرا خیال تھا کہ مفتی صاحب میری اس گذارش کی روح کو سمجھیں گے اور اس پر غور کریں گے، مگر 'من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال' والا معاملہ ہوا۔ جب میرا وہ پرچہ حضرت کے پاس پہونچا تو حضرت نے اس کو پڑھنے کے بعد میری عاجزانہ اور مخلصانہ گذارش کے جواب میں موبائل پر جواب دیا کہ آپ کا مضمون میں نے پڑھ لیا، اس مضمون کا بہت سے لوگوں کو انتظار تھا، اب سب کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا، اور آپ نے ایک مشورہ[1] دیا ہے، ایک مشورہ اور بھی آپ کو دینا چاہئے تھا، اور وہ یہ کہ تم صدر مدرسی سے بھی استعفیٰ دے دو، اور شیخ الحدیث کے عہدہ سے بھی استعفیٰ دیدو، یہ مشورہ رہ گیا ہے، اسے بھی آپ کو دینا چاہئے تھا۔[2] 'اوکما قال'

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اس جواب پر میں حیران رہ گیا اور اس وقت ان کے احترام میں کوئی بات کہہ نہیں سکا، مگر حضرت کے جواب میں اب میں عرض کرتا ہوں کہ الحمد للہ میرے اندر کوئی منافقت نہیں ہے، جو گذارش میں نے پہلے کی تھی وہ اب بھی علی حالہ باقی ہے، رہی دوسرے مشورہ کی بات تو میں فیما بینی وبین اللہ عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک آپ کے شیخ الحدیث ہونے کی بات ہے تو اس وقت دار العلوم کے تمام مدرسین میں سے میرے نزدیک اس عہدے کے لائق آپ سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں ہے، اللہ نے آپ کو تقریری وتفہیمی جو صلاحیت دی ہے یہ صلاحیت دوسرے مدرسین میں نظر نہیں آتی، علم ومطالعہ کے اعتبار سے خواہ کوئی دوسرا آپ سے زیادہ ہو مگر تفہیم کا جو ملکہ آپ میں ہے وہ ملکہ مجھے کسی دوسرے میں نظر نہیں آتا، اللہ کا یہ خصوصی انعام آپ پر ہے۔

رہی دوسری بات یعنی آپ کے صدر مدرس نہ ہونے کی، تو غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ جب یہ عہدہ آپ کو تفویض کئے جانے کی بات چل رہی تھی اور مجھے معلوم ہوا تو میں نے آپ سے اس وقت گذارش کی تھی کہ یہ عہدہ آپ ہرگز قبول نہ کریں، آپ نے پوچھا تھا کہ کیوں؟ تو میں نے عرض کیا تھا کہ اس اہم ذمہ داری کے ساتھ آپ کا علمی کام متاثر ہوگا، اس لئے کہ مجھے اپنے استاذ مرحوم مولانا وحید الزماں صاحب کے بارے میں تجربہ تھا کہ جب تک کہ وہ انتظامی ذمہ داریوں سے آزاد تھے تو دار العلوم میں ان کا علمی فیضان آبشار کی طرح جاری تھا

---

[1] میں نے گذارش کی تھی، مشورہ نہیں دیا تھا۔ [2] میری اس گذارش سے حضرت مفتی صاحب کا ذہن اتنی دور تک کیسے پہنچ گیا، میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اور دار العلوم عربی زبان و ادب کے اعتبار سے ہندوستان کی مشہور علمی درسگاہوں کا مقابلہ کر رہا تھا یا اس سے بھی فائق تھا، اور جب مولانا مرحوم ذمہ داریوں میں پھنسے تو وہ فیضان بند ہوگیا اور دار العلوم کا زبردست علمی نقصان ہوا، جس کی تلافی آج تک نہیں ہوسکی، میں دیکھ رہا تھا کہ ادھر دار العلوم دیوبند میں عرصہ دراز سے درس و تدریس کے سوا تصنیف و تالیف کے اعتبار سے کوئی اہم علمی کام انجام نہیں پا رہا ہے، عرصہ دراز کے بعد اللہ نے آپ کے ذریعہ اس بند دروازہ کو پھر کھول دیا ہے، مجھے آپ کے بارے میں بھی یہ اندیشہ تھا کہ اگر آپ نے صدر مدرسی کے عہدے کو قبول کرلیا تو آپ کا علمی کام متاثر ہوگا، اس وجہ سے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ اس عہدے کو قبول نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ اس گذارش کی صرف میں نے جرأت کی تھی اور یہ بھی محض آپ کی محبت اور آپ سے تعلق خاطر کی بنا پر، مگر آپ نے بلا ان شاء اللہ کہے یہ فرمایا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، سب کام چلتا رہے گا، مگر میرا خیال ہے کہ جو میں نے مشورہ دیا تھا وہ صائب مشورہ تھا اور آپ کے علمی کام بے حد متاثر ہو رہے ہیں، علمی کام صرف یہ نہیں ہے کہ آپ ضخیم ضخیم مجلدات تیار کرتے رہیں اور پیسے کی زور پر اس کو شائع کرتے رہیں، بلکہ علمی کام یہ ہے کہ چاہے ایک جلد والی اور چند سو صفحے والی کتاب ہو مگر وہ کتاب قیم ہو، اب آپ دیکھیں کہ آپ کی کتاب المعی میں کیسی کیسی فاش غلطیاں ہیں جن میں سے بعض کی نشاندہی میں کرچکا ہوں، حد یہ ہے کہ آپ نے الایم جیسے عام لفظ کا غلط ترجمہ کیا ہے، آپ نے اس کا ترجمہ غیر شادی شدہ عورت کیا ہے، اگر آپ نے ذمہ داری کا ثبوت دیا ہوتا اور لغت کی طرف مراجعت کرلیتے تو لغت میں اس کا ترجمہ آپ کو یہ ملتا: الایم -ھی من لازوج لھا بکرا او ثیبۃ مطلقۃ او متوفی عنھا، الایم احق بنفسھا المراد ھنا الثیبۃ. (مجمع البحار: ۱/۱۲۴)

اور تفسیر التیسیر العزیز میں ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم -ای زوجوا من لازوجۃ لہ من رجالکم ومن لازوج لھا من نسائکم. اور اگر صرف معارف القرآن بھی دیکھ لیتے تو انکحوا الایامی کے تحت یہ تحقیق آپ کے سامنے آتی، "وانکحوا الایامیٰ بے نکاح ہونا عام ہے، خواہ ابھی تک نکاح ہوا ہی نہ ہو یا ہونے کے بعد بیوی کی موت کے بعد یا طلاق کے سبب بے نکاح رہ گئے۔" (حضرت تھانوی)

"الایامی: الایم کی جمع ہے جو ہر اس مرد اور عورت کیلیئے بولا جاتا ہے، جس کا نکاح موجود نہ ہو، خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو..........لفظ ایامیٰ میں بالغان مرد اور عورت دونوں داخل ہیں۔" (معارف القرآن). الایم کے لئے اردو میں ایک لفظی ترجمہ رانڈ ہوتا ہے، حضرت شیخ الہند نے یہی ترجمہ کیا ہے۔اور رانڈ کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے۔

یہ تو الایم کی بات ہے، اور دوسری نشاندہیاں جو میں نے پہلے مضمون میں کی ہیں، خصوصاً صحابۂ کرام اور انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کے بارے میں وہ تو بہت خطرناک ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آپ کی توجہات کئی طرفہ ہو چکی ہیں اس وجہ سے آپ اپنی کتابوں پر نظر ثانی کامل طور پر نہیں کر پا رہے ہیں، مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اس کتاب میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے باب النھی عن البول قائما کا ترجمہ کیا ہے" کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جواز" (۲۱۳/۱) اور شرح میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب آپ کی پراگندہ ذہنی کا غماز ہے۔اور باب الاستنجاء بالحجرین کا ترجمہ آپ نے کیا ہے، استنجاء کے لئے تین ڈھیلے ضروری ہیں، پھر آپ فرماتے ہیں" ڈھیلے سے استنجاء کرنے والوں کو کم از کم تین ڈھیلے استعمال کرنے چاہئیں، ان سے کم پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے" اور پھر تین ڈھیلے سے استنجا کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، یہ سب الٹی پلٹی باتیں آپ سے کیوں صادر ہو رہی ہیں؟ کیا ہمارا فقہی مسلک یہی ہے کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنے والوں کو تین ڈھیلے کا استعمال کرنا ضروری ہے؟[1] آپ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "وقد

---

[1] یہاں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر ایک یا دو ڈھیلوں سے انقاد (صفائی) ہو جائے تو تین کا عدد سنت مؤکدہ ہے۔(۲۲۴/۱)
میں کہتا ہوں حضرت مفتی صاحب نے نہ امام اعظم کا مسلک صحیح بتلایا ہے نہ امام مالکؒ کا استنجاء میں تین کا عدد ان دونوں اماموں میں سے کسی کے یہاں بھی سنت مؤکدہ نہیں ہے، مالکیہ کی مشہور کتاب "الکافی" ہے، یہ مالکی مذہب کے فقہ کی مشہور کتاب ہے، اس میں لکھا ہے "یستحب الوتر" یعنی ڈھیلوں اور پتھروں سے اگر استنجاء کیا جائے تو طاق کا عدد مستحب ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سمع محمد بن اسماعیل منی هذاالحدیث واستغربه "(۳۶۹/۸)میں استغربہ کا ترجمہ کیا ہے، اس کو انتہائی درجہ ضعیف قرار دیا، استغراب کا ترجمہ انتہائی درجہ ضعیف قرار دینا آپ جیسے محدث اور حدیث پڑھانے والے سے بہت عجیب معلوم ہوا۔ جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ترمذی نے اس پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے ایک معنی تو معروف ہیں یعنی اللہ کا ساجھی بنانا اور شرک کے دوسرے معنی ہیں جال، (۶۴/۸) حضرت اقدس مفتی صاحب یہ شرک کا دوسرا معنی جال کس لغت میں ہے، مہربانی فرما کر اس کا حوالہ دیں، شِرْکٌ اور شَرَکٌ میں آپ کو فرق سمجھ میں نہیں آیا، شَرَک جس کے معنی جال کے ہیں وہ 'ش' اور 'ر' کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور شِرک جس کے معنی ساجھی بنانے کے ہیں وہ 'ش' کے زیر اور 'ر' کے سکون

اور اکثر اہل مدینہ کے نزدیک تین کا عدد استعمال کرنا واجب اور فرض ہے، ولا یجزی عند اکثر المدنیین دون ثلاثۃ احجار. اکثر اہل مدینہ کے نزدیک تین پتھر سے کم پر اکتفائے کرنا جائز نہیں ہے۔
(الکافی جلد اول: ۱۵۹)

اور حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ کا مسلک بھی حضرت والا نے صحیح نہیں بیان کیا ہے، مولانا ظفر احمد تھانوی اعلاء السنن میں لکھتے ہیں: **لایجب تثلیث الاحجار ولا ایتارها فی الاستنجاء وانهما مستحبان** یعنی استنجاء میں نہ تین پتھر کا استعمال واجب ہے، اور نہ ان کا طاق ہونا واجب بلکہ یہ دونوں باتیں مستحب ہیں اور مزید حضرت مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں وانما هو مستحب عندنا یعنی طاق کا عدد استنجاء میں استعمال کرنا ہمارے یہاں مستحب ہے، اور حوالہ میں لکھا ہے کہ وصرح بہ فی الدر مع الشامیہ. (۳۴۸/۱)

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحب اس حدیث کی شرح میں فقہ حنفی کا مذہب بھی ایک معمولی سے مسئلہ میں صحیح نہیں بیان کر رہے ہیں، جب کہ حضرت والا دیوبند کے دارالافتاء میں معین بھی رہ چکے ہیں، کیا اب بھی حضرت والا مفتی صاحب کو یقین نہیں آرہا ہے کہ اس کتاب کو نظر ثانی کی ضرورت ہے، اور میں اس گذارش کا کرنے والا ان کا مخلص دوست ہوں، نہ کہ ناقد خصم کیسے عرض کروں۔

آتا ہے پیار پر ان کو

مجھ کو غصہ پر پیار آتا ہے

کے ساتھ ہے، شِرک مصدر ہے اور شِرُک اسم ہے، اس کی جمع اشراک اور شُرُك آتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ شراب کے حرام ہونے کی علت اور وجہ نشہ ہے۔ (۲۴۳/۱)

اگر شراب کی حرمت کی وجہ یہی ہے تو قطرہ دوقطرہ شراب جس سے نشہ نہ ہو حرام نہ ہونی چاہئے؟[1] آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں، اگر شراب سرکہ بن جائے اور اس میں نشہ نہ ہو تو حرمت مرتفع ہو جائے گی، اجی حضرت سرکہ بن جانے کے بعد تو اس کی ماہیت ہی بدل گئی اس وجہ سے سرکہ حرام نہ رہا، جیسے گائے بھینس کا گوبر جب جل کر راکھ بن جائے تو تبدیلی ماہیت کی وجہ سے وہ نجس نہیں رہتا، سرکہ پر شراب کا اطلاق ہی درست نہیں، جس طرح راکھ پر گوبر اور لید کا اطلاق درست نہیں ہے، ان فاش فاش غلطیوں کی وجہ یہی ہے کہ آپ کتاب پر نظر ثانی کیلئے موقع نہیں نکال پاتے ہیں۔ اور ''اس راہ میں سودا برہنہ پا بھی ہے'' کے مفہوم سے ناآشنا یا غافل ہیں۔

آپ نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. میں الذکر سے مراد صرف قرآن نہیں ہے بلکہ دین وشریعت مراد ہے، جس میں حدیث وقرآن فقہ وحکمت سب شامل ہیں، (۵۳/۱) اس آیت کریمہ کی یہ اچھوتی اور منفرد تفسیر کس مفسر نے کی ہے؟ قرآن کی آیت کریمہ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے، کہ اس آیت میں ''الذکر'' القرآن سے عام ہے، (حوالہ مذکور) جب کہ بالاجماع یہاں الذکر سے مراد صرف قرآن ہے، تفسیر کی کتابوں کو آپ دیکھیں، میری بات کی تصدیق آپ پائیں گے، آپ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، الذکر سارے دین کو شامل ہے حتی کہ یہود ونصاریٰ کی کتابوں کو اور ان کے دین کو بھی الذکر کہا گیا ہے، واہ حضرت واہ، کہاں کا پتھر اور کہاں کا روڑا، آپ جمع کر رہے ہیں، مفتی صاحب الذکر فلاں فلاں چیز کو بھی کہا گیا ہے، یہ الگ سی بات ہے، اور اس آیت کریمہ میں الذکر سے مراد کیا ہے یہ الگ سی بات ہے، کیا یہاں الذکر سے مراد۔ یہود ونصاریٰ کی کتابیں ہیں اور ان کا دین بھی اسی میں شامل

---

[1] ممکن ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اپنی بات پر یہاں اصرار ہو مگر میرے سوال کا انہیں جواب دینا چاہئے کہ شراب قطرہ در قطرہ پیشاب کی طرح کیوں حرام ہے؟ جب کہ نشہ کا یہاں وجود نہیں ہے؟

ہے؟ دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس اور وہ بلا سوچے سمجھے قرآن کی آیات کی تفسیر کرتا چلا جائے، کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

بعض جگہ تو حضرت ایسا شاہانہ کلام کرتے ہیں کہ ہم جیسے فقیر منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش اللہ تعالیٰ نے ہمارے سروں میں بھی کچھ وافر مقدار میں بھیجا رکھا ہوتا، کہ ہم لوگ بھی حضرت والا کے شاہانہ کلام کو سمجھ لیتے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کا علم معلومات سے منتزع ہے، اگرچہ اللہ کا علم کا حضوری ہے حصولی نہیں ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

''معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا کہ جیسا جس نے جان لیا معلوم ایسا ہی ہو جائے یہ ضروری نہیں ہے مگر چونکہ اللہ کا علم حضوری ہے، حصولی نہیں، اس لئے وہ معلومات کے وجود کے محتاج نہیں مگر ہے وہ علم معلومات سے منتزع، پس اس کا معلومات کے مطابق ہونا ضروری ہے مگر معلومات کا علم خداوندی کے مطابق ہونا ضروری نہیں کیونکہ معلومات علم کے تابع نہیں ہوتے۔'' (۸/۲۰۰)

میں نے جب آپ کا یہ کلام پڑھا تو میرا سر چکرانے لگا اور میں نے اپنے بعض بزرگوں سے اس کلام شاہی کی تفسیر چاہی تو ہر ایک نے اس کی تفسیر سے معذرت کر لی۔

حضرات اہل علم غور فرمائیں کہ حضرت والا مفتی صاحب کی یہ بات کہ ''اللہ تعالیٰ کا علم معلومات سے منتزع ہے'' اور آپ کی یہ بات کہ معلومات کا اللہ کے علم کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، کتنی خطرناک ہے، مفتی صاحب کے اس فلسفیانہ کلام کی رو سے اللہ کی صفت علم کا قدیم ہونا باطل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے، تعالی اللّٰہ عنه علواً کبیراً۔

حضرت والا اپنی اس کتاب میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے مسلک میں عصر کے بعد دو رکعت نفل فی نفسہ جائز ہے، مگر اس پر مداومت جائز نہیں، پھر آپ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ رائے غور طلب ہے، جب ایک چیز کا جواز ثابت ہو گیا تو بندہ اس کو

ایک مرتبہ کرے یا ہمیشہ کرے، اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ (۱/۴۸۹)

فرق کیا پڑتا ہے؟ کیوں نہیں فرق پڑتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھو کر یہ بتلا دیا کہ اتنے وضو سے نماز جائز ہو جائے گی، اس کا اعادہ نہیں کرنا ہے، تو کیا اس پر مداومت سے فرق نہیں پڑے گا؟ آپ نے ایک دو مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب کر کے اس کا جواز بتلا دیا تو کیا اس پر مداومت سے فرق نہیں پڑے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھ کر اس کا جواز بتلایا تو کیا اس پر مداومت سے فرق نہیں پڑے گا؟

آپ فرماتے ہیں کہ طوافین ذوی العقول کی جمع ہے اور طوافات غیر ذوی العقول کی۔ (۱/۳۵۷)...... جی ہاں یہ تو ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ مسلمین ذوی العقول کی جمع ہے اور مسلمات غیر ذوی العقول کی، حافظین ذوی العقول کی جمع ہے اور حافظات غیر ذوی العقول کی، اور صالحین ذوی العقول کی جمع ہے اور صالحات غیر ذوی العقول کی، صابرین ذوی العقول کی جمع ہے اور صابرات غیر ذوی العقول کی، قائمین ذوی العقول کی جمع ہے اور قائمات غیر ذوی العقول کی۔ وقس علیٰ ذالک. اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے کافیہ کی جو اردو عربی شرح لکھی ہے اس کا حال کیا ہوگا؟

میں آپ سے عرض کروں گا کہ آپ سے یہ موٹی موٹی غلطیاں اور عجیب عجیب قسم کی باتیں اس وجہ سے صادر ہو گئیں ہیں کہ آپ کی مصروفیات میں اضافہ ہو گیا ہے اور آپ کو موقع نہیں مل پا رہا ہے کہ آپ اپنی تالیفات کے مسودوں پر کامل غور و فکر فرمائیں۔ میں نے بہت سرسری انداز میں صرف چند روز میں المعی. کی چار پانچ جلدوں کے دو ڈھائی ہزار صفحات الٹے پلٹے، اور میری گرفت میں یہ چند باتیں آ گئیں، اور آپ کے صاحبزادہ کے فرمان کے مطابق آپ نے المعی کی تمام جلدوں کا بامعان نظر ایک ایک حرف پڑھا ہے اور حک و فک کے بعد اس کو شائع کیا ہے، مگر آپ کی نگاہ ان موٹی موٹی غلطیوں پر بھی نہیں پڑی، حتی کہ ان عبارتوں پر بھی نہیں پڑی جن سے توہین صحابہ کا پہلو نکلتا ہے۔

اور جب میں آپ سے مخلصانہ اور عاجزانہ گذارش کرتا ہوں کہ آپ اس کتاب پر نظر ثانی فرمائیں تا کہ دار العلوم دیو بند کی مسند صدارت اور مسند شیخیت کا وقار مجروح نہ ہو،

اورتا نظرثانی اس کی اشاعت مت کریں تو آپ بجائے اس کے کہ میری اس مخلصانہ گذارش پر غور کرتے ، مجھ پر طنز فرماتے ہیں، کہ تم نے صرف ایک مشورہ دیا ہے، ایک مشورہ چھوٹ گیا ہے اسے بھی دینا چاہئے۔ [1]

اگر آپ کو مزید مشورہ کی ضرورت ہے تو لیجئے ایک دوسرا مشورہ بھی حاضر ہے، اور وہ یہ کہ آپ صرف اسی کتاب پر نظرثانی کی ضرورت محسوس نہ کریں بلکہ آپ کی دوسری کتابوں کو بھی نظرثانی کی حاجت ہے، خصوصاً آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف رحمۃ اللہ الواسعہ کو بھی نظرثانی کی شدید ضرورت ہے، اس کتاب پر نظرثانی کی کیوں ضرورت ہے، تو اس وقت اس کے لئے صرف تین مثالیں دوں گا، اور اگر مزید چاہیں گے تو مزید بھی حاضر خدمت کردوں گا۔

آپ رحمۃ اللہ الواسعہ کی جلد اول صفحہ ۴۴۴ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ "ایک صورت میں مرد پر بھی عدت لازم ہے" عدت ایک خاص لفظ ہے جو خاص معنی کیلئے شریعت

---

[1] حضرت مفتی صاحب نے اس کتاب میں تبلیغی جماعت پر جگہ جگہ سخت قسم کی عبارت میں تبصرہ کیا ہے، اور طلبہ کو جماعت میں نہ نکلنے کا درس دیا ہے، اگر آپ کو ایک ایسی جماعت کے بارے میں جس کی خیرات وبرکات آج پورے عالم اسلام میں ظاہر ہے، اور جس کی خیر کا پھیلاؤ ایشیا سے تجاوز کرکے یورپ اور امریکہ تک پہونچ چکا ہے، اور ہمارے تمام بڑے اکابر اس جماعت کے حق میں دعا گو رہے ہیں، اگر آپ کو اس جماعت خیر کے بارے میں تنقید کرنے کا حق ہے، اور آپ کا یہ جملہ کافی چلا ہے کہ اکابر کا عمل حجت نہیں ہے، اس جملہ سے آپ نے بڑے بڑے اکابر جن میں حضرت قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت شیخ الہند، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب وغیرھم کی ایک بڑی جماعت کو بلا نام لئے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس لئے کہ یہ تمام وہ اکابر ہیں جو قبر پر مراقبہ کرنے والے تھے اور آپ نے اس جملہ کو کہ اکابر کا عمل حجت نہیں ہے لاتجلسوا علی القبور کی شرح میں بھی اس حدیث کی غلط تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے، تو آپ اپنے کو تنقید سے بالاتر کیوں سمجھتے ہیں، اور آپ کو اپنے بارے میں معصوم عن الخطا ہونے کا وہم کیوں پیدا ہوگیا ہے، یہ مزاج یعنی اپنی غلطیوں پر اصرار اور ان کے قبول کرنے سے ترفع واستکبار یہ تو مودودی صاحب کا مزاج تھا، ہمارے لئے مثال تو حضرت تھانویؒ ہیں۔

میں استعمال ہوتا ہے، اور اس کا تعلق عورتوں سے ہے، مرد پر اس کا اطلاق یہ آپ کی ایجاد ہے، آپ اس کی تشریح انتظار بھی کریں گے تب بھی اس لفظ کا استعمال مردوں کیلئے مستنکر اور مستنکرہ ہے اور بدعت (بمعنی لغوی) ہے۔ [1]

آپ نے اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۸۰ پر استبـــــد کا ترجمہ قادر مطلق ہونا بھی کیا ہے، قادر مطلق ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مخلوق پر اس کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے، خواہ وہ مخلوق ڈکٹیٹر ہی کیوں نہ ہو، مگر آپ کو یہ فرق سمجھ میں نہیں آیا، استبد کا ترجمہ قادر مطلق ہونا کس لغت میں ہے؟ ذرا بتلائیں تو سہی؟

آپ نے اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۹۷ میں فرمایا ہے کہ ''نماز کا ضمنی اور چھوٹا فائدہ یہ ہے وہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے،'' ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء کی تفسیر میں نماز کا بے حیائی اور فحشاء سے روکنے کو کسی مفسر نے ضمنی اور چھوٹا فائدہ نہیں کہا ہے، بلکہ یہ تو نماز کا عظیم تر فائدہ ہے، مگر آپ کو یہ چھوٹا فائدہ نظر آیا ہے، اللہ اکبر سبحان اللہ مااعظم شانہ.

سردست ان تین مثالوں میں آپ غور فرمائیں کہ کیا اس کے بعد بھی آپ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ آپ کی یہ کتاب بھی نظر ثانی کی محتاج ہے؟ رہا دار العلوم کی موقر مجلس شوریٰ کی اس کتاب کے سلسلہ میں توصیفی شہادت جس کو آپ نے بڑے فخر کے ساتھ اسی کتاب کے شروع میں چسپاں کیا ہے تو آپ یقین کریں کہ اس موقر شوریٰ کے ایک بھی موقر رکن نے اس کتاب کے چند صفحات کا بھی غور و فکر کی نگاہ سے مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ اس کتاب کی ہر جلد کا وزن ہی اتنا ہے کہ لوگ اس کو ہاتھوں میں لیکر فوراً رکھ دیں گے، [2] میرے نزدیک بھی بلاشبہ رحمۃ اللہ الواسعہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ اور عظیم علمی شاہ کار ہے، مگر بہر حال ہے یہ کتاب بھی نظر ثانی کی محتاج، اب اخیر میں ایک بات اور عرض کر کے میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

---

[1] شاید ہی کسی اہل علم نے اس لفظ کا اطلاق مردوں پر کیا ہو، میرے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

[2] اس کتاب کی جلد اول کا وزن ایک کیلو سات سو پچاس گرام ہے، جلد ثانی کا وزن ایک کیلو سات سو گرام ہے، سوم کا وزن ایک کیلو پانچ سو گرام ہے، چہارم کا وزن ایک کیلو پانچ سو گرام، پنجم کا وزن ایک کیلو چار سو گرام ہے۔ ان وزنوں میں چند گرام کا فرق ہو سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب! بہادری یہ ہے کہ آدمی اپنی غلطی کا اعتراف کرلے اور اس کی تکرار کر کے اپنے غلط کو صحیح کرنے کی کوشش نہ کرے، آپ نے فون پر مجھ سے یہ کہا تم نے میری فلاں عبارت میں ''ان کی'' کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے صحابہ رسولؐ حبان بن منقذ کے بارے میں سوئے ادب کا پہلو نکالا ہے، اگر یہ اضافہ شدہ لفظ ''ان کی'' نکال دیا جائے تو سوئے ادب کا پہلو باقی نہیں رہتا، یہ آپ کی بلاوجہ کی تکرار اور اپنی غلط بات پر اصرار ہے، لیجئے میں اپنا لفظ ''ان کی'' نکال کر آپ کے سامنے اور اہل علم کے سامنے اس عبارت کو رکھتا ہوں آپ بھی دیکھیں اور اہل علم بھی دیکھیں کہ اب بھی اس عبارت میں اس صحابی رسول کے بارے میں سوئے ادب کا پہلو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ آپ فرماتے ہیں:

''ایک صحابی حضرت حبان بن منقذ تھے، ان کی گرہ میں کمزوری تھی یعنی عقل کا ایک اسکروز ڈھیلا تھا'' (اس عبارت میں جو ''ان کی'' کا لفظ ہے، وہ مفتی صاحب کا ہے) یہ آپ کی بلا ''ان کی'' والی عبارت ہے، فرمایئے کہ عقل کا اسکرو کس کا ڈھیلا تھا، حبان بن منقذ صحابی رسول کا یا کسی اور کا؟

میں نے تحفۃ الالمعی کی جلد ہشتم پر اپنے تبصرہ میں یہ لکھا تھا کہ آپ اپنی کتاب کے نام پر غور کرلیں، کہیں اس میں ثنائے خود تو نہیں ہے، اس کے بارے میں بھی مفتی صاحب نے اپنے اس فونی گفتگو پر خفگی و ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور کہا کہ تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی کتاب کا نام ہے، اس پر آپ کو اعتراض نہیں؟

مشکل یہ ہے کہ مولانا مفتی سعید صاحب میں اپنی بات کے خلاف دوسروں کی بات ماننے کا جذبہ نہیں ہے، اور وہ اپنے آپ پر ہلکی سی تنقید بھی برداشت نہیں کر پاتے، مفتی صاحب اپنی ہر بات اور ہر تحقیق کو آخری تحقیق سمجھتے ہیں، اگر حضرت والا نے لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کیا ہوتا تو وہ میری اس بات پر سنجیدگی سے غور کرتے خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہ کرتے، الالمعی کا معنی صرف الذکی المتوقد المنجد میں لکھا ہے، جب کہ الاحوذی کا معنی ''الحاذق'' کے ساتھ ''السریع فی کل ما اخذ فیہ'' بھی لکھا ہے، تحفۃ الاحوذی نام پر کیسے اعتراض ہوسکتا ہے، تحفۃ الاحوذی کا یہ مطلب بھی تو سکتا ہے، یہ اس آدمی کی طرف سے تحفہ

ہے، جس نے بہت جلدی میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ (اس وجہ سے اگر اس کتاب میں کچھ نقص رہ گیا ہو تو ایسا ہونا ممکن ہے، مصنف کو معذور رکھا جائے) کیا یہی معنی تحفۃ الالمعی نام رکھنے میں بھی ملحوظ ہونے کا گمان بھی ہے؟

آپ کے فرزندار جمند اس کتاب کے مرتب سلمہ فرماتے ہیں:

''جب اس شرح کی جلد اول مکمل ہوئی تو میں نے والد محترم سے دریافت کیا کہ اس کا نام کیا رکھا جائے، آپ نے فرمایا ''تحفۃ الالمعی'' (سمجھدار کی سوغات)[1]

نیز یہ بھی فرمایا کہ:

''جو اس شرح کو بغور پڑھے گا اور اس کے مضامین کو محفوظ کرلے گا وہ انشاء اللہ علوم الحدیث سے بہرہ ور ہوگا۔''

یعنی یہاں مفتی صاحب دامت برکاتہم اس نام کے توسط سے اپنی سمجھداری اور اپنے سمجھدار ہونے کا اعلان خود کر رہے ہیں، یہ ثنائے خود نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور جب اس پر آپ کو متنبہ کیا جاتا ہے تو آپ کو برا لگتا ہے، کیا اخلاص اسی کا نام ہے اور مخلصین اہل علم کی یہی صفت ہوتی ہے؟

میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے نہایت ہی عاجزی و اخلاص سے عرض کروں گا کہ حضرت والا فضاؤں میں اڑنے کے بجائے زمین پر زیادہ چلنے کی عادت ڈالئے اور اپنا مزاج بدلئے، فضاؤں میں اڑنے اور مزاج نہ بدلنے کا نتیجہ ہے کہ آپ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا بڑے دھڑلے اور بے باکی سے معارضہ کرتے ہیں اور آپ کو احساس نہیں ہوتا کہ آپ کس کے مقابل ہو کر بات کر رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: **ان اردت اللحوق بی فلیکفک من الدنیا کزاد الراکب وایاک ومجالسة الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیه.**

---

[1] یہ تشریح خود مرتب کی ہے، یا مفتی صاحب کی ہوگی، یعنی المعی کا ترجمہ خود حضرت مفتی صاحب یا ان کے صاحبزادہ کے نزدیک ''سمجھدار'' ہے۔

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اگر تو چاہتی ہے کہ (آخرت میں) میرے ساتھ ہوتو دنیا سے اتنا ہی لو جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا ہے اور مالداروں کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بچو، اور کپڑے کو جب تک پیوند لگا نہ پہن لو اسکو پرانا نہ سمجھو، اس کی شرح میں مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں:

''میں گرمی میں سوتی کپڑے پہنتا ہوں، وہ ایک مرتبہ پھٹے کہ دوسری مرتبہ دھوبی دس جگہ سے پھاڑ لاتا ہے، اس میں پیوند کہاں تک لگائیں، [1] میں اسے کسی دوسرے مصرف میں لے لیتا ہوں، پیوند نہیں لگاتا۔'' (۱۰۴/۵)

آپ کیا کرتے ہیں، کیا نہیں کرتے ہیں اس کو آپ جانیں مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کے مقابلہ ومعارضہ میں آپ کا یہ کہنا کہ میں پیوند نہیں لگاتا، کیسی جرأت کی بات ہے، کیا ایک مسلمان اس طرح کی بات کہہ سکتا ہے؟ آپ تو ماشاء اللہ حضرت اقدس مولانا مفتی صاحب سعید پالنپوری صاحب مدظلہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر مدرس ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے جب آپ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یہ معارضانہ کلام پڑھا تو میں گھنٹوں سوچتا رہا کہ حضرت اقدس کا مزاج شریف بخیر تو ہے۔!

باب ماجاء فی المزاح کے تحت یہ حدیث ہے: **عن انس ان رجلا استحمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،قال: انی حاملک علی ولدناقۃ، فقال :یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:ما اصنع بولدناقۃ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :وھل تلد الابل النوق.**

حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے

---

[1] دھوبی ایک جگہ پھٹے ہوئے کپڑے کو دس جگہ سے پھاڑ کر لاتا ہے، اس میں کتنا مبالغہ ہے؟ آپ دھوبی کو دینے سے پہلے ہی پیوند لگا لیتے تو وہ دس جگہ سے پھاڑ کر نہ لاتا، اصل میں بات یہ ہے کہ خوء بد بہانہ می جوید۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (بطور مزاح) فرمایا، میں تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کراؤں گا، تو اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹ کو تو اونٹنی ہی جنتی ہے۔"

یہ ہے اس حدیث پاک کا ترجمہ، اب اس حدیث کے بارے میں مفتی صاحب کا ترجمہ اور اس ترجمہ کے ساتھ جوان کی افسانہ نگاری ہے وہ ملاحظہ فرمائیں، حضرت اقدس فرماتے ہیں:

"ایک صاحب جن میں بلاہت (کند ذہنی) تھی وہ (تحصیل علم کے لئے) مدینہ منورہ آئے، اتفاق سے ان کی سواری کا اونٹ مر گیا، ان کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ وہ واپس کیسے جائیں گے؟ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی، آپ نے فرمایا میں تمہیں سواری کیلئے اونٹنی کا بچہ دوں گا، وہ اٹھ کر چلے گئے، اور اپنے ساتھیوں سے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کیلئے اونٹ مانگا تھا، آپ نے فرمایا: میں اونٹنی کا بچہ دوں گا، میں بچہ کو کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری چاہئے، ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری بات نہ سمجھے ہوں، آپ لوگ جا کر عرض کریں کہ فلاں آدمی کو سواری چاہئے، لوگوں نے یہ بات عرض کی تو آپ نے فرمایا: وهل تلد الابل الا النوق. (۳۲۸/۵)

قارئین دیکھیں کہ اصل حدیث کتنی تھی اور کیا تھی، اور حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم اپنی طباعی اور افسانہ نگاری سے اپنی طرف سے باتیں بڑھا کر اس حدیث کے مفہوم اور معنی کو کیا سے کیا بنا دیا، اور کمال تو یہ ہے کہ اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر حضرت مفتی صاحب نے اپنی دوربین نگاہ سے کند ذہنی اور بلاہت بھی تلاش کرلی، آپ کی شرح سے خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کم عقل ہونا اور معمولی سی بات کو بھی نہ سمجھنا لازم آتا ہے، جب کہ اس حدیث میں اس بات کا دور دور تک بھی کہیں نشان نہیں، اور بالکل غلط طریقہ پر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم (جو مفتی صاحب کی نگاہ میں ابلہ اور کند ذھن تھا) کی طرف اسے منسوب کردیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے [1]

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ جتنے محتاط تھے، مفتی صاحب دامت برکاتہم اتنے ہی غافل اور بے پروا نظر آتے ہیں، جو نہایت قابل افسوس بات ہے۔

اس طرح کی گفتگو وہی کرتا ہے جو فضا میں اڑ رہا ہوتا ہے، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آپ فضاؤں میں اڑنے کے بجائے زمین پر زیادہ چلنے کی عادت ڈالیں، اپنی ہی بات پر ڈٹے اور جمے رہنا یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، اچھا حضرت اب بس، حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا گلستان والا شعر ''گاہ باشد کہ کودک ناداں'' پڑھئے اور مجھے اجازت دیجئے۔

نوٹ: میں اس سلسلہ کو دراز نہیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت اقدس مفتی صاحب سے گذارش کروں گا کہ اب آپ اس بارے میں مجھ سے کوئی گفتگو نہ کریں نہ خط کے ذریعہ نہ فون کے ذریعہ، کرم ہوگا۔ میرے اوپر احسان ہوگا، میں اپنے خیال میں اپنی دینی وعلمی وجماعتی ذمہ داری سے بری ہو چکا ہوں۔ اگر برا نہ لگے تو ایک بات اور عرض کردوں، علمی مناقشہ ہمیشہ سے اہل علم میں ہوتا رہا ہے، اہل علم کو اس سے خوشی ہوتی ہے نہ کہ ناراضگی اور حق بات کو قبول کرنے میں ان کو کبھی ادنی سا بھی تامل نہیں ہوتا شرط یہ ہے کہ اس کا ذہن تھانوی ہو، مودودی نہ ہو۔

وکل یعمل علی شاکلتہ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا.

☆☆☆☆☆

[1] اگر کسی اور حدیث کی روشنی میں اتنی لمبی چوڑی تقریر حضرت نے فرمائی ہے تو وہ حدیث کس کتاب میں ہے اس کا حوالہ دینا ضروری تھا۔

پیکر لطف و محبت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محمد ابوبکر غازی پوری

ہمارے عربی ادب کے استاذ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند عربی زبان وادب کے اعتبار سے ایک مثالی درسگاہ بن گیا تھا، عربی انجمن النادی العربی دارالعلوم دیوبند میں بیسوں سے زائد مختلف زبانوں کی انجمنوں میں اس کا خاص مقام تھا، اس انجمن کی جو اہمیت تھی وہ کسی اور انجمن کی نہ تھی، اس انجمن کا جو معتمد ہوتا تھا، اس کی بھی بڑی اہمیت ہوتی تھی، عربی شعبہ کے تمام طلبہ اس کا احترام کرتے تھے، عربی اجلاسوں کا وہی ذمہ دار ہوتا، حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی ہوتی، سال میں النادی العربی کے تین اجلاس ہوتے تھے، ایک سال کے شروع میں، ایک وسط میں، اور آخری اجلاس سالانہ امتحان کے موقع پر ہوتا، یہ تینوں اجلاس معتمد النادی العربی کے زیر اہتمام ہوتے تھے، تینوں اجلاس بڑے اہم اور بڑی شان کے ہوتے تھے، خصوصاً آخری اجلاس تو بہت ہی شاندار ہوتا، دارالعلوم کے بیشتر اساتذہ اس اجلاس میں شریک ہوتے، اور طلبہ کی تقریروں اور مکالمات سے سب محظوظ ہوتے، تقریر کرنے والے طلبہ بھی بڑے باصلاحیت ہوتے، اور ان جلسوں میں ان کی عربی زبان وادب پر ان کی قدرت وصلاحیت کا تعلق بس دیکھنے اور ان کی تقریروں کو سننے سے ہوتا۔

ایک سال کا ذکر ہے کہ النادی العربی کا معتمد میں تھا، میرے ایک دوست تھے محمد اسرار بجنوری[1] جو بڑے باصلاحیت تھے، مگر اتنے ہی شریر بھی، کوٹ کوٹ کران کے اندر

[1] میرے یہ دوست نہ معلوم اب کہاں ہیں، دیوبند سے پڑھ کر وہ مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تھے، پھر شاید مصر گئے، اور پھر لندن چلے گئے تھے، بڑے ذی صلاحیت تھے اور ظرافت بھری طبیعت کے مالک تھے، میرے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا، دارالعلوم دیوبند سے ان کے جانے کے بعد اب تک میری ملاقات ان سے نہ ہوسکی ہے۔

شرارت بھری تھی، ہمارے استاذ مولانا وحید الزماں صاحب ان کی ہر روز نت نئی شرارتوں سے عاجز تھے، جس روز مولوی اسرار کو مولانا کی غصہ والی تقریر و گفتگو سننے کا شوق ہوتا اس روز وہ کوئی عجیب سی شرارت کرتے اور ہم لوگوں سے کہتے کہ آج سبق نہیں پڑھا جائے گا، مولانا کی غصہ والی گفتگو سنی جائے گی، مولانا مرحوم جب غصہ میں عربی میں بولتے تو اس کا رنگ بس سننے اور دیکھنے سے ہوتا، کبھی کبھی پورا گھنٹہ ہو جاتا مگران کی ڈانٹ ڈپٹ کا محمد اسرار پر کوئی اثر نہ ہوتا، جس سال میں النادی العربی کا معتمد تھا، میرے ہی اہتمام میں اور حضرت مولانا مرحوم کی نگرانی میں النادی کا سالانہ اجلاس ہونا تھا، اجلاس کی تیاری زوروں شوروں پر تھی، کہ دیکھا کہ ایک روز محمد اسرار منھ بنائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا کہ ''مولانا'' النادی کے اس اجلاس میں مجھے شریک نہیں کر رہے ہیں، اگر تم مولانا سے سفارش کرو تو مجھے اجازت مل سکتی ہے، میں نے ان کی تقریر دیکھی بڑی اچھی تھی، پھر حضرت مولانا مرحوم کے پاس میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ اسرار بھی اس اجلاس میں حصہ لینا چاہتے ہیں، مگر وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے ان کو منع کر دیا ہے، تو مولانا نے فرمایا: میں نے اس کو منع کر دیا کہ تم کو اس اجلاس میں نہیں شریک کیا جائے گا نہ معلوم تم اجلاس میں کیا بک دو، اور النادی کیلئے زحمت پیدا کرو، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت میں ان کی تقریر دیکھ چکا ہوں، بہترین تقریر ہے، اور لب ولہجہ تو آپ جانتے ہی ہیں، مولانا نے فرمایا کہ تم کو یقین ہے کہ وہ کوئی شرارت نہیں کرے گا، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے اس کی تقریر جو دیکھی ہے وہ لکھی ہوئی تقریر ہے، اس کا ایک ایک حرف دیکھ چکا ہوں، انشاء اللہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی، مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب تم کو اطمینان ہے تو تم اس کو بھی شریک کرلو اور مقررین کی فہرست میں اس کا نام لکھ دو، میں نے محمد اسرار کو جا کر اس کی خوشخبری سنائی وہ خوش ہو گئے، اور میرا شکریہ بڑے بے ڈھنگے طریقہ سے ادا کیا، یعنی میری ٹوپی اپنے سالن میں جو وہ مطبخ سے لائے تھے ڈبو کر خوب لت پت کیا اور ٹوپی بھی پھینک دی اور اپنا سالن بھی پھینک دیا، بہر حال اسی شب رات کو دارالحدیث تحتانی ہال میں النادی کا جلسہ ہوا، طلبہ نے ہال کو خوب سجا رکھا تھا، بڑا شاندار منظر تھا، نائب مہتمم حضرت مولانا معراج الحق

صاحب کے علاوہ دارالعلوم کے بیشتر اساتذہ شریک تھے، طلبہ اپنی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر رہے تھے، ہر استاذ اور خصوصاً حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب لڑکوں کی صلاحیتوں کو دیکھ کر اور اپنی محنت کا پھل اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ان کا چہرہ بھی خوشیوں سے دمک رہا تھا۔

جب محمد اسرار شیر کوٹی کا نام تقریر کیلئے پکارا گیا، اور پکارنے والے نے کہا: الآن نقدم امام حضراتکم الاخ محمداسرار الشیر کوٹی للخطاب ،فلیتفضل. تو اسرار بڑی شان سے چہرہ پر مسکراہٹ لئے حاضر ہوئے، اور جو تقریر شروع کی تو میں بھی حیران، سارا مجمع حیران، حضرت مولانا معراج الحق صاحب کے چہرہ پر خفگی کے آثار، حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب مرحوم کا بھی چہرہ غصہ سے لال سرخ، میری طرف بری تیز نگاہ سے دیکھ رہے ہیں، اور اسرار شیر کوٹی ان سب سے بے پرواہ اپنی روانی میں تقریر کئے جا رہے ہیں، مجھے جو تقریر دکھلائی تھی اس کا تو کہیں ایک لفظ نہیں تھا، ان کی تقریر برجستہ تھی اور اس کا حاصل یہ تھا کہ دارالعلوم کے فلاں نظام میں خرابی ہے، فلاں شعبہ میں فلاں بگاڑ ہے، فلاں مدرس ایسا ہے اور فلاں مدرس ایسا ہے، مطبخ کا کھانا قابل اصلاح ہے، غرض کہ دارالعلوم کے نظام پر وہ اپنی تقریر میں برس رہے تھے، اور انداز ایسا خطیبانہ اور ایسا شاندار کہ مولانا مرحوم بھی ان کو روک نہیں پا رہے تھے۔

خیر جلسہ کے اختتام پر میں حضرت مولانا مرحوم کے پاس رات ہی میں شرمندہ شرمندہ حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ اسرار نے مجھے دوسری تقریر دکھلائی تھی، مولانا نے فرمایا مجھے اندازہ تھا کہ وہ شرارت کرے گا، اس سے زیادہ مولانا نے مجھے کچھ نہیں کہا، اصل بات جو مجھے عرض کرنی ہے جس کے لئے بظاہر عنوان سے بلا جوڑ لمبی تمہید باندھی گئی ہے، اب سنئے کہ اسی کو سنانا ہے۔

دارالعلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا معراج الحق صاحب کو النادی العربی کے اجلاسوں سے کوئی بہت زیادہ خوشی نہیں ہوتی تھی، غالباً ان کو طلبہ کا عربی زبان سے اس درجہ لگاؤ اور تعلق دوسرے اسباق کے لئے مضر معلوم ہوتا تھا، اس کے باوجود وہ النادی کے

اجلاسوں میں شریک ضرور ہوتے تھے، جس شب کا یہ قصہ ہے اس کی صبح کو حضرت مولانا معراج الحق صاحب نے دفتر اہتمام میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بتلایا کہ رات النادی کے جلسہ میں دار العلوم کے اہتمام اور اس کے اساتذہ وملازمین پر زبردست تنقید ہوئی ہے، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تحقیق کیلئے دفتر اہتمام میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کو بلایا تو وہی مولانا مولانا وحید الزماں صاحب جو رات اسرار بجنوری کی اس تقریر سے بہت خفا تھے اب وہ حضرت قاری صاحب سے یہ کہہ رہے تھے کہ جی حضرت اسرار نے تقریر کی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسرار نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے، اس کی تقریر کا ٹیپ موجود ہے، منگوا کر آپ خود سن لیں، مولانا معراج صاحب حضرت مولانا کی یہ بات سن کو ہکابکا رہ گئے، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا مولانا وہ تقریر ذرا میں بھی سننا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا نے تقریر کی کیسٹ منگوائی، اور دار العلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت قاری صاحب، مولانا معراج الحق صاحب، مولانا وحید الزماں صاحب اور بہت سے دیگر ملازمین ومدرسین کی موجودگی میں وہ تقریر سنی جانے لگی، اسرار کا جوش بیان اور انداز خطابت، فصاحت وبلاغت سے بھری تقریر اور اس تقریر میں اہتمام اور دار العلوم کے دیگر شعبوں پر تنقید، اساتذہ کرام کے بارے میں ان کا تبصرہ حضرت مولانا قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے، اور مسکرا رہے تھے، نہ غصہ، نہ چہرے پر خفگی کا کوئی اثر۔ دار العلوم کے ایک ہونہار طالب علم کا یہ انداز خطابت، جوش وولولہ وجرأت اور اس کی طلاقت لسانی بے تکلف عربی میں اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی نے حضرت قاری صاحبؒ کے چہرہ پر خوشیاں بکھیر دی تھیں، جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے او رمسکراتے ہوئے فرمایا کہ "مولانا معراج الحق صاحب! لڑکے نے بات تو ٹھیک ہی کہی ہے، ہم لوگوں کو بھی اپنا احتساب کرنا چاہئے اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنا چاہئے، اس لڑکے نے ہم کو ہماری ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے"۔ بس اتنا کچھ فرمایا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں، اور میں حضرت قاری صاحب کی عظمت، ان کی وسعت ظرفی، حوصلہ مندی اور

اعتراف حقیقت اور طلبائے دارالعلوم کی قدردانی کی بلندیوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا رہا، مجھے اس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آرہا تھا، اور میری زبان پر یہ مصرع تھا:

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں.......... ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

آج بھی دارالعلوم کا منصب اہتمام کا عہدہ خالی ہے، اتنے ہی باعظمت باحوصلہ، لطف وکرم کے پیکر، طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت کرنے والے ایسے ہی مہتمم کی ضرورت ہے، تبھی دارالعلوم کی عظمت اور اس کی شہرت باقی رہے گی، خداوند قدوس غیب سے ایسے رجل رشید مہتمم کو اپنی قدرت سے دارالعلوم کے لئے ظاہر فرمادے۔

☆☆☆☆☆

مصیبت وپریشانی کے دفع کے لئے

دعاء حضرت یونس علیہ السلام

آدمی کو اگر رنج وغم لاحق ہے، مصیبت وپریشانی کا شکار ہے تو اس کو حضرت یونسؑ والی دعا کا ورد رکھنا چاہئے اور بعض بزرگوں نے اس کو پڑھنے کا ایک طریقہ یہ بتلایا ہے کہ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ مسلسل چالیس دن تک یہ آیت کریمہ یعنی **لاالٰہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین** ایک سو ایک مرتبہ پڑھے پھر اپنی پریشانی کے دور ہونے کیلئے اللہ سے دعا کرے تو ان شاء اللہ اس کی بے چینی دور ہوجائے گی۔

(تحفۃ الالمعی: ۱۵۸/۸)

ایک خط کا جواب
ڈاکٹر ذاکر نائک کے بارے میں

مکرمی! حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوری دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! بعد سلام مسنون عرض یہ ہے کہ بمبئی کے ڈاکٹر ذاکر نائک کا آج کل بڑا چرچا ہے، موصوف کے اسلام کی دعوت کے نام پر بڑے بڑے پروگرام ہوتے ہیں، ان کا اپنا ٹی وی چینل بھی ہے، ان کے پروگرام میں بڑا مجمع ہوتا ہے، اور اسلامی موضوعات پر ذاکر صاحب کی تقریریں ہوتی ہیں، اور سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوتا ہے، کبھی کبھی خود ڈاکٹر صاحب بڑا پروگرام کرتے ہیں اور اس میں ہندوستان کی بعض مشہور شخصیتیں بھی شریک ہوتی ہیں اور عرب علماء بھی مدعو ہوتے ہیں اور وہ بھی شریک ہوتے ہیں، نئی نسل خصوصاً کالج اور یونیورسٹیوں کے لڑکے اور لڑکیاں ان پروگراموں سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں، ابھی گذشتہ ماہ بمبئی میں ڈاکٹر صاحب کا ایک بڑا پروگرام ہوا جس میں ائمہ حرم میں سے دو امام شریک ہوئے اور ہندوستان کے بہت سے علماء بھی مثلاً مولانا سلمان حسنی، مولانا غلام استانوی اور مولانا محمد سالم قاسمی (سنا ہے کہ محمد سالم صاحب کسی وجہ سے شریک نہیں ہوئے اور ہوائی اڈہ ہی سے واپس ہوگئے) میں نے ڈاکٹر صاحب کا ٹی وی پروگرام دیکھا ہے، مجھے ان کی باتیں عجیب سی لگتی ہیں، ڈاکٹر ذاکر نائک کے بارے میں اگر آپ کو کچھ اطلاع ہو تو ان کی دعوت وتبلیغ کے بارے میں اپنا خیال ظاہر فرمائیں، کرم ہوگا، آپ کی تحریروں سے کافی اطمینان ہوتا ہے۔

والسلام

جاوید احمد رشیدی

فتح پور۔ یوپی

برادرم! سلام مسنون! آپ کا خط بہت طویل تھا مختصر کرتے کرتے بھی طویل ہو گیا، مجھے ڈاکٹر صاحب کے کسی پروگرام میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا ہے، اور نہ میں نے ان کا کوئی پروگرام ٹی وی پر سنا ہے، اور نہ کبھی میں نے ان کی تقریر سنی ہے، گذشتہ دو سال قبل کشمیر گیا تھا، وہیں پر ذاکر نائک صاحب کی تقریروں اور پروگراموں کا زور وشور سے تذکرہ پہلی دفعہ سننے میں آیا، ایک دفعہ ایک صاحب کے گھر تھا تو انہوں نے اپنی ٹی وی پر ڈاکٹر صاحب کا کیسٹ لگایا تو ڈاکٹر صاحب کی شکل وصورت، لباس، تقریر کا انداز دیکھ کر مجھے کچھ ایسی کراہیت محسوس ہوئی کہ میرے لئے اس کیسٹ کا دس منٹ سننا بھی برداشت نہ ہوسکا، یہ پہلی دفعہ ڈاکٹر ذاکر کی زیارت بذریعہ تصویر ہوئی تھی، ان کی تصویر اور تقریر کا انداز دیکھ کر مجھے محسوس ہوا کہ یہ صاحب اسلام کے دوست نہیں بلکہ یہودیت، نصرانیت، عیسائیت یا کسی بھی اسلام دشمن طاقت کے یہ مداری ہیں، جو اسلام کا نام لیکر اسلام کا اصلی تصور مسلمان نوجوانوں کے دلوں سے محو کرانا چاہتے ہیں، اس کے بعد ان کے بارے میں بعض تحریریں بھی پڑھنے کو ملیں اور ان کے افکار وخیالات کا خاصا علم ہوا تو روز اول ان بارے میں میرا جو تاثر تھا اس میں مزید پختگی پیدا ہوگئی، اور ذاکر صاحب کی دعوت وتبلیغ کی کوشش اسلام کے خلاف ایک سازش اور مسلمانوں کیلئے ایک جدید فتنہ صاف طور پر محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر ذاکر نائک اسلام کو بالکل ایک نئی شکل میں پیش کررہے ہیں، جس سے اسلاف کا اسلام نا آشنا تھا، غیر مقلدیت اور آزادی والا مزاج ہے، نوجوانوں کو اپنے اسی اسلام کی طرف بلانا ان کا مشن ہے، اور اسلاف سے بیزاری اور ان پر بداعتمادی ان کی دعوت کا خاص پہلو ہے، علوم دینیہ وعربیہ سے واقفیت نہیں ہے مگر اجتہاد کا شوق ہے، جو چاہا حدیث کا مطلب بیان کردیا اور جس طرح چاہا قرآن کی تفسیر کردی، انگریزی سے واقفیت نے ان کے پندار کو اور بڑھادیا ہے، ان کے نزدیک بخاری ومسلم کے علاوہ کسی اور حدیث کی کتاب کا کوئی وزن نہیں، صحابۂ کرام کے بارے میں ان کا نظریہ غیر مقلدوں والا ہے، انگریزی لباس میں یہ عام طور پر نظر آتے ہیں، ٹائی سے ان کی گردن اور سینہ مزین رہتا ہے، اردو کا لب ولہجہ اور تلفظ دیہات کے لوگوں جیسا ہے، پیسہ اپنے پروگراموں پر بے پناہ خرچ کرتے ہیں، ان پیسوں کا مصدر اور منبع کیا ہے اس کی حقیقت نہ آپ کو معلوم ہے نہ ہمیں معلوم، مگر جو یہودیوں کی اسلام دشمنی اور عیسائیوں کی مکاریوں سے واقف ہیں اور یہ طاقتیں مسلمانوں کو اسلام کے جادہ مستقیم سے منحرف کرنے کیلئے اور نوجوان نسل میں اسلام کے

خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے ان کی مساعی کس نوع کی ہوتی ہیں، ان سے واقف ہیں ان کو کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہے کہ ڈاکٹر ذاکر کسی اسلام دشمن طاقت کے مشن کا نام ہے اور ان کے پروگراموں پر جو دولت خرچ ہوتی ہے اس کا مصدر اور منبع کہیں اور سے ہے۔

ان کی دینی معلومات کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک طاقتور یہودی کی بیٹی تھیں، اور کبھی ان کو حضرت عمر کی بیٹی بتلاتے ہیں، ان کو غلمان کا ذکر قرآن میں نظر نہیں آتا، ایک امام کئی کئی دفعہ ایک ہی وقت کی نماز دوسروں کو پڑھا سکتا ہے، ان کو کوئی حدیث نہیں ملی جس میں مرد وعورتوں کی نماز میں فرق بتلایا گیا ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور قبر میں وہ زندہ نہیں ہیں، ان کے نزدیک دف کے میوزک کی اجازت ہے،...... ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حلال ہے، کچھوا حلال ہے، کیکڑے وکیڑے سب حلال ہیں، مصنوعی تخم ریزی میاں بیوی کیلئے حلال ہے، تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے تعلق حلال ہے، عورت بھی طلاق دے سکتی ہے، اسلام میں پانچ قسم کی طلاق ہے، بچہ کو گود لینا درست نہیں، دوسری شادی کیلئے پہلی عورت سے اجازت لینی ضروری ہے، اگر نکاح کے وقت بیوی نے یہ شرط لگادی ہے، نہ لگائی ہے تب بھی پہلی بیوی کو بتلانا ضروری ہے، دوشادیوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بقیہ شادیاں سیاسی مفادات کیلئے تھیں، عورت کو چہرہ چھپانا ضروری نہیں، تراویح آٹھ رکعت ہے، اگر کوئی مکہ میں کرایہ پر مکان لیکر دو چار روز بھی رہے تو بھی وہ مقیم ہو جاتا ہے، عورت حیض کی حالت میں بھی قرآن پڑھ سکتی ہے۔

اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن میں ان کی غیر مقلدیت اور آزادی فکر اور اسلامی تعلیمات اور اسلاف کے اعمال سے بغاوت جھلکتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ذاکر نائک اسلام کے پردہ میں کسی اور مذہب کے مبلغ ہیں، اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ ان کی دعوت وتبلیغ اسلام کے لئے نہیں ہے، بلکہ وہ اسلام کو ماڈرن بنانے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔

رہا وہ علمائے کرام جو ان کے پروگرام میں شریک ہوتے ہیں تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، میں ان کے بارے میں کچھ کہوں گا تو بات دور تک جائے گی، اس لئے کف لسان ہی بہتر ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر ذاکر نائک کا دین ومذہب اور ان کی فکری گمراہی جاننے کے لئے حقیقت ذاکر نائک کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کی حفاظت کا خدائی وعدہ کی صداقت دیکھ کر ایک یہودی مسلمان ہو گیا

از معارف القرآن

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون﴾ یعنی قرآن کو ہم نے نازل کیا اور قرآن کی حفاظت ہم ہی کرنے والے ہیں، قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کس طرح کر رہے ہیں اگر آدمی غور کرے تو اس کی عقل حیران ہو جائے، سب سے بڑا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کی شکل میں بچوں کے سینوں کو بنا دیا ہے، حتی کہ پانچ سات سال تک کے بچے بھی اس کو یاد کر لیتے ہیں، دنیا کے صفحات سے اگر قرآن کے حروف ونقوش مٹادیئے جائیں تب بھی مسلمان بوڑھوں اور نوجوانوں کے سینوں میں نہیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینوں میں بھی قرآن پورا کا پورا محفوظ رہے گا، ان کے سینوں تک کوئی ہاتھ نہیں پہونچ سکتا، یہ قرآن کا ایک کھلا ہوا معجزہ ہے، اور اس کی حفاظت کا عالم اسباب میں ایک بالکل عجیب وغریب اور ماوراء عقل ذریعہ ہے، مگر اس کے علاوہ بھی اللہ نے کچھ اور طرح سے بھی دنیا میں اس کی حفاظت کا نظام بنا رکھا ہے، انہیں میں سے قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی نظاموں میں سے ایک نظام پر درج ذیل واقعہ سے روشنی پڑتی ہے۔

امام قرطبی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آگیا جو شکل وصورت اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو کی، جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اسے بلا کر پوچھا تم اسرائیلی ہو؟ اس نے

اقرار کیا، مامون نے امتحان لینے کیلئے کہا کہ اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو ہم تم سے بہت اچھا سلوک کریں گے، تو اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی اور یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہوکر آیا اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر کی اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم پر مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ کیا تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں! وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ تم نے اس وقت اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اس نے کہا کہ جب میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، تو اچھی قیمت سے فروخت ہوجاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کرکے تیار کئے او بہت سی جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کردی اور نسخے لیکر میں کنیسہ پہونچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، اسی طرح انجیل کے تین نسخے تیار کرکے نصاریٰ کے عبادت خانوں میں گیا، وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدرومنزلت کے ساتھ یہی نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ بھی کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ تیار کئے اور اپنی طرف سے کمی بیشی کردی، ان کو لیکر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کردیا۔

اس واقعہ سے میں نے سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے۔

(از معارف القرآن: ۲۸۲/۵، سورہ حج)

☆☆☆☆☆

محمد ابوبکر غازی پور

اللہ والے

ابوعبداللہ کرز بن وبرہ الحارثی الکوفی

ابوعبداللہ کرز بن وبرہ حارثی کوفی مقتدائے قوم تھے، عابد کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، ہجرت کرکے جرجان چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی، جرجان کے بڑے علماء میں ان کا شمار تھا۔

انس بن مالک، ربیع بن خثیم، نعیم بن ابی ہند، طاؤس، مجاہد، عطاوغیرہ سے حدیث سنی تھی۔ ان کے شاگردوں میں ابوطیبہ عیسی بن سلیمان دارمی، عبداللہ اصافی، سفیان ثوری، ابن شیبہ جیسے فقہاء ومحدثین ہیں۔

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ ان کا قیام جرجان میں تھا جہاں ان کو عبادت، پرہیزگاری مین شہرت حاصل تھی، لکھا ہے کہ دن ورات میں تین مرتبہ قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

ابن شیبہ کہتے ہیں کہ کرز نے اللہ تعالیٰ سے مدعا کی تھی کہ وہ ان کو اسم اعظم سکھلادے تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں جو چاہیں حاصل کرلیں، اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی تو انھوں نے اللہ سے اس اسم کے ذریعہ یہ مانگا کہ ان کو قرآن پڑھنے پر ایسی قوت ملے کہ وہ دن ورات میں تین مرتبہ قرآن ختم کرلیں۔

امر بالمعروف کے سلسلہ میں ان کو بڑی سختیاں اٹھانی پڑتی تھیں، لوگوں کو جب وہ خیر اور بھلائی کا حکم فرماتے تو لوگ ان کو مارنے لگتے اور کبھی اتنا مارتے کہ یہ بے ہوش ہوجاتے۔

ابن فضیل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ کرز نے چالیس سال تک آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی، ان کے پاس ایک لکڑی رہا کرتی تھی جب رات میں عبادت کرتے کرتے اونگھ آنے لگتی تو اس کا سہارا لیتے اور اپنی عبادت میں مشغول رہتے۔ اللہ نے ان کو اپنا ایسا محبوب بنایا تھا کہ سخت گرمی میں جب وہ تنہا نماز پڑھتے تو بادل کا ٹکڑا ان پر سایہ

کرلیتا۔ان کی ایک باندی تھی لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کرز کا خرچ کہاں سے چلتا ہے تو اس نے کہا کہ انہوں نے مجھ سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم کو خرچ کی ضرورت ہو تو اس روشن دان سے لے لیا کرو۔ مجھے جب ضرورت ہوتی میں اس سے لے لیتی تھی، یہ ان کی کرامت تھی کہ اللہ نے غیب سے ان کے خرچ کا انتظام کر رکھا تھا۔

فضیل بن غزوانی کہتے ہیں کہ یہ نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ ان کا پاؤں ورم کر جاتا تھا۔کھانا ان کا بقدر قلیل نہ ہونے کے برابر تھا،اس کا نتیجہ تھا کہ بدن پر گوشت باقی نہیں رہ گیا تھا، بسا اوقات کئی کئی دن بلا کچھ کھائے پئے گزار دیتے تھے۔ یاد الٰہی کا ایسا غلبہ رہتا کہ اپنے آس پاس کے لوگوں کی ان کو خبر نہ ہوتی۔

جرجان کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اہل جرجان کی قبروں کے پاس آیا ہوں، وہاں بہت سے لوگ سفید کپڑوں میں ہیں، میں نے ان سے کہا کہ کیا بات ہے آپ لوگ کس کی انتظار میں ہیں تو انہوں نے کہا کرز ابن وبرہ کے استقبال میں ہم ہیں۔انہیں کے استقبال کے لئے نئے کپڑے پہنائے گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ بعض لوگوں کو جن کو عبادات طاعات کی یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی ہے جب بزرگوں کے اس بارے میں واقعات سنتے ہیں تو ان کو تعجب ہوتا ہے پہلے تو وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور جب جہاں انکار کی گنجائش نہیں ہوتی ہے تو اسی طرح کی عبادتوں کو خلاف شریعت بتلاتے ہیں، یہ اس زمانہ کے ان لوگوں کی باتیں ہیں جن پر سلفیت کا خمار چڑھا رہتا ہے، مگر سنئے امام ذہبی کیا فرماتے ہیں۔ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں: **قلت هكذا كان زهاد السلف وعبادهم اصحاب خوف وخشوع وتعبد وقنوع زهادالسلف لايدخلون في الدنيا وشهواتها.** یعنی سلف کے زاہد و عابد لوگوں کا یہی حال رہا کرتا تھا، وہ اصحاب خوف و خشوع، عبادت گزار اور قناعت کرنے والے تھے، دنیا اور اس کی شہوتوں سے دور رہتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۴۶)

الامام قاضی ابو یوسف

آپ کا شمار اسلام کی تاریخ میں ان چند گنی شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کا شمار

ذہانت اور دانشمندی، فہم وفراست، ذکاوت وطباعی، علوم شرعیہ میں بصیرت، علم وفقہ وحدیث میں مہارت، امور جہاں بانی، وحکمرانی میں جن کی دقت نظری زبان زدعوام ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تربیت یافتہ اوران کے شاگردوں میں سب سے فائق اوران کے علوم کے امین ومحافظ تھے اوراقطار عالم میں فقہ حنفی کو متعارف کرانے میں انہیں کا سب سے بڑا حصہ ہے، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو تو فقہ حنفی کا مدون کہا جاتا ہے مگر عالمی پیمانہ پر امام ابو یوسف ہی کے ذریعہ فقہ حنفی کا تعارف ہوا۔

ہارون رشید کے زمانہ میں ان سے زیادہ رعب ودبدبہ اور خلیفہ کا معتمد کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔ ہارون رشید نے ان کو اپنی حکمرانی کے دور میں پوری مملکت رشیدیہ کا قاضی القضاۃ بنایا تھا، قاضیوں کے نصب وعزل کے یہی ذمہ دار تھے۔ آج کی اصطلاح میں یہ اس وقت کے چیف جسٹس تھے۔

امام ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے: **ھو الامام المجتھد العلامة قاضی القضاۃ یعقوب بن ابراھیم الانصاری الکوفی.**

اس سے معلوم ہوا کہ وطناً یہ کوفہ کے تھے، اور قبیلہ اور خاندان کے اعتبار سے ان کا تعلق انصار سے تھا۔ فضل وکمال کے جامع تھے، اور مرتبہ اجتہاد مطلق کو پہونچے ہوئے تھے۔

ان کی پیدائش ۱۱۳ھ میں ہوئی اور کوفہ میں رہ کر کے حدیث وفقہ کا علم حاصل کیا، بطور خصوص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ استفادہ کیا بلکہ آپ کی علمی نشوونما حضرت امام اعظم ہی کی گود میں ہوئی۔ خود فرماتے ہیں کہ **صحبت اباحنیفة سبع عشرۃ سنة** یعنی میں حضرت ابوحنیفہ کے ساتھ سترہ سال رہا۔

حضرت امام اعظم کے علاوہ بھی بہت سے فقہاء اور محدثین سے کسب فیض کیا اور فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا، ان کے اساتذہ میں سے چند نام یہ ہیں: ہشام بن عروہ، یحیٰی بن سعید الانصاری، عطاء بن السائب، یزید بن ابی زیاد، عبیداللہ بن عمر، اعمش حجاج بن ارطاۃ۔ امام ابوحنیفہ کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے امام ذہبی فرماتے ہیں **لزمه، وتفقه به وھو انبل تلامذته واعلمھم تخرج به الائمة محمدبن الحسن، ومعلی بن**

منصور وهلال الرای وابن سماعة وعدة. یعنی حضرت امام ابو یوسف حضرت امام ابوحنیفہ کے ساتھ لگے رہے، فقہ کا علم انہیں سے حاصل کیا، امام اعظم کے شاگردوں میں سب سے بلند رتبہ اور سب سے بڑے عالم یہی تھے، بہت سے ائمہ نے مثلاً امام محمد، معلیٰ بن منصور، ہلال الرای، ابن سماعہ وغیرہ نے انہیں کی شاگردی اختیار کر کے افاضل عصر ہوئے۔

بڑے بڑے محدثین نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، مثلاً یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن جعد، اسد بن الفرات، احمد بن منیع، علی بن مسلم الطوسی، عمرو بن ابی عمرو العراقی، عمرو الناقد وغیرہ ان کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

حضرت امام یوسف کے والد غریب آدمی تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گھر کے اخراجات کیلئے سو دو سو درہم کر کے ان کو دیتے تھے تا کہ وہ پڑھنا نہ چھوڑیں۔ خود امام یوسف بیان کرتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ سے علم حاصل کر رہا تھا مگر میرا گھرانہ غریب تھا، ایک دن میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ بیٹا تم اپنا پاؤں امام ابوحنیفہ کے ساتھ مت پھیلاؤ، تم فقیر لڑکے ہو، حضرت ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کا کہا مان لیا اور حضرت امام ابوحنیفہ کی مجلس میں جانا بند کر دیا۔ جب ابوحنیفہ کو میرے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے مجھ کو سو درہم دیئے اور فرمایا کہ درس کی مجلس میں آتے رہو، پھر فرمایا کہ جب یہ رقم خرچ ہو جائے تو مجھے بتا دینا، پھر چند دنوں کے بعد سو درہم دئے، اس طرح وہ سو سو درہم مجھے دیتے تھے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ کان ابوہ فقیراً لہ جالوت ضعیف فکان ابوحنیفة یتعاهد ابایوسف بالدارهم ماة بعد ماة. یعنی امام ابو یوسف کے والد غریب آدمی تھے ان کی ایک معمولی دوکان تھی، تو حضرت امام ابوحنیفہ حضرت ابو یوسف کو سو سو درہم اخراجات کیلئے دیا کرتے تھے۔

حضرت ابو یوسف کے علم و فضل اور فقہ و حدیث میں علامہ اور ثقہ ہونے کی گواہی بڑے بڑے محدثین نے دی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں حدیث لکھنے کے لئے سب سے

پہلے حضرت امام ابو یوسف کی مجلس میں حاضر ہوا اوران کی مجلس میں برابر جاتا رہا، حضرت امام ابو یوسف کا رجحان محدثین کی طرف امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے زیادہ تھا۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اصحاب فقہ میں اثبت فی الحدیث اور حدیث کا زیادہ یاد رکھنے والا اور اس کی صحیح طریقہ سے روایت کرنے والا میں نے امام ابو یوسف سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

ابن معین فرماتے تھے کہ ابو یوسف حدیث اور سنت والے تھے۔

یحییٰ برمکی کا کہنا تھا کہ فقہ تو امام ابو یوسف کا سب سے کم علم تھا اس کے باوجود انہوں نے پوری دنیا کو اپنی فقہ سے بھر دیا۔

امام احمد فرماتے تھے کہ حدیث کے بارے میں امام ابو یوسف انصاف پسند تھے۔

ہلال الرای کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر کے حافظ تھے، مغازی کے حافظ تھے، ایام عرب کے حافظ تھے، فقہ تو ان کے بہت سے علوم میں سے ایک علم تھا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی علمی مصروفیات وقاضی القضاۃ جیسے اہم عہدہ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بقول ابن سماعۃ روزانہ دوسو رکعتیں نوافل کی پڑھا کرتے تھے۔

خدا خوفی کا یہ عالم تھا کہ جب وفات کا وقت آیا تو اعلان کیا کہ کتاب وسنت کے مطابق جو میرے فتاوی رہے ہیں صرف اسی کو میرے فتاویٰ شمار کئے جائیں۔ بقیہ سے میں رجوع کرتا ہوں اور ایک روایت میں ان کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ قرآن اور اجماع امت کے مطابق جو میں نے فتویٰ دیا ہے وہی میرا فتوی ہے بقیہ سے میں رجوع کرتا ہوں۔

حضرت امام ذہبی ابو یوسف کو اپنا خراج عقیدت ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں،

قلت بلغ ابو یوسف من رئاسة العلم مالا مزید علیه، و کان الرشید یبالغ فی اجلاله. یعنی میں کہتا ہوں کہ امام ابو یوسف کو علم کی جو ریاست حاصل تھی اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ہارون رشید خلیفہ حد درجہ ان کا اکرام واحترام کرتا تھا۔

ہارون رشید کے ساتھ امام ابو یوسف کی ایک پر لطف مجلس کا لوگوں نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ ایک دفعہ ہارون رشید کے دربار میں امام ابو یوسف پہونچے تو اس کے ہاتھ میں

دوخوب صورت بڑے سائز کے موتی تھے۔ ہارون رشید ان موتیوں کو ہاتھ میں لئے ہوئے خوشی میں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ جب امام ابو یوسف اس کے قریب ہوئے تو ہارون نے ان سے پوچھا کہ تم نے ان موتیوں سے خوبصورت کوئی چیز دیکھی ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، ہارون نے تعجب سے پوچھا وہ کیا چیز ہے، تو امام ابو یوسف نے جواب دیا وہ برتن (یعنی ہارون رشید کا ہاتھ) جس میں یہ دونوں موتی ہیں، ہارون رشید ان کے اس جواب سے اتنا خوش ہوا کہ ان دونوں موتیوں کو ان کے قدموں میں ڈال دیا کہ اب یہ تمہارے ہیں ان کا جو چاہے کرو۔

اس جواب سے امام ابو یوسف کی ذہانت، حاضر جوابی اور بادشاہ سے غایت درجہ محبت وتعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کا انتقال پانچ ربیع الاول بروز جمعرات ۱۸۲ھ میں ہوا، آپ کی کل عمر انہتر (۶۹) سال تھی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴۶۹/۷)

الامام الربانی منصور بن زاذان

امام ربانی شہر واسط کے شیخ علم وعمل میں ممتاز ابوالمغیرہ ثقفی منصوف بن زاذان کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک، حسن بصری، محمد بن سیرین، عمرو بن دینار، حکم بن عتیبہ جیسے افاضل عصر سے حدیث روایت کی ہے۔

امام شعبہ جریر بن حازم ابوعوانہ ہشیم ان کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ منصور بہت سریع التلاوۃ تھے، سست رفتاری سے قرآن پڑھنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ چاشت کی نماز میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے، اللہ نے قرآن پاک کی تلاوت کا عجیب وغریب ملکہ اور اس پر قدرت دی تھی کہ آج ہم ان کو سنتے ہیں تو ہم کو ان کا قصہ افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس قصہ کو بیان کرنے والے اکابر محدثین ہیں جن کی راست گوئی اور صدق کلام میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، ان کے قرآن پڑھنے اور اس کے ختم کرنے کا قصہ یزید بن ہارون جیسا محدث بیان کرتا ہے، یزید بن ہارون فرماتے ہیں: **كان منصور بن زاذان يقرأ القرآن كله في صلاة الضحىٰ و كان يختم**

القرآن من الاولی الی العصر ویختم مرتین و یصلی اللیل کله. یعنی منصور بن زاذان چاشت کی نماز میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، پھر ظہر سے عصر تک ایک قرآن ختم کرتے تھے، ایک دن میں دوبار میں قرآن ختم کرتے تھے، اور پوری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔

اور ہشام بن حسان فرماتے ہیں کہ مغرب اور عشاء کے درمیان دو مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے اور تیسرا دور شروع کرتے تو طس والی سورتوں تک پہونچتے، اور اپنا عمامہ آنسو سے تر کر دیتے۔

ہشام فرماتے ہیں کہ اگر منصور سے کہا جاتا کہ فرشتہ دروازہ پر ہے تو ان کے عمل میں کچھ زیادتی نہ ہوتی، چونکہ ان کا تمام وقت عمل خیر ہی میں گزرتا اس وجہ سے مزید کچھ کرنے کا موقع بھی باقی نہیں رہتا، نیز فرماتے ہیں کہ وہ طلوع شمس سے لیکر عصر تک نماز میں مشغول رہتے اور عصر بعد سے مغرب تک تسبیح وتہلیل میں وقت گزارتے۔

منصور کا کہنا تھا کہ رنج وغم سے حسنات میں اضافہ ہوتا ہے اور کبر سے گناہوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ ان کا انتقال ۱۳۰ھ میں شہر ارسط میں ہوئی۔

جنازہ میں ہر طبقہ ومذہب کے لوگوں کا اژدحام تھا، رافضی کی جماعت الگ تھی، مجوسیوں کی جماعت الگ تھی، یہودیوں کی جماعت الگ تھی۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: قبرہ بواسط ظاهرا یزار. یعنی ان کی قبر شہر واسط میں ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء:۱۵۸/۶)

☆☆☆☆☆

محمد ابوبکر غازی پوری

جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ میں حاضری کی سعادت

جامعہ مسعودیہ نورالعلوم شہر بہرائچ کی مشہور عربی دینی درسگاہ ہے، اس کی بناء حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی، حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب والد محترم حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی موجودہ مہتمم جامعہ مسعودیہ حضرت مولانا نامیؒ کے پروردہ بھی تھے اوران کے دست وباز و بھی تھے، ان بزرگوں کی مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے بہت جلد یہ چھوٹا سا پودا شجر طوبیٰ کی شکل اختیار کرگیا، اور جب اس کا اہتمام وانتظام حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب کے باصلاحیت صاحبزادہ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء صوبی یوپی کے سپرد ہوا تو حضرت مولانا قاسمی دامت برکاتہم کی محنت ولگن اور خلوص کی برکت سے یہ جامعہ صوبہ یوپی کی مشہور عربی درسگاہوں کا ہم پلہ بن گیا ہے، آج یہ جامعہ علوم دینیہ کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔

حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی میرے بڑے محب اور کرم فرما ہیں، پچھلے کئی سالوں سے مولانا مجھے جامعہ عربیہ مسعودیہ نورالعلوم آنے کی دعوت دے رہے تھے مگر مجھے حاضری کا موقع نہیں مل پارہا تھا، اس سال آج سے کئی ماہ قبل ایک روز ان کا فون آیا کہ دسمبر کی ۲۴، ۲۵، ۲۶ تاریخ کو جامعہ کا ۸۲/رواں سالانہ جلسہ دستار بندی ہے، ابھی سے تاریخ نوٹ کرلو اوران دنوں کو خالی رکھو، اس جلسہ میں تینوں روز تمہیں شریک ہونا ہے، یہ بھی فرمایا کہ میں نے ابھی تک جلسہ کے سلسلہ میں کسی مقرر کو فون نہیں کیا ہے، سب سے پہلے تم کو اطلاع کررہا ہوں، اب کی دفعہ تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا، تمہیں بہرحال حاضر ہونا ہے۔

جو دعوت اتنے خلوص، اتنی محبت اور اتنی برادرانہ تاکید کے ساتھ دی جائے اسکے
رد کرنے کا اب سوال ہی نہیں ہوتا تھا، میں نے حاضری کا وعدہ کرلیا، جب وقت قریب ہوتا
گیا تو بار بار حضرت مولانا فون کر کر کے وعدہ یاد دلاتے رہے، اور پھر ۲۴ اور ۲۵ ر دسمبر دو دن
کا حتمی وعدہ ہو گیا، مولانا نے فرمایا کہ جس گاڑی سے بھی آنا ہو فیض آباد اترو، جامعہ کے
آدمی یہاں ہوں گے اور بہرائچ لے کر تمہیں آئیں گے، میں فاضل دار العلوم دیوبند مولانا
انس حبیب جو عموماً میرے رفیق سفر ہوتے ہیں اور حضرت مولانا حیات اللہ صاحب ان سے
مانوس بھی ہیں، ان کو اطلاع کی اور ان سے ساتھ چلنے کو کہا وہ تیار ہو گئے، اور ہم دونوں سدھ
بھاؤنا اکسپریس جو غازیپور ہو کر کے فیض آباد، دہلی جاتی ہے، اس سے فیض آباد کا ۲۴ ر دسمبر
کو دس بجے صبح غازی پور سے سفر کا آغاز کیا، گاڑی اسی روز مغرب کے قریب پہونچی، اسٹیشن
پر مولانا علیم الدین صاحب فیض آباد گاڑی لیکر پہونچے ہوئے تھے، اور دوسرے ایک اور
پیکر اخلاص حضرت مولانا قاسمی دامت برکاتہم کے شاگرد جو فیض آباد ہی میں رہتے ہیں اور
وہ بھی دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں جن کا نام مفتی بادشاہ صاحب ہے وہ بھی اسٹیشن پر
موجود تھے، ہم نے پہلے اسٹیشن کے بالکل قریب کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی، پھر مولانا
بادشاہ کے گھر پہونچے یہاں انہوں نے چائے پلائی اور عمدہ ناشتہ کرایا، اور پھر فوراً ہی ہم
لوگ بہرائچ کیلئے ایودھیا کے راستہ بابری مسجد کے قریب سے گزرتے ہوئے اور ہنومان
گڑھی سے نکلتے ہوئے اور سرجو جمنا کو پل کے ذریعہ پار کرتے ہوئے بہرائچ کے لئے
روانہ ہو گئے، حضرت مولانا حیات اللہ صاحب نے جس نوجوان صالح کو ہمیں لینے کے لئے
بھیجا تھا، اس نے راستہ بھر خدمت کی، میں اس کے جذبہ خدمت سے بہت متاثر رہا، بہرائچ
پہونچ کر بھی وہ برابر ہماری دیکھ بھال میں لگا رہا، مفتی بادشاہ کی دلچسپ اور بابری مسجد کے
بارے میں معلومات سے بھری گفتگو سے تقریباً ایک سو پچیس کلومیٹر کی دوری کا سفر بہت آسانی
سے ختم ہوا، فیض آباد سے بہرائچ تک کی سڑک بھی ماشاء اللہ بہت خوب ہے، گاڑی دوڑتی ہے
کہیں بھی اٹھا پٹک نہیں، فیض آباد سے بہرائچ تک کا سفر پونے دو گھنٹے میں ہم نے طے کرلیا۔
جامعہ مسعودیہ پہونچے تو رات کا تقریباً دس بج رہا تھا، اور جلسہ جاری تھا، حضرت

مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کی تقریر ہو رہی تھی، چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا قاسمی نے فرمایا کہ اب تم آرام کرو، ساڑھے دس بجے جلسہ ختم ہوگا تمہاری تقریر کل ہوگی، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں حضرت مفتی صاحب کی تقریر میں تھوڑی دیر کے لئے سہی حاضر ہونا چاہتا ہوں، مولانا اس سے بہت خوش ہوئے اور میں جلسہ گاہ پہونچ گیا، حضرت مفتی صاحب نے دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا اچھا مولانا غازی پوری بھی آگئے، میرے حاضر ہوجانے سے حضرت کو بھی جیسا کہ چہرہ بتلا رہا تھا کہ بہت خوشی ہوئی اور پھر تقریر ہی میں میری طرف کبھی کبھی مخاطب ہوتے تھے، مجمع بھی حیران تھا کہ یہ کون شخص آگیا ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنی خاص توجہ سے اسے نواز رہے ہیں، ایک دفعہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا، ارے آپ سو رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ میں آنکھ بند کر کے بہت توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا ہوں، پھر فرمایا کہ اگر کوئی غلط بات کہوں تو ٹوک دینا، حضرت والا مفتی صاحب مجمع کے سامنے میری قیمت اور اہمیت بڑھا رہے تھے، ورنہ حضرت والا کی تقریر تو اتنی مرصع، اتنی مرتب اور معلوماتی اور لطائف وظرائف سے بھری تھی کہ طبیعت کو سیری نہیں ہوئی اور وقت ختم ہوگیا اور آج کی اس تاریخ کا پہلا پروگرام حضرت مفتی صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کی پرسوز دعا پر ختم ہوا اور پھر اسٹیج ہی پر حضرت مفتی صاحب سے سلام ودعا مصافحہ اور معانقہ ہوا، پھر حضرت مفتی صاحب اپنی قیام گاہ پر گئے اور میں اپنی قیام گاہ پر پہونچا۔

حضرت مولانا حیات اللہ صاحب اللہ ان کو جزائے خیر دے، میری معذوریوں کا خیال کرتے ہوئے میرا انتظام نچلی منزل میں کیا تھا، اور بالکل قریب ہی میں بیت الخلاء وغیرہ بھی تھا، کمرہ میں ہیٹر بھی جل رہا تھا اور آرام وراحت کا انہوں نے سارا انتظام کر رکھا تھا، اور پھر رات کا کھانا بھی ساتھ ہی میں کھایا، کھانے کا دسترخوان کیا تھا شیرازی دعوت کا نمونہ تھا، خیال اس قدر ان کو میرا رہا کہ دسترخوان پر ٹھنڈے پانی کا انتظام بھی انہوں نے کر رکھا تھا، انہیں معلوم تھا کہ سردی کے زمانہ میں بھی میں ٹھنڈا پانی پیتا ہوں، اور صبح چار بجے فجر سے گھنٹہ دو گھنٹہ قبل میں نہاتا ہوں، انہوں نے گرم پانی کا انتظام بھی اس وقت کیلئے کر رکھا تھا۔

بہرائچ کی ایک بڑی تاجر شخصیت اور حضرت مولانا حیات اللہ صاحب کے دست و باز واور نہایت ہی کریم النفس، بے لوث، انتہائی درجہ متواضع اور مخلص شخصیت جن کو ہم بھائی قمر احمد کہہ کر کر کے پکارتے تھے، قمر احمد صاحب کی تھی، رات رات بھر جاگ کر کے مہمانوں کی خدمت کرتے ہوئے ان کو دیکھتا تھا، اور پھر دن میں اسی طرح سے چاق و چوبند ،دن میں کئی بار وہ میرے کمرہ میں آتے، میں نے ان سے کہا کہ حضرت ہر طرح کا آرام ہے، آپ بالکل بےفکر رہیں، تو کہنے لگے کہ میں صرف آپ کو دیکھنے آتا ہوں۔

رات کو پانی وہی گرم کر کے لاتے، میں نہا کر فارغ ہوتا تو چائے بھی وائے کے ساتھ حاضر، دوسرے روز مجھے ۲/ بجے شب میں نکلنا تھا، ۲/ بجے شب میں گرم پانی لیکر حاضر کہ آپ نہالیں، ناشتہ بھی مکمل چائے کے ساتھ، میں ان کو دیکھ کر رشک کرتا تھا کہ یہ حضرت سیدھے جنت میں جانے والے لوگوں میں سے ہیں، یہ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی کی شخصیت کا جادو ہے، جوانہوں نے ایسے مخلصوں کو اپنے سے قریب کرلیا ہے، خود حضرت مولانا کو میں نے دیکھا کہ یوں تو حضرت مولانا بڑے نازک اور نفیس طبیعت کے مالک ہیں مگر آرام وراحت کو تجے ہوئے تمام مہمانوں کی دیکھ بھال میں دن رات مصروف ہیں، طلبہ بھی ماشاء اللہ مہمانوں کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہوئے ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اس سے اندازہ ہوا کہ جامعہ مسعودیہ نور العلوم نہ صرف ایک مثالی عربی درسگاہ ہے بلکہ ایک بہترین اور مثالی تربیت گاہ بھی ہے، بڑا استاذ ہو یا چھوٹا کسی کو کسی قسم کی خدمت سے عار نہیں، اور یہی وجہ تھی کہ ہزاروں ہزار کا مجمع مگر کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں، رہنے سہنے، کھانے پینے کا بہت معقول انتظام، یہ سب خدام مدرسہ، اساتذہ، طلبہ اور حضرت مولانا قاسمی اوران کے دست و باز ورفقاء کی محنتوں کی وجہ سے تھا۔

دوسرے روز بعد نماز ظہر میری ایک تقریر رد غیر مقلدیت پر علماء میں ہوئی، بظاہر علماء میں تقریر کا عنوان تھا مگر بہت سے طلبہ اور عوام بھی اس میں شریک تھے، میں دوران تقریر مجمع کے چہرہ کو پڑھ رہا تھا، وہ تقریر سے متاثر بھی تھا اور غیر مقلدیت کے سلسلہ کی اسے جونئی بات معلوم ہو رہی تھی اس پر اس کو تعجب بھی ہو رہا تھا کہ قرآن وحدیث کا نام لینے والی

اس زمین پر ایسی مخلوق بھی ہے، جلسہ کے بعد جامعہ کے ناظم تعلیم حضرت مولانا زبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ مولانا جتنی بات آپ نے بتلادی ہے اگر صرف اتنی ہی بات ہمیں یاد ہوجائے تو ہم ان غیر مقلدین کا پیچھا کرلیں اور بھاگنے نہ دیں، میرے ایک خاص عزیز محمد حارث سلمہ جو میرے محترم مولانا عبدالعلی فاروقی کے نہایت ذی استعداد صاحبزادہ ہیں، وہ بھی اس تقریر کا بار بار تذکرہ کررہے تھے، عزیزم محمد حارث سلمہ اس جامعہ میں مدرس بھی ہیں، اور نور العلوم پرچہ جو اس جامعہ سے نکلتا ہے اس کے مدیر بھی ہیں۔

۲۵ دسمبر کی شب کو مقررین زیادہ تھے، حضرت قاری عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کی بھی اس شب تقریر ہوئی تھی اور جلسہ اپنے مقررہ وقت ہی پر یعنی ساڑھے دس بجے ہی ختم ہوتا تھا، اس وجہ سے حضرت قاری صاحب کے علاوہ سب کو آدھ آدھ گھنٹے تقریر کا وقت دیا گیا تھا، اپنے موضوع پر میں نے مختصری آدھ گھنٹہ کی تقریر کی اور قیام گاہ واپس آگیا۔

صبح ہمارے استاذ محترم مولانا زین العابدین صاحب مئو سے چل کر اس اجلاس میں شرکت کیلئے فیض آباد آرہے تھے، ان کی گاڑی فجر سے قبل پہونچنے والی تھی اور اسی روز میری بھی واپسی تھی، میں نے حضرت مولانا حیات اللہ صاحب سے عرض کیا کہ دو دو گاڑی بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں، حضرت مولانا زین العابدین صاحب مدظلہ کو جو دو بجے شب میں گاڑی لینے جانے والی ہے اس سے چلا جاؤں گا، میں بھی مولانا کا استقبال کرلونگا، چنانچہ میں، مولانا انس حبیب اور مدرسہ کا ایک طالب علم اور مفتی بادشاہ صاحب، ہم چاروں رات کو اسی وقت نکل گئے، تھوڑی دیر کیلئے جامعہ فرقانیہ گونڈہ رکے، پیشاب وغیرہ کے تقاضے سے فارغ ہوئے پھر فوراً چل کر فیض آباد سیدھے اسٹیشن پہونچے، حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی گاڑی آچکی تھی، انہیں لیکر مفتی بادشاہ کے گھر آئے، انہیں کی مسجد میں فجر کی نماز ادا کی گئی، اور پھر چائے اور ناشتہ سے فارغ ہوکر حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم اپنے صاحبزادہ سلمہٗ کے ساتھ بہرائچ روانہ ہوگئے، اور ہم لوگ آٹھ بجے تک مفتی بادشاہ کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے رہے، یہ بادشاہ صاحب حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم وخلیفہ حضرت مولانا [illegible] صاحب کے صاحبزادہ نکلے،

تب راز کھلا کہ سخاوت وفیاضی، خدمت گزاری وخاکساری کا یہ جوہر ان میں کہاں سے پیدا ہوا ہے، سوا نو بجے دن میں چل کر بعد ظہر تقریباً تین بجے اپنے اپنے گھر پہونچ گئے۔

والحمدللہ علی ذالك.

جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم دیکھ کر دل باغ باغ ہوا، یہ جامعہ اپنی ظاہری وتعمیری شان وشوکت کے اعتبار سے بہت زیادہ قابل ذکر نہیں ہے مگر یہاں تعلیم وتربیت کا جو ماحول ہے، اساتذہ وطلبہ میں جو فروتنی ہے، یہ بات بہت کم کسی مدرسہ میں نظر آتی ہے، اس شہر میں سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ کا مزار بھی ہے، سالار مسعود غازی نہ صرف ایک غازی اور مجاھد تھے بلکہ ایک بڑے ولی کامل اور اللہ والے بھی تھے، انہیں کے نام پر اس جامعہ کا نام جامعہ مسعودیہ رکھا گیا ہے، ان کی روحانی برکات کا جامعہ مسعودیہ میں کھلا ظہور ہے، جامعہ کے نام کے ساتھ نوریہ کا ضمیمہ حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامی کے والد محترم مولانا نور محمدؒ کے نام کی وجہ سے ہے، جو ایک بزرگ اور بڑے عالم تھے، اور اب جامعہ مسعودیہ نور العلوم اپنی ان ظاہری ومعنوی ترقیات کے ساتھ جو کچھ ہے وہ سب حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی رکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند وصدر جمعیۃ علماء صوبہ یوپی اور ان کے رفقاء کار کے اخلاص، محنت وسعی پیہم اور جہد مسلسل اور شہر بہرائچ کے ہمدرد واہل خیر حضرات کی توجہات کا مظہر ہے۔

بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ اس مدرسہ سے اہل خیر حضرات کا تعاون بہترین صدقہ جاریہ ہوگا، ایسے بہت کم مدرسے ہوتے ہیں جن کا تعلیمی وتربیتی معیار جامعہ مسعودیہ جیسا ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس جامعہ کو مزید ظاہری وباطنی ترقی عطا فرمائے، اور اس جامعہ سے وابستہ ہر شخص کی مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے۔ شکر اللہ مساعیھم

ایں دعا از من واز جہاں آمین باد

☆☆☆☆☆

طٰہٰ شیرازی

خمار سلفیت

مفتیان سلفیت کی پریشانی......نہ اگلا جائے اور نہ نگلا جائے

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! شیخ جہانگیر حفظہ اللہ جن کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کو کوئی جن اٹھا لے گیا ہے، اور جو پانچ سال سے غائب تھے، وہ پانچ سال کے بعد گذشتہ رات اپنے گھر واپس آ گئے۔

باپ: بیٹا تم نے دل خوش کرنے والی خبر سنائی ہے، کیا تم ان سے ملنے گئے تھے، وہ تمہاری امی جان کے دور کے رشتہ کے ماموں ہوتے ہیں۔

بیٹا: جی ابا جی! میں ان کو دیکھنے گیا تھا، ان کے گھر ایک بڑا مجمع تھا اور بڑا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

باپ: ہنگامہ مچا ہوا تھا! ہنگامہ کیوں مچا ہوا تھا؟

بیٹا: ابا جی! شاید آپ بھول گئے، ان کی بیوی جوان تھی، حاجی لطف اللہ حفظہ اللہ نے جب چار سال گزر گیا تو اس کو سمجھا بجھا کر اس کا نکاح اپنے لڑکے پپو سے کر دیا تھا اور اس کو بتلایا کہ سنت یہی ہے کہ جب چار سال تک بیوی والا کوئی آدمی غائب رہے تو بیوی اب مزید انتظار نہ کرے، دوسرا نکاح کر لے، بیوی تو انکار کر رہی تھی، بہت رو بھی رہی تھی، مگر حاجی لطف اللہ نے فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابیں دکھلا کر اس کو اپنے بیٹے سے نکاح پر راضی کر لیا۔

باپ: بیٹا، حاجی لطف اللہ تو کسی سے ایسی ہمدردی کرنے والے نہیں تھے، میں ان کو خوب جانتا ہوں، کیا شیخ جہانگیر کی بیوی جوان تھی؟

بیٹا: ابا جی، جوان بھی تھی اور خوب صورت بھی تھی اور ابھی اس کو کوئی لڑکا بھی نہیں تھا۔

باپ: بیٹا، ہنگامہ کس بات پر تھا؟

بیٹا: ابا جی، شیخ جہانگیر کہہ رہے تھے کہ میں نے اپنی بیوی کو نہ طلاق دیا ہے، اور نہ میں مرا ہوں، وہ بیوی میری ہے، حاجی لطف اللہ کا لڑکا اور اس کے ساتھ حرام کاری کر رہا ہے، اس کا نکاح درست نہیں ہے، میری بیوی مجھے واپس ملنی چاہئے، اور حاجی لطف اللہ اور ان کا لڑکا پپو کہہ رہے ہیں کہ یہ نکاح شرعی ہے، چاہے تم نے طلاق دیا ہو یا نہ دیا ہو، اب تمہاری بیوی پپو کی بیوی ہے، تمہارے نکاح سے نکل چکی ہے، اس پر ہنگامہ تھا۔

باپ: تو ان دونوں کو ہمارے مفتی صاحب علامہ جگمگاہٹ خاں حفظہ اللہ کے پاس فیصلہ کے لئے جانا چاہئے تھا۔

بیٹا: ابا جی شیخ جہانگیر، اور حاجی لطف اللہ اور ان کا لڑکا پپو اور ایک بڑا مجمع علامہ جگمگاہٹ حفظہ اللہ کے یہاں ایک مرتبہ نہیں، صبح سے کئی دفعہ جا چکے ہیں، مگر علامہ کو جب سے اس قضیہ کا علم ہوا ہے تو مجمع کو دور ہی سے دیکھ کر لوٹا لیکر قضائے حاجت کو چلے جاتے ہیں، اور بیت الخلا کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد بھی نہیں کھلتا، علامہ کو جب محسوس ہوتا ہے کہ مجمع چلا گیا تب وہ بیت الخلا سے نکلتے ہیں۔

باپ: تو اس کا حل کیا ہوگا، معاملہ تو بڑا برا پھنسا ہے۔؟

بیٹا: ابا جی! جب ہنگامہ کی اطلاع پولس کو ہوئی تو .S.P صاحب نے اگر فیصلہ کر دیا ہے اور دھمکایا بھی ہے کہ اگر اب بھی ہنگامہ ہوا تو تم تینوں کو اندر کر دوں گا۔

باپ: بیٹا، .S.P صاحب نے کیا فیصلہ کیا؟

بیٹا: ابا جی، انہون نے مجمع کے سامنے یہ فیصلہ کیا کہ شیخ جہانگیر کی بیوی عرف زیتون النساء چونکہ بلا طلاق اور بلا پہلے شوہر کی موت واقع ہونے کے حاجی لطف اللہ کے بیٹے پپو کے نکاح میں گئی ہے اس لئے زیتون النساء شیخ جہانگیر کی بیوی ہی حسب سابق رہے گی، اور چونکہ زیتون النساء اس وقت حاجی لطف اللہ کے

لڑکے پپو کے قبضہ میں ہے اور اس کے نان ونفقہ کا خرچ پپو ہی اٹھاتا ہے، اس لئے ازروئے قبضہ زیتون النساء اس کی بھی بیوی رہے گی، اور وہ ایک دن شیخ جہانگیر کے پاس رہے گی اور ایک دن حاجی لطف اللہ کے لڑکے پپو کے پاس رہے گی، اور اس فیصلہ پر اس وقت تک دونوں فریق کو عمل کرنا ہوگا، جب تک علامہ جگمگاہٹ کا معدہ قضائے حاجت سے رکتا نہیں، ان کی حاجت قضا ہوجانے کے بعد ازروئے اپنے مذہب کے وہ جو فیصلہ کریں گے، اس فیصلہ کو دونوں فریق کو قبول کرنا ہوگا۔

باپ: بیٹا! S.P. صاحب کا یہ فیصلہ تو بڑا منصفانہ ہے، نہ اس کا حق مارا، نہ اس کا حق مارا، برابر کا فیصلہ کیا ہے۔

بیٹا: اباجی، مگر S.P. صاحب کا یہ فیصلہ تو علامہ جگمگاہٹ کی حاجت قضا ہونے تک کے لئے ہے، علامہ جگمگاہٹ ازروئے کتاب وسنت اس کا فیصلہ کرسکیں گے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا۔

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا

جلد ۱۴

دوماہی دینی وعلمی مجلّہ

شمارہ ۳

جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے

پاکستان کے لئے .... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر Punjab National Baink 0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے

●●●●● پتہ ●●●●●

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور۔یوپی

Pin. 233001 .... Mob.9453497685

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم دیو بند کے قضیہ کولیکر جو تشویش تھی الحمد للہ وہ دور ہوگئی مجلس شوریٰ نے بڑا دانشمندانہ فیصلہ کیا، اگر وہ کسی کے دباؤ میں آ کر مولانا استانوی کو اسی مجلس میں برخواست کرتی تو کچھ اچھا نہ ہوتا، مولانا استانوی انشاء اللہ۔ خود دارالعلوم کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ماہ بعد جیسا کہ مجلس شوریٰ کی تجویز شدہ تحریر سے پتہ چلتا ہے مستعفی ہو جائیں گے، الحمد للہ ان کے کام کا میدان بہت وسیع ہے، اکل کنواں رہ کر وہ جو کام کریں گے اس میں ان کو سکون رہے گا، جن لوگوں کو مولانا استانوی کے کاموں کی حقیقت کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس بندۂ خدا نے تنہا ایک جماعت بلکہ کئی جماعتوں کا کام کیا ہے۔ لوگوں کا ان پر اعتماد ہے، اور وہ اس کے ساتھ ان کے شاندار کارناموں کو دیکھ کر ہر طرح کا مالی تعاون کرتے ہیں، اگر وہ دارالعلوم کے عہدہ اہتمام پر رہتے تو مہاراشٹر اور گجرات میں وہ جو علمی و دینی ودعوتی قومی وملی کام انجام دے رہے ہیں، وہ متاثر ہوتا، دارالعلوم کا نظام خود اتنا بڑا ہے کہ اس کے لئے بالکل فارغ آدمی چاہئے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ مولانا غلام محمد استانوی دارالعلوم کے مہتمم بنادئے گئے ہیں تو مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی، میں نے ان کے کاموں کو دیکھا ہے۔ میں ان کی صلاحیتوں سے واقف ہوں، میری دلی خواہش تھی کہ مولانا جہاں ہیں وہیں پر رہ کر کام کریں ایک جگہ رہ کر دلجمعی سے جو کام کیا جاتا ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

البتہ اس کا بہت افسوس ہے کہ مولانا غلام محمد کو جس طرح اپنے ہی لوگوں نے نشانہ بنایا اور ان کی چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنا کر ان کے خلاف باقاعدہ محاذ آرائی کی وہ بالکل نامناسب بات تھی اگر ان کی زبان سے مودی کی تعریف میں چند کلمات نکل گئے تھے، تو ان کی وضاحت کے بعد ان کے خلاف بیان بازی کا سلسلہ رک جانا چاہئے تھا۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا، ادھر مولانا غلام محمد اپنی سادہ لوحی میں میڈیا والوں اور مسلم

دشمن جماعتوں کا شکار ہو گئے۔ اور جو مسلمان ان کے ساتھ تھے تو وہ شاہد صدیقی جیسے لوگ تھے، جن کا مسلمان ہونا سب پر ظاہر ہے، یہ مولویوں سے چڑھے ہوئے لوگ ہیں، قوم کا نام لے کر قوم کو گمراہ کرنا ان کا مذہب ہے، الحاد و بے دینی کے یہ شکار لوگ نہ دارالعلوم کے لئے مخلص ہیں نہ مسلم قوم کے مخلص، یہ اغراض کے بندے ہیں، نہ ان کو دین کی خبر اور نہ دینی تعلیم کیا ہے اس کا ان کو پتہ، مگر یہ لوگ ہر پھٹے میں اپنی ٹانگ اڑانا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں، دہلی میں مجلس شوریٰ کے انعقاد سے دو روز قبل دہلی کی غالب اکیڈمی میں شاہد صدیقی نے جو تقریر کی تھی، وہ اس کی بد دماغی اور اس کی مولوی دشمنی کا صاف پتہ دے رہی تھی، انہی جیسے لوگوں نے مولانا غلام محمد استانوی کو نقصان پہونچایا اور بدنام کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے نئے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ ماشاء اللہ اس وقت ہر اعتبار سے دارالعلوم کے منصب اہتمام کے لئے موزون ترین شخص ہیں، اللہ نے علم و فضل، دیانت و امانت سمجھ بوجھ اور حلم و تحمل زہد و تقویٰ کی دولت سے ان کو نوازا ہے۔ اپنی مرنجاں مرنج طبیعت کی وجہ سے وہ خاص و عام میں مقبول ہیں اور چونکہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے عرصہ دراز سے مؤثر ممبر ہیں، اور اپنی طالب علمی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ انہوں نے دارالعلوم میں گذارا ہے۔ اس لئے دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کے مزاج سے واقف ہیں، ان کے ذریعہ انشاء اللہ دارالعلوم کے مسلک و منہج کی پوری حفاظت ہوگی۔ اور چونکہ ان کا تعلق شروع ہی سے مدرسہ اور تعلیم و تعلم سے رہا ہے۔ اس لئے وہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کا بہترین معیار قائم کریں گے اور ان کے مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے منصب اہتمام کی ذمہ داریوں کو انجام دیں گے۔ چونکہ مفتی ابوالقاسم صاحب میرے بڑے عزیز دوست ہیں اور ان سے میرا تعلق عزیزانہ اور برادرانہ ہے اس وجہ سے ان سے یہ کہنے میں مجھے کوئی تکلف نہیں کہ دارالعلوم میں اکابر اساتذہ موجود ہیں جو کہنہ تجربہ والے ہیں اور وہ دارالعلوم کے نظم و انتظام کی ذمہ داریوں کو نباہ چکے ہیں اس وجہ سے آپ کو ان

کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے اور ضرورت کے موقع پر ان سے مشورہ لیتے رہنا چاہئے۔

ادارہ زمزم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے پر اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کو مبارکباد دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لمحہ ان کا حامی وناصر ہو، اور ان کو حاسدوں کے حسد اور شر براہ کے شر سے محفوظ ومامون رکھے، اور دارالعلوم ان کے عہد اہتمام میں اپنی سابقہ روایات کے مطابق ہر آن ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے طلبہ اور اساتذۂ دارالعلوم نے ان کے منصب اہتمام پر فائز ہونے کی خبر سے خوشی محسوس کی اور ان کا والہانہ اور پرجوش زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا، یہ بات ان کے لئے تفاؤل نیک ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

نبوی ہدایات

محمد ابوبکر غازیپوری

(۱)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے نکاح کرنے میں لوگ چار چیزیں دیکھتے ہیں۔ (۱) مال (۲) اس کی نسبی شرافت (۳) اس کی خوبصورتی (۴) اس کی دینداری۔ پس تم دیندار عورت کو اختیار کرو۔ مشکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں بتلایا کہ عورتوں سے نکاح کرنے میں لوگ چار چیزوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ بعض تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے گھر والوں کے پاس مال کتنا ہے ہمیں جہیز کتنا ملے گا، چار چکے والی اور دو چکے والی، ٹی وی، فرج، صوفہ سیٹ وغیرہ سامان ملے گا کہ نہیں، اگر ان قیمتی سامانوں کے ملنے کی ان کو توقع ہوتی ہے تو وہ اس عورت سے نکاح کرنے کو محض اس کی مالداری کی وجہ سے خواہشمند ہوتے ہیں۔

اور شادی کرنے والوں کی ایک قسم یہ دیکھتی ہے کہ لڑکی کا گھرانہ اونچا ہے یا نہیں، اس کا خاندان شریف ہے یا رذیل، لڑکی کیسی بھی نیک صالح دیندار اور نماز روزہ کی پابند ہو اگر اس کا تعلق اونچے خاندان سے نہیں ہے تو اس سے لوگ نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتے۔

اور کچھ لوگ لڑکی کی صرف خوبصورتی دیکھتے ہیں، ہنری ہے یا بے ہنری، اونچے گھرانہ کی ہے یا اس کا گھرانہ اخلاقی اعتبار سے پامال ہے، ان کو لڑکی کی مالداری یا غیر ہی سے مطلب نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف لڑکی کا ظاہری حسن دیکھ کر اس کو بیوی بنانا چاہتے ہیں۔

اور اللہ کے بندوں کی چوتھی قسم وہ ہے جو کسی عورت کو بیوی بنانے کیلئے یہ

دیکھتی ہے کہ لڑکی کا گھرانہ دیندار ہے کہ نہیں، لڑکی خود صالح اور نیک اطوار ہے کہ نہیں، نکاح کیلئے ان کا معیار صرف دین اور دینداری ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں قسموں میں سے نکاح کیلئے دیندار لڑکی کو اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے کہ اصل چیز دین ہی ہے بقیہ چیزوں کی اللہ کے یہاں کوئی اہمیت اور قیمت نہیں۔

افسوس آج کل ہم لوگوں نے شادی بیاہ کے سلسلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو جس طرح نظر انداز کر دیا ہے اسے بتلانے کی ضرورت نہیں، جس کا مسلم معاشرہ پر ایسا خراب اثر پڑا ہے کہ ہماری شادیاں ہندو گھرانوں کی بالکل مثال بن گئی ہیں، وہی رسم ورواج، وہی لین دین، وہی فضول خرچیاں، وہی دکھاوا جو ہندو گھرانوں کا امتیاز تھا اب ان کو ہماری شادیوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو تم لوگ جوتے اتار دیا کرو اس میں تمہارے قدموں کیلئے زیادہ راحت ہے۔

قربان جایئے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک کہاں کہاں پہونچتی تھی۔ جوتے اتار کر کھانا کھانے میں جو راحت، آرام اور سکون ہے وہ جوتے پہن کر ہرگز نہیں، اس میں کھانے کا اکرام اور اللہ کی نعمت کی قدردانی بھی۔ ہے اور تواضع اور فروتنی کا اظہار بھی ہے، مگر آج کل میز کرسی پر کھانا اور پاؤں میں جوتے پہن کر کھانا کھانا ہمارا فیشن بن گیا ہے، اور اب تو پلیٹ ہاتھ میں لے کر چلتے پھرتے کھڑے ہو کر جانوروں کی طرح کھانا کھانا جدید طبقوں کا فیشن بن گیا ہے، ہم غیروں کے نقال ہیں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور سنتوں سے ہم بیزار ہیں۔

(۳)...... حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی برتن میں کھایا پھر اس برتن کو چاٹ کر صاف کر لیا تو برتن

کھانے والے کو دعا دیتا ہے کہ اللہ تجھ کو جہنم کی آگ سے آزاد کردے جیسا تو نے مجھ کو شیطان سے آزاد کیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کھانا کھا کر کھانے کے برتن کو انگلیوں سے یا زبان سے چاٹ لینا چاہئے تاکہ کھانے کا کوئی حصہ شیطان کا حصہ نہ بنے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس برتن میں کھانا رہ جاتا ہے اسکو شیطان کھاتا ہے۔

بعض لوگ اس کو بڑی بات سمجھتے ہیں کہ کھانے کے برتن کو صاف نہ کریں، وہ برتن صاف کرنے اور اس کو چاٹنے کو حرص اور طمع خیال کرتے ہیں، برتن صاف نہ کرنا اور اس کو نہ چاٹنا یہ متکبرانہ عمل ہے، اور اللہ کی نعمت کی قدر اور انسان کا تواضع یہ ہے کہ وہ اللہ کا عطا کردہ ایک ایک دانہ کو اپنے لئے سمجھے اور اس کو ضائع نہ ہونے دے۔

(۴)...... حضرت مقدام بن معد یکرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی کا مہمان بنے مگر اس آدمی نے اپنے مہمان کی ضیافت نہیں کی تو دوسرے مسلمان کا حق ہوتا ہے کہ وہ اس مہمان کے کھانے پینے کا انتظام کرے۔ (مشکوٰۃ)

مہمانوں کا اکرام اور ان کا اعزاز کرنا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ اس کا اسلام میں اتنا اہتمام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے یعنی مہمان نوازی ایمان کا تقاضا ہے، اور مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کو عزت کا مقام دے اور کھانے پینے میں سے جو اچھی چیز میسر ہو اس سے ضیافت کرے، اگر کوئی بد بخت ایسا ہے جو کسی وجہ سے اپنے مہمان کی عزت نہیں کرتا تو پھر آس پاس کے جو لوگ ہیں ان کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ اس مہمان کے ساتھ حسن سلوک کریں اور اس کو اپنا مہمان بنا کر اس کی ضیافت کا اہتمام کریں۔

مہمانوں کا اپنے مسلمان بھائی پر ایسا حق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اے اللہ رسول! ہم کبھی ایسے لوگ کے پاس جاتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتے ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے تو آپ نے ارشاد فرمایا اگر وہ لوگ تمہاری ضیافت نہیں کرتے ہیں تو تم ان کے مالوں میں سے اتنا لے سکتے ہو جو ایک مہمان کیلئے کافی ہو۔

(۱)...... بخاری شریف سعد ابی وقاص کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ وہ مریض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کو تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میرے پاس مال بہت ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت دوسروں کے لئے کردوں؟ تو آپ نے فرمایا! نہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آدھے کی وصیت کردوں؟ تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کیا میں ایک تہائی مال کی وصیت کردوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اور فرمایا کہ ایک تہائی مال بھی بہت ہوتا ہے اور پھر فرمایا کہ تم اپنے پیچھے اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو کہ وہ دوسروں سے سوال کرتے پھرتے ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی مالدار ہے اور وہ اپنا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس خرچ کرنے میں بھی آدمی کو اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے اس کو اپنے ورثاء کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ بعد میں ایسے تنگ دست نہ ہو جائیں کہ وہ خود دوسروں کے محتاج ہو جائیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت مسنون عمل ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس اگر زیادہ مال ہے تو یہ کوئی بات نہیں ہے بشرطیکہ یہ مال حلال طریقہ سے آیا ہو اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقارب اور رشتہ داروں کا حق دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے اور ان کا حق

دوسروں سے مقدم ہے۔ اور یہ کہ آدمی کو ثلث مال سے زیادہ دوسروں کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲)...... حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعۃ الوداع کے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ورثاء کے لئے وصیت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

یعنی کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مرتے وقت اس کے مال کے جو وارث ہونے والے ہیں ان میں سے کسی خاص آدمی کے لئے وصیت کرے، اسلئے کہ ورثاء کا حق تو اللہ تعالی نے خود ہی قرآن میں مقرر کر دیا ہے اس حق کے سوا اگر کسی خاص وارث کے لئے وصیت ہوگی تو دوسرے ورثاء کا حق مارا جائے گا اور یہ ان دوسرے ورثاء کے ساتھ ظلم ہوگا جو جائز نہیں ہے، ہاں اپنی زندگی میں مرض الموت سے قبل اس کی ممانعت نہیں ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں ہے۔

(۳)...... بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ افضل صدقہ کونسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ تم اس وقت صدقہ کرو کہ تم کو مال کی ضرورت ہے اور تم مال کے لئے حریص ہو، خرچ کرنے میں تم بخیل ہو مالداری کی امید رکھتے اور فقر سے ڈرتے ہو، اور فرمایا کہ صدقہ کرنے کو اتنا مت ٹالو کہ تمہاری موت کا وقت آپہونچے، اور موت قریب ہوتے وقت یہ کہو کہ میرا اتنا مال فلاں کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں کیلئے ہے۔ اب تو تمہارا مال فلاں فلاں کے لئے ہو ہی گیا ہے۔

حدیث پاک کا مطلب ہے کہ جب تم کو پیسے کی ضرورت ہے اور تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ اگر تم پیسہ خرچ کرو گے تو کو فقر و فاقہ بھی لاحق ہو سکتا ہے یعنی جب تم حالت زندگی میں اس وقت اللہ کے راستہ میں خرچ اور غرباء مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے موت کے وقت اگر تم خرچ کرتے ہو تو اس کا تم کو زیادہ فائدہ نہیں ہوگا اسلئے

کہ اب وہ مال تمہارے کام نہیں رہا ہے تمہارے مرنے کے بعد اب تو وہ دوسرے کا ہو ہی گیا ہے۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ موت کے وقت مال خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جب خود اس کو پیسے کی ضرورت ہوتی ہے خرچ کرے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنی زندگی میں اور صحت کی حالت میں ایک درہم خرچ کرے وہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم خرچ کرے۔

بعض سلف کہا کرتے تھے کہ لوگ اپنے مال میں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں ایک مرتبہ زندگی میں کہ یہ وقت مال کے خرچ کرنے کا ہوتا ہے وہ بخل کرتے ہیں اور مال نہیں خرچ کرتے اور ایک مرتبہ موت کے وقت کہ اس وقت مال کا خرچ کرنا زیادہ مفید نہیں ہوتا ہے مگر اس موقع پر اسراف کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ موت کے وقت جو خرچ کرنا وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنا پیٹ بھرے پھر دوسروں کو کچھ دے، یعنی جب اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے تب دوسروں کو دیتا ہے۔

(۴)...... بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے میرا خیال ہے کہ اگر ان کو بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرنے کی بات کہتیں تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں صدقہ کر دو،

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالی صدقہ کرنا میت کو فائدہ پہونچاتا ہے، بعض روایت میں اس کی صراحت بھی ہے۔ یعنی اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو اس کا اجر ملے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں اجر ملے گا۔ یہ روایت بھی بخاری ہی میں ہے۔

میت کو مالی صدقہ کے علاوہ دوسرے اعمال کا مثلاً نماز، روزہ، حج اور قرآن کی تلاوت کا ثواب پہونچتا ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اعمال کا ثواب میت کو پہونچتا ہے۔

(۵)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (یہ شخص یہودی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قرض لیا تھا وہ اپنا قرض مانگنے آیا تھا) اور اس نے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت کلامی کی، تو صحابہ کرام نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، تو آپ نے صحابہ کرام کو منع کیا اور فرمایا کہ جس کا حق ہوتا ہے تو وہ تیز گفتگو بھی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہئے کہ اگر کسی سے قرض لے اور وقت پر ادائیگی اس سے نہ ہو سکی ہو تو اگر قرض طلب کرنے والا شخص قرض کا مطالبہ کرنے تو اس سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر صبر کرنا چاہئے۔ اور قرض کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہئے۔ بلکہ اس کو کچھ مزید تحفہ تحائف کی شکل میں دے دینا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔

محمد اجمل مفتاحی

کیا یزید فاسق و فاجر تھا؟

محمد ابو بکر غازی پوری

گزشتہ زمانہ تھا کہ شیعوں کے ساتھ سنیوں کا اختلاط اور میل جول بہت زیادہ تھا بلکہ ایک دوسرے خاندانوں میں شادی بیاہ کا بھی رواج تھا، خصوصاً اودھ کے علاقہ میں یہ اختلاط زیادہ دیکھا جاتا تھا۔ لکھنؤ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں شیعوں کا رعب و دبدبہ تھا اس میل جول اور ان کے ساتھ اختلاط کا اثر یہ تھا کہ سنیوں میں بھی شیعوں میں بہت سی رسم و رواج در آئے تھے بلکہ سنیوں کے عقائد بھی ان کے عقائد سے متاثر ہوئے، تعزیہ داری، نوحہ خانی سنیوں کا بھی شعار بن گیا، امام حسین اور امام حسن اور خاندان نبوت کے افراد کے ساتھ وہی تعلق جس کا اظہار شیعہ کیا کرتے ہیں سنی مسلمانوں کا بھی عقیدہ بن گیا رجب کا کنڈالہ اور صفر کی مہینہ کو منحوس قرار دینا اور بی بی فاطمہ کا نیاز و فاتحہ اور محرم کے مہینہ میں سیاہ کپڑا پہننا اور یا حسین اور یا علی کہہ کر سینہ پیٹنا اور اچھل کود کرنا یہ سب سنی مسلمان بھی ماننے اور کرنے لگے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خاندان بنی امیہ کے ساتھ عام مسلمانوں میں بدظنی و بدگمانی پیدا ہوئی خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جاہل مسلمانوں نے اپنا عقیدہ وہی بنالیا جو شیعہ کا تھا، اور یزید کے بارے میں عام مسلمانوں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ فاسق و فاجر تھا بدکردار تھا، حضرت حسین کو اس نے کربلا کے میدان میں شہید کرایا اور خاندان نبوت کے افراد کے ساتھ ظلم و زیادتی کی انتہا کردی تھی، حضرت معاویہ نے اپنے اس بیٹے کو ولی عہد بنایا اور لطف یہ ہے کہ یہ ساری باتیں صرف سنی عوام میں نہیں بلکہ پڑھے لکھے مسلمانوں میں اس طرح مسلم تھیں کہ اس کے خلاف کچھ کہنا اپنے کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔

میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں یزید کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کی سچائی

کے بارے میں ہمیشہ متردد تھا، میری سمجھ سے یہ بات دور تھی کہ حضرت معاویہ جیسا جلیل القدر صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معتبر اور معتمد تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاتب وحی بنایا تھا اور اس کے حق میں اللھم اھدہ' و اھد بہ (اے اللہ تو معاویہ کو راہ راست پر رکھیو اور ان کے ذریعہ دوسروں کو بھی راہ راست رکھیو) کی دعا فرمائی تھی۔ جس پر حضرت ابو بکر کو اعتماد تھا، حضرت عمر کو اعتماد تھا حضرت عثمان کو اعتماد تھا ان خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں حضرت معاویہ کو اہم اہم عہدہ پر رکھا جس نے بیس سال تک ایسی حکومت کی کہ اس کی رعایا کو کبھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی، جس کے عہد حکومت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ یورپ اور افریقہ تک پہونچا اور جس کے عہد میں پہلا اسلامی بحری بیڑا تیار ہوا اور جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا قافیہ تنگ ہوا کرتا تھا جس کے تدبر جسکی سیاست، جسکے حلم کی داستان بچہ بچہ کی زبان پر تھی۔ ایسا صحابی اور ایسا امیر برحق اور ایسا مدبر اور ایسا مسلمانوں کا خیر خواہ کیسے ایک نااہل اور فاسق و فاجر بیٹے کو اپنا ولی عہد بنائے گا اور پوری دنیائے اسلام اس پر خاموش رہے یہ نہ صرف حضرت معاویہ کے بارے میں ایک غلط تاثر دینے والی بات ہے بلکہ اس وقت کے موجود عام صحابہ کرام کے بارے میں غلط تاثر قائم کر دینے والی بات ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یزید کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اور جو مشہور ہے اس کی واقعیت اور سچائی کے بارے میں مجھے ہمیشہ تردد رہا ہے، مگر کبھی اس کے اظہار کی جرأت اس لئے نہیں ہوئی کہ ہمارے بڑے بڑے علماء بھی وہی عوام والا ذہن یزید اور حضرت معاویہ کے بارے میں رکھتے ہیں حتی کہ یزید پر لعنت بھیجنے کو کار ثواب سمجھتے ہیں

میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ ہمارے اکابر میں سے کوئی ایک ایسا مل جاتا جو حضرت معاویہ اور یزید کے بارے میں عام طور پر جو بات ذہنوں میں ہے اسکے

خلاف اس کی تحقیق ہوتی تو مجھے بڑی تقویت ملتی، الحمدللہ ہمیں ایک ایسی شخصیت مل گئی جس کی سوچ اور تحقیق حضرت معاویہ اور یزید کے بارے میں عام ذہنوں میں پائی جانے والی سوچ اور فکر سے بالکل الگ ہے، اور وہ سوچ ایسے حقائق پر مدنی ہے جن کا دلائل کی روشنی میں رد کیا جانا بہت مشکل ہے۔

ہندوستانی علماء میں محدث کبیر حضرت مولانہ حبیب الرّحمان صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ کا جو مقام تھا اس مقام اور اس پایہ کا ان کی حیات میں صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں کوئی دوسرا نہیں تھا، حضرت اعظمی رحمۃ اللہ کا شہرہ تو حدیث میں عام طور پر رہا مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت نوراللہ مرقدہ ایک جامع العلوم شخصیت تھے، تمام اسلامی فنون میں ان کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی اور ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے مشائخ اور علماء ان سے اپنی مشکلات میں حل تلاش کیا کرتے تھے اپنی حیات میں حضرت رحمۃ اللہ عرب مشائخ اور برصغیر کے علماء کا مرجع تھے۔ حضرت کے انتقال کے بعد ان کے باکمال و باصلاحیت نواسے مولانا ڈاکٹر مسعود سلمہٗ قاسمی نے حضرت کی حیات مبارکہ کے بارے میں دو جلدوں میں حیات ابوالمآثر کے نام سے ڈیڑھ ہزار صفحات میں ان کی سوانح مرتب کی ہے، پہلی جلد آج سے دس قبل منصۂ شہود پر آئی تھی جس میں مولانا کی زندگی کے ہر پہلو پر تفصیلی نظر ڈای گئی تھی، دوسری جلد اس ہفتہ تقریباً ساڑھے سات سو صفحہ پر مشتمل اب آئی ہے، اس دوسری جلد میں مولانا کی کتابوں اور ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ عربی اور اردو تحریروں کا بڑے مفصل انداز میں مولانا ڈاکٹر مسعود اعظمی نے تعارف کرایا ہے، انہیں غیر مطبوعہ تحریروں میں حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ کے وہ دو مقالے بھی ہیں جن کو حضرت نے محمود عباسی کی کتاب معاویہ و یزید کے رد میں حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مشہور مؤرخ اور صاحب تصانیف عالم کی کتابوں پر بطور تبصرہ تحریر فرمایا تھا، حضرت قاری صاحب کی کتاب کا نام تھا شہید کربلا

اور قاضی اطہر مبارکپوری کی کتاب کا نام تھا علی اور حسین، ان دونوں بزرگوں نے محمود عباسی کی کتاب کا رد اپنے اپنے انداز سے کیا تھا، حضرت اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کتابوں کو پڑھ کر محسوس کیا کہ جس طرح محمود عباسی اپنی کتاب معاویہ ویزید میں افراط وتفریط میں پڑ گیا ہے اور اس کے قلم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی ذوات قدسیہ مجروح ہوئی ہے۔ اس کی کتاب کا رد کرنے والے ہمارے ان دونوں بزرگوں سے حضرت معاویہ اور یزید کے بارے میں افراط وتفریط کا صدور ہوا ہے۔ اور حضرت معاویہ اور یزید کے بارے میں تاریخی اور واقعی حقائق کو نظر انداز کر کے گفتگو کی گئی ہے، چونکہ محمود عباس کی ذات کچھ ایسی علمی نہیں تھی اس کی کتاب کے خلاف مولانا قلم اٹھاتے لیکن حضرت قاری صاحب اور قاضی صاحب ہمارے ہی صف کے عالم تھے اور دیوبندی جماعت کے ذمہ دار عالم تھے اس وجہ سے ان کا افراط وتفریط میں پڑ جانا حضرت اعظمی سے برداشت نہ ہوسکا چونکہ معاملہ ایک صحابی رسول اور اس کے ایک فرزند کا تھا جس کو اس صحابی نے اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا تھا اس وجہ سے مولانا اعظمی نے ان دونوں حضرات کی کتابوں پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ جماعت دیوبند اور اہل سنت کا صحیح مسلک واضح ہوا اور حضرت معاویہ کی شخصیت ناقدوں کے نقد سے محفوظ رمامون رہے اور یزید کے بارے میں جو ذہنوں میں غلط فہمی کا خیال عقیدہ کی حد تک پہونچ گیا ہے اس غلط خیال یا غلط عقیدہ کا ازالہ ہو ہم نے بہت مناسب جانا کہ فسق یزید کی پوری بحث کو جو اسی عنوان کے تحت ہے، المآثر جلد دوم سے نقل کر دیں، اور پھر حضرت علامہ نے جو اس بحث کا خلاصہ ذکر کیا ہے اس کو ذکر کر دیں، اتنے سے ان شاء اللہ ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

فسق یزید کی بحث:

علامہ اعظمی نے ایک عنوان ''فسق یزید'' کا قائم کر کے اس پر طویل گفتگو کی ہے، جو تاریخی نقطۂ نظر سے اس کتاب کی اہم ترین بحث ہے، جس میں مستند تاریخی

روایات اور واقعات کی روشنی میں اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

''تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے اواخر عہد خلافت میں یہ دیکھ کر کہ اکابر صحابہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اب صرف ان کی اولاد رہ گئی ہے، خواہ وہ صحابی ہو یا غیر صحابی، اور ان میں کوئی ایسا نہیں ہے، جس کے پاس منظّم طاقت، کوئی وفادار جماعت، اور کوئی بالفعل قوت وشوکت ہو، یہ صحیح ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا فی الجملہ اثر مکہ میں ہے، مگر یہ چھوٹی جماعت ہے، حضرت حسینؓ کا اثر کوفہ میں ہے، مگر کوفہ والوں کی فتنہ پسندی اور بے وفائی شہرہ آفاق ہے اور حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے ساتھ جو انہوں نے کیا، اس سے دنیا واقف ہے، رہے حضرت ابن عمرؓ تو وہ دنیا سے بالکل کنارہ کش اور ان جھمیلوں سے دور بھاگنے والے ہیں، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے نہ ان کا کسی جگہ کوئی خاص سیاسی رسوخ ہے۔

ان باتوں کو نگاہ میں رکھ کر انھوں نے آئندہ کا یہ انتظام مناسب سمجھا کہ اپنے بعد خلافت کے لئے یزید کو نامزد کر دیں، اور ابھی سے لوگوں کو آگاہ کر کے اس کے لئے بیعت لے لیں چنانچہ انہوں نے اس کا اعلان کرا دیا اور بیعت لینا شروع کی اطراف مملکت کی تمام رعایا نے بیعت کر لی صرف مذکورہ بالا چار شخصوں نے بیعت نہیں کی، اس کے بعد حضرت معاویہ عُمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے، واپسی میں مدینہ میں قیام کر کے اس مسئلہ کو بھی چھیڑا اور اہل مدینہ سے بیعت لینا چاہی، سب نے بیعت کر لی، صرف مذکورہ بالا چار حضرات نے بیعت نہیں کی مگر بیعت نہ کرنے کا یہ سبب کسی نے بیان نہیں کیا کہ یزید فاسق وفاجر یا شرابی یا کبابی ہے، بلکہ کسی نے یہ کہا کہ یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے کہ باپ بیٹے کو ولی عہد بنائے کسی نے یہ کہا کہ یزید سے زیادہ مستحق ہم ہیں کسی نے یہ کہا کہ ایک وقت میں دو خلیفہ کے لئے بیعت نہیں ہوا کرتی،

آپ اگر خلافت سے اکتا گئے ہیں تو اس سے دستکش ہو جایئے ہم یزید کے لئے بیعت کر لیتے ہیں، کسی نے یہ کہا کہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے اپنے بیٹے کو جانشین نہیں بنایا، تاہم اگر سب لوگ بیعت کو لیں گے تو میں بھی کرلوں گا"۔

اپنی اس گفتگو کے لئے تاریخ ابن کثیر اور "تاریخ الخلفا" کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

"یہاں تک جو میں نے عرض کیا، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں جس وقت یزید کے لئے بیعت لی تھی، اس وقت ایک متنفس نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ فاسق وفاجر یا نااہل ہے، اور خود حضرت مہتمم صاحب کی تحریر کے بموجب یہی لازم وضروری ہے کہ وہ اس وقت تک بلکہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک فاسق وفاجر نہ ہو، ورنہ فاسق وفاجر کے لئے بیعت لینا یا بیعت لینے کے بعد اس بیعت کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار رہنے دینا، درانحالیکہ جس کے لئے بیعت لی گئی ہے وہ فاسق وفاجر ہو چکا ہے، بڑی ناخدا ترسی، بڑی دنیا داری اور معصیت ہے، جس کی نسبت عام دین دار ومتقی مسلمان کی طرف بھی نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ حضرت معاویہؓ یا کسی صحابی رسول کی طرف کی جائے"۔

اس کے بعد لکھا ہے:

"بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزید کا فسق وفجور ظاہر نہیں ہوا تھا، نہ کسی کو اس کی شکایت تھی، نہ اس کی وجہ سے کسی کو اس سے تنفر تھا، جس کا سب سے بڑا ناقابل تردید ثبوت جنگ قسطنطنیہ میں اس کی سپہ سالاری اور اس کی ماتحتی میں صحابہ کی ایک جماعت کا شریک جہاد ہونا ہے"۔

پھر تاریخ ابن کثیر سے متعدد عبارتیں اس کے غزوۂ قسطنطنیہ میں شریک ہونے اور اس کی ماتحتی میں صحابہ کے جہاد کرنے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جنازے کی نماز پڑھانے کی نقل کی ہیں۔

اس کے بعد اس انداز میں دعوت فکر ونظر دی ہے:

''اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ یزید شراب خوار ہوتا، بے نمازی ہوتا اور دوسرے معاصی میں ملوث ہوتا، تو صحابہ کی ایک جماعت بلا کراہت ونفرت اس کی ماتحتی قبول کر لیتی؟ نیز اگر وہ ایسا ہوتا تو حضرت ابوایوبؓ اس کو اپنا وصی بنتے؟ اچھا ان باتوں سے بھی قطع نظر کیجئے، صرف اتنا سوچئے کہ اگر اس قسم کی کوئی شکایت اس میں ہوتی، تو میدان جنگ سے واپسی کے بعد کیا پوری اسلامی مملکت میں اودھم نہ مچ جاتی کہ یزید ایسا فاسق ہے اور اسی کو مجاہدین اسلام کا سالار بنایا جاتا ہے!۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ کہیں سے بھی کوئی آواز اٹھی؟

اس کے علاوہ حضرت صحابہؓ اور کبار تابعین ہر سال حضرت معاویہ کے پاس شام جایا کرتے تھے، حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بھی ہر سال شام کا سفر کرتے تھے، اور حضرت معاویہؓ فیاضانہ انعام واکرام سے ان کا استقبال کرتے تھے، لیکن کسی نے معاویہؓ کی زندگی میں یزید کے فسق وفجور کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

''الحاصل ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ وحضرت معاویہ میں صلح ہو جانے کے بعد انیس (۱۹) برس تک صحابہ وتابعین اور اشراف مکہ ومدینہ حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے آتے رہے، مگر کسی نے یزید کے فسق وفجور کے باب میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہا (اگر کہا ہو تو تاریخوں سے کوئی ایک حوالہ پیش کیا جائے)''۔

اس کے بعد کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رجب ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کے لے بیعت کے وقت حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی یزید کے فسق وفجور کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے اور ان دونوں بزرگوں کے علاوہ تمام اہل مدینہ جن میں ابن عمر وابن عباس بھی شامل ہیں یزید کی بیعت کر لیتے ہیں اور کوئی ایک شخص بھی زبان پر نہیں لاتا کہ وہ شرابی کبابی اور فاسق وفاجر ہے، حتی کہ جن دو بزرگوں نے بیعت سے پرہیز کیا وہ بھی اس کا اشارہ تک نہیں کرتے کہ ہم اس کے فسق وفجور کی وجہ سے پرہیز کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابن عمر و ابن عباس کا حضرت حسینؓ کو نصیحت کرنے، کوفہ والوں کی طرف سے خطوط و وفود کے آنے کو ذکر کر کے لکھا ہے:

''آپ تاریخ کے ہزاروں صفحات پڑھ کر بھی اس طرح کا کوئی ایک لفظ تاریخ سے پیش نہیں کر سکتے''۔

الحاصل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے روانگی سے لیکر حادثۂ کربلا کے پیش آنے تک تاریخوں میں کوئی ایک شہادت بھی یزید کے فسق و فجور کی نہیں ملتی۔

اور ملنا ممکن بھی نہیں ہے اس لئے کہ فاسق کو امیر و امام بنانا چاہئے حرام نہ ہو، پھر بھی ہمارے اعتقاد میں جس عہد میمون کی یہ بات ہے اس وقت تک ملت اسلامیہ کا ضمیر اتنا مردہ نہیں ہوا تھا کہ مدینہ منورہ کے غیور مسلمان اور تمام بلاد اسلام میں جو صحابہ منتشر تھے اور انبوہ در انبوہ اکابر تابعین موجود تھے، وہ سب کے سب چپ چاپ ایک فاسق و فاجر اور شرابی کبابی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔

ہماری حلق سے یہ بات کسی طرح نہیں اترتی کہ مدینہ کے جن حضرات نے ۶۳ھ میں یزید کا فاسق و فاجر ہی ہونا ظاہر کر کے بیعت کے بعد اس کی بیعت توڑ دی تھی، اور کسی قیمت پر بھی خلع بیعت سے رجوع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے، تا آنکہ حرہ کا خونیں واقعہ پیش آیا؛ اگر بیعت کے وقت بھی یزید فاسق ہی تھا تو اس وقت وہ کیسے راضی ہو گئے تھے۔

پھر ابن اثیر و ابن کثیر کی تاریخی روایات جن میں حضرت حسینؓ کا راستے سے اپنے ساتھیوں کو واپس کرنے یا خود واپس جانے یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدینے کی پیشکش کا تذکرہ ہے، نقل کر کے لکھتے ہیں:

''آپ ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر بتائیے کہ اگر یزید فاسق ہوتا اور حضرت حسینؓ یزید کے فسق ق فجور کو مٹانے کے لئے نکلے ہوتے، تو کیا ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو واپس کر دیتے، یا خود لوٹنے کا ارادہ کر سکتے تھے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے

کی آمادگی ظاہر کر سکتے تھے؟ یا یہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے یزید کے پاس روانہ کردو؟''

اس کے بعد اس بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

''اس طویل گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تک یزید کے فسق کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، نہ اس کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت حسینؓ اس کے فسق کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لئے نکلے تھے، بلکہ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے وہ اپنے کو یزید سے افضل، اور اس سے زیادہ اپنے کو مستحق خلافت سمجھتے تھے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک علم وفضل، شرف صحبت، وعلاقۂ ابنیتِ رسول اور تقویٰ وطہارت کا تعلق ہے، یزید آپ کی جوتیوں کے تسمہ کے برابر بھی نہیں تھا، اس لئے آپ اپنے مقابل میں اس کو حق دار خلافت نہیں سمجھتے تھے، اور اس کے بجائے اس بات کو ملت کے لئے بہتر سمجھتے تھے کہ خود اپنی امارت قائم کریں، اور چونکہ کوفیوں نے آپ کو یقین دلایا تھا کہ ایک لاکھ جنگجو آپ کی حمایت میں ہیں، اس لئے آپ کو پورا اطمینان تھا کہ کوفہ میں صحیح حکومت ضرور قائم ہوجائے گی کوفیوں کے وعدوں پر آپ کو اتنا یقین تھا کہ ابتداءً جتنے خیر خواہوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا کسی کی بات آپ نے نہیں مانی، لیکن راستے میں مسلم کی شہادت کی خبر سن کر آپ کا یقین بدل گیا، آپ پر کوفیوں کا فریب کھل گیا، اور آپ نے علی وجہ البصیرۃ معلوم کرلیا کہ اِن حالات میں صحیح امارت کا قیام ناممکن ہے، اس لئے واپسی کی سوچنے لگے، مگر مسلم کے بھائی واپسی پر راضی نہ ہوئے، جب آگے بڑھے اور دوبارہ آپ نے واپسی کا یا کسی دوسری طرف نکل جانے کا ارادہ کیا تو حُر نے جو اس وقت تک آپ کا مخالف تھا نہ واپس ہونے دیا نہ دوسری طرف جانے دیا۔

سیدنا حضرت حسینؓ کے قتل سے یزید کی براءت:

اس کے بعد ایک عنوان ''قتل سیدنا حسینؓ کے جرم سے یزید کی براءت'' قائم کرکے اس کے تحت وہ تاریخی روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت حسینؓ کی

شہادت کی اطلاع ملنے پر یزید کی آنکھوں میں آنسو آ جانا اور ابن زیاد پر لعنت کرنا مذکور ہے، اور اس قسم کی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد تاریخ ابن کثیر (۲۳۶/۸) کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے:

"یزید کا مرنے سے پہلے آخری کلام یہ تھا اللھم لا تؤاخذني بمالم احبه وأرده واحكم بيني و بين عبد الله بن زياد یعنی اے اللہ! میں نے جس بات کو نہ پسند کیا نہ اس کو چاہا، تو اس کا مواخذہ مجھ سے نہ کر۔ اور میرے اور ابن زیاد کے درمیان تو حکم بن اور فیصلہ کر۔ یہ بات نہایت اہم اور بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے، کوئی مسلمان مرنے کے وقت کیا جھوٹ بولے گا؟ اور وہ بھی اس احکم الحاکمین کو مخاطب کر کے جو سب کے ظاہر و باطن سے واقف اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اور اسی واقعے سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قتل حسینؓ کے علاوہ اور جو مظالم یزید کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ بھی اس کے عمال کے کرتوت ہیں، جن سے وہ خود راضی نہیں تھا"۔

یزید نے قاتلین حسینؓ کو معزول نہیں کیا:

اس کے بعد ایک عنوان "یزید نے قاتلینِ حسینؓ کو معزول نہیں کیا" کے تحت ابتداء لکھا ہے:

"ہاں! یہ بالکل صحیح ہے کہ اس نے قاتلین حسینؓ کو کوئی سزا نہیں دی نہ ان عمال و امراء کو معزول کیا جن سے یہ ناروا حرکت اور شدید ترین شرعی جرم سرزد ہوا، بلکہ زبانی یا تحریری طور پر ان کو اس پر ملامت کرنا بھی ثابت نہیں، بیشک یہ سارے الزامات صحیح ہیں، لیکن یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہئے کہ یزید اس وقت تک جس طرح کوئی فاسق مجاہر نہیں تھا، اسی طرح کوئی ولی، کوئی ممتاز صالح و متقی، کوئی بڑا پاکباز متشرع بھی نہیں تھا، اسی کے ساتھ امارت و حکومت کو کسی طرح ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہ تھا، اس لئے اس سے یہ توقع کہ حضرت حسینؓ کے واقعہ کے بعد شریعت و مذہب

کے تقاضوں کو پورا کرے گا، ایک بے محل توقع ہے"۔

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"پھر اس طرح کے واقعات قتل کو عام واقعات پر قیاس کرنا حقائق سے چشم پوشی ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا واقعہ قتل حضرت حسینؓ کے واقعہ سے کہیں بڑھ کر تھا اور حضرت علیؓ کو اقرار تھا کہ وہ ظلماً شہید کئے گئے، مگر انہوں نے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد نہ قاتلین عثمانؓ کو سزا دی، نہ ان کو اپنی جماعت سے الگ کیا، بلکہ سب سے پہلے جس شخص نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی وہ بلوائیوں کا سرغنہ تھا، اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا، اور اسی قصاص عثمانؓ کے مطالبہ کی بنیاد پر جنگ جمل اور صفین میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، کتنے اکابر صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا، مگر حضرت علیؓ نے قصاص کا مطالبہ پورا نہیں کیا، اس لئے نہیں کہ احکام شرع کے اجراء میں وہ کوتاہی کرنا چاہتے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ خلیفہ راشد تھے، وہ امام ربانی تھے وہ اپنے دور کے سرتاج اتقیا تھے، ان کی نسبت اس کا تصور بھی جائز نہیں۔ پھر آپ نے قصاص کیوں نہیں لیا اور جن کے ہاتھ عثمانؓ کے خون سے رنگین تھے ان کو کیوں الگ نہیں کیا؟ صرف اس لئے کہ آپ کے خیال میں حالات سازگار نہیں تھے۔ ایسا کرنے سے ملت اسلامی کے شیرازہ کے بکھر جانے کا سخت اندیشہ تھا اور اس رخنہ کو بند کرنے سے دوسرے بہت سے رخنوں کے پیدا ہو جانے کا بڑا ڈر تھا"۔

اس کے بعد یہ لکھ کر کہ بعید نہیں کہ اسی قسم کے سیاسی مصالح یزید کے بھی پیش نظر رہے ہوں، اور اگرچہ یزید کو حضرت علیؓ سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرے کو آفتاب سے ہوتی ہے، لیکن ایک مسلمان کے قول وفعل کو کسی اچھے محمل پر حمل کرنا چاہئے، لکھا ہے:

"میں سمجھتا ہوں کہ حضرت حسینؓ کے خاندان والوں کے پیش نظر بھی مذکورہ بالا اسباب تکاسل تھے، جو ان کی نگاہ میں اس کو معذور ثابت کرتے تھے، اسی لئے ان

حضرات کو یزید سے کوئی تنفر نہیں تھا، برابر انکی آمد و رفت یزید کے یہاں جاری تھی، بغیر کسی کھچاوٹ کے اس کے یہاں مہمان ہوتے تھے اور بلا کسی تکدر کے اسکے انعامات قبول فرماتے تھے''۔

اس کے بعد تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت محمد ابن الحنفیہ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ یزید کے پاس جاتے اور اقامت کرتے تھے، اور ابن کثیر (۲۳۰/۸) کے حوالے سے لکھا ہے:

''عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس گئے تو اس نے دس لاکھ درہم ان کو دیے اس دریا دلی پر عبداللہ ابن جعفر نے جن الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا ہے آج اگر کوئی وہ الفاظ بولے تو نہ معلوم اس پر کیا فتویٰ لگ جائے گا انہوں نے فرمایا: بأبي أنت وأمي (میرا باپ اور میری ماں تم پر قربان) اس کے بعد اس نے پھر ایک لاکھ دیے تو عبداللہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم تیرے بعد کسی دوسرے کی حق میں یہ فقرہ (بأبي أنت وأمي) استعمال نہ کروں گا''۔

محمد اجمل مفتاحی

چھٹی قسط

مولانا داؤد راز کی تشریح بخاری

محمد ابوبکر غازی پوری صاحب

مولانا داؤد راز صاحب ازالۃ الخفاء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف ممالک میں حضرات صحابہ کو دین کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو عام کرنے کے لئے بھیجا تھا اور وہاں کے حکمراں کو یہ لکھا تھا کہ یہ حضرات جو احادیث بیان کریں ان سے ہرگز تجاوز نہ کیا جائے، انہیں صحابہ کرام میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ بھیجا تھا، (ص ۴۵۲)

ایک طرف حضرت عمر خلیفہ راشد کا یہ ارشاد کہ حضرت ابن مسعود جو حدیث بیان کریں ان سے ہرگز تجاوز نہ کیا جائے اور دوسری طرف ان حضرت ابن مسعودؓ کو غیر مقلدین کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں اور صاف صاف لکھتے ہیں کہ ابن مسعود اور عمر کو تو قرآن وحدیث کے نصوص کی فہم ہی نہیں تھی چنانچہ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والی کتاب تنویر الآفاق کا مصنف لکھتا ہے،

قرآن مجید کی دو آیتوں اور پچاسوں حدیثوں میں تیمّم سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے حضرت عمر اور ابن مسعود کے سامنے یہ آیات واحادیث پیش ہوئی تھیں، پھر بھی ان کی سمجھ میں بات نہ آسکی، (ص ۴۱۸)

دیکھا آپ نے حضرت عمر اور حضرت مسعود کا کیا مقام ہے ان حضرات اہل حدیث کے یہاں؟

اسی بدبخت بدنصیب گستاخ قلم کی کتاب غیر مقلدین کا مرکزی ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس چھاپتا ہے اور اس گنہ گار قلم کے گستاخ مؤلف کی اسی کتاب کے مقدمہ

میں جامعہ کا ایک بہت ذمہ دار عالم تعریف کرتا ہے اور اس کی تحقیق کی داد دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں بلکہ ہر سنی مسلمان بھی کہے گا کہ صحابہ کرام کے بارے میں یہ انداز گفتگو اسی کا ہوسکتا ہے جس کا قلب بغض صحابہ سے مکدر ہو اور جس کے فکر و ذہن پر شیعیت نے پورا قبضہ جمالیا ہو، جسے نہ دین میں حضرت عمر کا مقام معلوم ہو اور نہ حضرت ابن مسعود (رضی اللہ عنہما) کا مقام معلوم ہو،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام گھٹانے کے لئے اور ان کی اہمیت اور قیمت کو کم کرنے کے لئے غیر مقلدین کے بڑے بڑے اکابر جی ہاں اکابر، اصاغر نہیں اکابر مثلاً مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی جیسے لوگ یہ کہتے ہوئے شرماتے نہیں ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں رفع یدین کرنے کا مسئلہ بھول گئے تھے، صرف رفع یدین کا مسئلہ نہیں بلکہ دین کی بہت سے باتوں کو بھول گئے تھے، عبد الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں،

ولو تنزلنا وسلمنا ان حديث ابن مسعود هذا صحيح فظاهر ان ابن مسعود قدنسيه كما نسي امورا كثيرة.

یعنی اگر ہم نزول کریں (یعنی نیچے اتریں) اور تسلیم کرلیں کہ (عدم رفع یدین کے بارے میں) ابن مسعود کی یہ روایت صحیح ہے تو ظاہر یہ ہے کہ ابن مسعود رفع یدین کرنے کو بھول گئے تھے جیسا کہ دین کی بہت سی باتوں کو وہ بھلا بیٹھے تھے،

ماشاء اللہ حضرت مبارکپوری صاحب کی کیا تحقیق ہے اور یہ کتنا فاضلانہ کلام ہے، اگر صرف فرض نماز کو رات دن کی دیکھیں تو اگر نماز میں صرف تین جگہ بھی رفع یدین کیا جائے تو اکیاون دفعہ رفع یدین ہوتا ہے اور اس اکیاون دفعہ کرنے والے رفع یدین کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھول گئے تھے اور دوسروں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر بھی ان کو یاد نہ آتا تھا کہ نماز میں رفع یدین بھی ہے، مبارکپوری جیسے بزرگوں کی شہ پاکر رئیس احمد ندوی جیسے لوگوں کو حوصلہ ملا کہ وہ حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں گہر فشانی فرمائیں کہ ان کو قرآن اور حدیث کی فہم نہیں تھی، یہاں تک کہ اس بد بخت نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تک لکھ مارا،

چونکہ ابن مسعود کا بیان مذکورہ اللہ ورسول کے بیان کردہ اصول شریعت کے خلاف ہے اس لئے ظاہر ہے کہ بیان ابن مسعود شرعاً ساقط الاعتبار ہے، ص ۱۶۵

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک طرف غیر مقلد علماء حضرات کا اس طرح کا کلام ملاحظہ فرمائے اوران کے دین وایمان پر فاتحہ پڑھئے اور دوسری طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک بھی ملاحظہ فرمائیں جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔

"لو کنت مؤمرا احد اعلیھم بلا مشورۃ لا مرت علیھم ابن ام عبد"

یعنی اگر میں صحابہ کرام پر بلا مشورہ کسی کو حاکم اور امیر بناتا تو ابن مسعود کو بناتا، اللہ اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تو حضرت ابن مسعود کا یہ مقام تھا اور حضرات غیر مقلدین کی نگاہ میں حضرت ابن مسعو کا مقام کیا تھا تو آپ نے اسے پڑھ لیا،

بہر حال داؤد راز صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے گورنر کو خط لکھا تھا کہ ابن مسعود جو حدیث بیان کریں اس سے تجاوز نہ کیا جائے، یعنی اس پر عمل کیا جائے اب اگر کوفہ والے اور امام اعظم ابو حنیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان اور ارشاد کے مطابق مسائل شرعیہ وفقہیہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ آنحضور کی احادیث پر عمل کرتے ہیں تو غیر مقلدین حضرات کا حوصلہ کیوں تنگ ہو جاتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی،؟

داؤد راز صاحب اپنی اس کتاب کی تشریح بخاری میں عجیب عجیب قابلیت اور علمیت کے گل کھلاتے ہیں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں اصطلاحی طور پر وحی کا لفظ صرف

پیغمبر پر بولا جاتا ہے اور الہام عام ہے جو دوسرے نیک بندوں کو بھی ہونا رہتا ہے، قرآن مجید میں جانوروں کے لئے بھی لفظ الہام کا استعمال ہوا ہے، جیسا کہ **واوحی ربک الی النحل** میں مذکور ہے۔ ص ۱۵۴

داؤد راز صاحب کو پتہ نہیں چلا کہ قرآن کی اس آیت میں لفظ وحی ہے الہام کا لفظ نہیں ہے، ان کو یہ کہنا چاہئے کہ وحی کا لفظ عام ہے ذوی العقول پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور غیر ذوی العقول پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں شہد کی مکھی کے لئے استعمال ہوا ہے، البتہ وحی کا معنی دونوں جگہ الگ الگ ہے، اسی طرح لفظ وحی اللہ کے نیک بندوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور نیک بندوں کے علاوہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے حتی کہ شیطان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مفہوم دونوں جگہ الگ الگ ہوتا ہے، اس لفظ کو قرآن میں شیطان کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، آٹھویں پارے کے پہلے صفحہ پر ہے،

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غروراً.

یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعض دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈالیں،

اس آیت کریمہ میں وحی کا معنی جس کی نسبت شیاطین جن ونس کی طرف کی گئی ہے، وسوسہ ڈالنا ہے، اس قابلیت وعلمیت پر بھی ان کو شوق ہوتا ہے کہ غیر مقلد رہیں گے کسی امام کی تقلید نہیں کریں گے اور مقلدین کے خلاف زبان درازی بھی کریں گے ایسی غیر مقلدیت سے ہزار بار خدا کی پناہ،

صاحب انوار الباری نے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پاک باز ہو حدیث روایت نہیں کی ہے، امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا لحاظ نہیں رکھا ہے ان کی صحیح بخاری میں بہت سے راوی بدعتی بھی ہیں اگر چہ یہ رواۃ ثقہ اور صادق اللہجہ ہیں اس کا رد کرتے ہوئے راز صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات صاحب انوار کی غلط ہے، راز صاحب کا دعویٰ ہے کہ صاحب انوار نے غلط بیانی کی ہے اور امام بخاری پر یہ ان کا افترا ہے، (ص ۳۰۵)

معلوم ہوتا ہے کہ راز صاحب نے حافظ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری بھی نہیں پڑھا ہے۔ ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ امام بخاری نے جن راویوں سے اپنی کتاب میں روایت کی ہے ان میں ایک بڑی تعداد بدعتیوں کی بلکہ غالی قسم کے بدعتیوں کی بھی ہے، حافظ ابن حجر نے ان کا اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے ار یہ بدعتی رواۃ ایک دو نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک جم غفیر ہے، چند نام ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اسحٰق بن سعید یہ حضرت علی کو برا بھلا کہتا تھا، ابو ایوب نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ من لم یحب الصحابة فلیس بثقة یعنی جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہے وہ ثقہ نہیں ہوسکتا، حافض ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں اس کی صرف ایک روایت روزہ کے بیان میں ہے۔

(۲) ایوب بن عائذ بن مدلج الطائی ہے، یہ مرجی تھا، ابو داؤد فرماتے ہیں کـــــان مــرجئـا ، یعنی مرجی تھا، امام ابو زرعۃ اس کو مرجی ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں خود امام بخاری اس کے مرجئی ہونے کا اقرار کرتے ہیں فرماتے ہیں:

کان یری الارجاء ، یعنی خود امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ ارجاء کا مذہب رکھتا تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی بخاری شریف میں صرف ایک روایت مغازی کے بیان میں ہے۔

(۳) ثور بن زید الدیلی، یہ شخص قدری تھا اور خوارج کا مذہب رکھتا تھا۔

(۴) ثور بن زید الحمصی ، یہ بھی قدری تھا اور ناصبی بھی تھا، ابن دحیم کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کو قدری نہ کہتا ہو، یہ جب مدینہ گیا تو امام مالک نے

اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے اپنے شاگردوں کو منع کر دیا۔

(۵) حریز بن عثمان الحمصی ، یہ حضرت علی کی برائی کرتا تھا اور مذہباً ناصبی تھا، ابن حبان اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ شخص اپنے مذہب کا داعی تھا اور فرماتے ہیں کہ تجتنب حدیثہ یعنی اس کی حدیث سے بچنا چاہئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری میں اس کی صرف دو حدیثیں ہیں،

(٦) خالد بن مخلد القطوانی، حضرت ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ امام بخاری کے بڑے شیوخ میں سے تھے، اس میں تشیع تھا، ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ بہت بڑا شیعہ تھا کان متشیعا مفرطا، صالح بن جذرہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ تھا مگر غالی شیعہ تھا، کان متھما بالغلو فی التشیع ، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف میں صرف ایک حدیث اس کی دیکھی ہے،

(۷) داؤد بن الحصین المدنی، یہ بھی خارجی تھا، اس کی بھی بقول حافظ ابن حجر بخاری میں صرف ایک روایت ہے۔

(۸) ذر بن عبداللہ المرہبی، اس کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں کان مرجئا، وہجرہ ابراہیم النخعی وسعید بن جبیر لھذا لک یعنی یہ مرجئ تھا، ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر نے اس کی حدیثوں کو اس کے ارجاء کا مذہب رکھنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا،

(۹) سالم بن عجلان، یہ بھی مرجئ تھا اور داعی تھا، بخاری شریف میں اس کی دو حدیثیں ہیں،

(۱۰) سعید بن خیروز الطائی، یہ شیعہ تھا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں اس کی صرف ایک روایت ہے۔

یہ دس بدعتی رواۃ کا ذکر تو میں نے سرسری طور پر صرف ایک نگاہ میں کر دیا ہے اور بھی بیسیوں بدعتی رواۃ کا نشان و پتہ راز صاحب کو بتلا سکتا ہوں جن کی روایتیں بخاری شریف میں ہیں، اس کے باوجود راز صاحب کا دعویٰ ہے کہ بخاری شریف میں بدعتی راوی نہیں ہیں، افسوس کہ ان کی جہالت کا عالم تو یہ ہے اس پر شوق ہوا ہے بخاری شریف کی روایتوں کی تشریح کرنے کا اور حال یہ ہے کہ ان کی نگاہ فتح الباری کے مقدمہ پر بھی نہیں ہے۔

قسط دوم

محدثین کی قوت حفظ تاریخ کی روشنی میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

حبر الامۃ، ترجمان قرآن، مفسر کتاب اللہ، جلیل القدر صحابی اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں، کمال علم، وسعت نظر، تفقہ فی الدین، غایۃ عقل وفہم، حسن صورت، جمال سیرت، فصاحت کلام، بلاغت بیان میں امتیازی اور انفرادی شان کے مالک تھے۔

اپنے دس بھائیوں میں سب سے خورد یہی تھے، ان کی والدہ کا نام ام فضل تھا جب وہ ان سے حاملہ ہوئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کی، آپؐ نے فرمایا۔ لعل اللہ ان یقر اعینکم بہ یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

جب یہ پیدا ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب مبارک سے ان کی تحنیک کی، ابن مجاہد کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب مبارک سے ان کے علاوہ کسی اور کی تحنیک نہیں کی ہے حضرت شعبہؒ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ ''میری پیدائش ہجرت سے تین سال پیشتر ہوئی تھی اس وقت ہم لوگ شعب ابی طالب میں تھے''، نیز فرماتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میری عمر تیرہ سال کی تھی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت بچپن ہی سے آپ کو حاصل تھی جس کا نتیجہ تھا کہ کبار صحابہ بھی آپ کے ساتھ انتہائی محبت کا معاملہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ

آپ کو اپنے مشورے میں شریک رکھتے تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اپنے قریب بلایا اور ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعاء فرمائی۔ **اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل۔** اے اللہ ان کو دین کی سمجھ عطا کر دیجئے اور قرآن کی تفسیر کا عالم بنا دیجئے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ اے اللہ آپ ان میں برکت پیدا کر دیجئے اور انہیں علم دین کی اشاعت کا باعث بنا دیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں دو دفعہ حضرت جبریلؑ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ میرے لئے ''حکمت'' کی دعا فرمائی ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ مبارک سے لگایا اور فرمایا **اللھم علمه الکتاب۔** اے اللہ ان کو کتاب کا علم دے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے جبریل کو دیکھا ہے، تو آخر عمر میں نابینا ہو جائیں گے اور انہیں علم دیا جائے گا، ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ہوا بھی یونہی،

حضرت ابن عباسؓ نے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں اس کے علاوہ اکابر صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت کعبؓ وغیرہ سے بھی کثرت سے روایت کی ہے آپ کی روایتوں میں مراسیل کی کثرت ہے۔

ان کو حصول علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، صحابہ کے پاس تشریف لیجاتے اور ان سے وہ باتیں معلوم کرتے جو ان کے علم میں نہ ہوتیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے ایک انصاری ساتھی سے کہا کہ ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے جو ابھی بڑی تعداد میں موجود ہیں وہ باتیں معلوم کر لینا چاہئے جس سے ہم واقف نہیں ہیں اس پر میرے انصاری ساتھی نے کہا کہ ابن عباس تم پر تعجب ہے! کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کبار صحابہ کی موجودگی میں تمہاری طرف کوئی توجہ کرے گا، اور تمہارے علم کی

ان کو ضرورت بھی ہوگی؟ چنانچہ اس نے میرا ساتھ نہیں دیا اور میں جس صحابی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کا علم ہے اس کے پاس جاتا اور اس سے وہ حدیث سیکھ لیتا، کبھی معلوم ہوتا کہ وہ صحابی قیلولہ کر رہے ہیں تو میں دروازہ پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا، گرد وغبار سے میرا چہرہ اٹ جاتا، جب وہ خود باہر آتے تو میں ان سے حدیث معلوم کرتا، کبھی وہ کہتے اے ابن عم رسول آپ نے کیوں زحمت فرمائی، مجھے آپ بلا بھیجتے آپ فرماتے نہیں میرا ہی حق ہے کہ میں خود حاضر ہوں پھر میں اس صحابی سے حدیث سنتا فرماتے ہیں کہ میرا ساتھی زندہ رہا اور اس نے دیکھا کہ صحابہ کی موجودگی ہی میں لوگ میرے پاس جمع ہونے لگے تھے اور مجھ سے علمی استفادہ کرتے میرا وہ ساتھی کہا کرتا تھا کہ ابن عباس مجھ سے زیادہ عاقل ثابت ہوئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اکابر صحابہ کی صحبت میں رہتا تھا ان میں مہاجر بھی ہوتے اور انصار بھی میں ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور غزوات کے سلسلہ کی آیتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا میں جس صحابی کے پاس جاتا وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتا فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے بارے میں تیس تیس صحابی سے معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔

ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ بلسان سئول وقلب عقول، بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان اور بہت زیادہ سمجھنے والے دل کی بدولت۔

حضرت عمرؓ ابن عباس کے اس علم وفہم، عقل اور تفقہ کی وجہ سے ہمیشہ ان کو اکابر صحابہ کی مجلس میں جگہ دیتے، ایک دفعہ ان کے والد حضرت ابن عباسؓ نے ان سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر تم کو اکابر صحابہ کے ساتھ رکھتے ہیں تم میری تین باتیں یاد رکھو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے کسی راز کو کبھی فاش مت کرنا دوم ان کے پاس کسی کی

غیبت مت کرنا سوم یہ کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو کسی بات میں...... دروغ گو جانیں، امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ان میں سے ہر بات قیمت میں ایک ہزار درہم سے بھی گراں قدر ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں بلکہ دس ہزار درہم سے بھی،

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی میں فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا اور آپ کے علم وتفقہ سے بڑے بڑے صحابہ متاثر تھے، سعد ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابن عباسؓ سے زیادہ وسیع الحلم، کثیر العلم عاقل اور حاضر الفہم کسی اور کو نہیں دیکھا حضرت عمرؓ ان سے مسائل مہمہ اور مشکلہ میں مشورہ لیتے اور انصار و مہاجرین صحابہ کی موجودگی میں ان سے اپنے اشکلات کا حل دریافت کرتے تھے اور ابن عباسؓ جو کہہ دیتے پھر اس سے وہ تجاوز نہیں کرتے تھے۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کی مجلس سے زیادہ معزز اور باہیبت دوسری مجلس نہیں دیکھی اور نہ ان سے زیادہ کسی فقہ والے کو دیکھا، ان کی مجلس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے کوئی قرآن کے بارے میں سوال کرتا کوئی عربیت کے بارے میں سوال کرتا، جنہیں اشعار کا ذوق ہوتا وہ اس کے بارے میں سوال کرتے، اور ابن عباسؓ سب کا اس طرح جواب دیتے گویا وہ علوم کی ایک وسیع وادی میں ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے قضایا کا ابن عباسؓ سے بڑا عالم نہیں دیکھا یہی حال ان کا فقہ ورائے، شعرو ابیت، تفسیر وحساب وغیرہ میں بھی تھا کہ ان کے زمانہ میں ان علوم میں ان کا ثانی کوئی دوسرا نہیں تھا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے دروازہ پر استفادہ کرنے والوں کا ازدحام رہا کرتا تھا حتیٰ کہ راستے تنگ ہو جاتے اور گھر میں کثرتِ ازدحام کی وجہ

سے گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ابوصالح فرماتے ہیں فلو ان قریشا کلها فخرت بذالک لکان فخراً فما رأیت مثل هذا لاحد من الناس ، اگر قریش اس پر فخر کریں تو فخر کی بات ہے میں نے اس جیسی بات کہیں اور نہیں دیکھی ان واقعات سے ایک طرف تو ابن عباسؓ کے علم کا کچھ اندازہ لگتا ہے دوسری اس سے آپ کو قوت حفظ اور جودت ذہن کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا سارا علم آپ کے سینہ میں محفوظ تھا اور جو کچھ آپ فرماتے زبانی فرماتے اور اپنی خداداد قوت حفظ سے فرماتے۔

ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں ابن عباسؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ صرف ایک دفعہ سنکر طویل طویل قصائد یاد کرلیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے عمر بن ربیعہ کا قصیدہ جس کے تقریباً ستر شعر ہیں اور وہ بھی بحر طویل کے اسے صرف ایک دفعہ سن کر یاد کرلیا تھا اور اسی مجلس میں صاحب قصیدہ کے سامنے ہی دہرا بھی دیا تھا۔

مشہور اور صحیح قول کی بنا پر ابن عباسؓ کا انتقال ۶۸ھ میں بہتر سال کی عمر میں ہوا اور محمد بن حنیفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لوگوں نے دفنانے کے وقت دیکھا کہ ایک سفید چڑیا گری اور ان کے کفن سے لپٹ گئی اور وہ بھی آپ کے ساتھ دفن ہوگئی، کہا گیا کہ یہ ان کے علم وعمل کی مثالی شکل تھی۔

(ترجمہ ابن عباسؓ، البدایہ ج ۸ ص ۲۹۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷)

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۱)

فضائل ومناقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت وسوانح وفضائل ومناقب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اتنی کسی دوسرے ائمہ وفقہ حدیث پر کتابیں نہیں ہیں اور لطف یہ ہے کہ احناف سے زیادہ امام اعظم پر دوسرے مذاہب کے لوگوں نے لکھا ہے۔ یہ امام اعظم کی مقبولیت کی عظیم تر دلیل ہے۔

امام اعظم کے فضائل ومناقب وسیر وخبار پر ایسی ہی ایک بہت قدیم کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس کے مؤلف ہیں ابوعبداللہ بن محمد احمد بن یحیٰ ابن الحارث اسعدی المعروف بابن ابی العوام التوفی س ۳۳۵ یہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ کے شاگرد ہیں اور حنفی عالم ہیں، انہوں نے حضرت امام اعظم کی . احادیث کا ایک ذخیرہ بھی جمع کیا ہے جو بہت معتبر ہے اور اکثر علماء حدیث اس کا ذکر کرتے ہیں اور امام اعظم کی جو مسانید ہیں ان میں اس مسند کو جو مسند ابی ابن ابی العوام کے نام سے مشہور ہے، ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ذہبی، خطیب بغدادی اور محمد بن یوسف صالح دمشقی صاحب عقود الجمان نے اس مسند کا بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک نوجوان محقق فاضل لطیف الرحمٰن بہرائچی جو آج کل مکہ مکرمہ میں رہ کر شیخ ملک عبدالحفیظ مکی خلیفہ حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی مذہب حنفی کے قدیم کتابوں کی تلاش جستجو اور ان پر تعلیق وتحقیق کے بعد شایع کررہے ہیں، انہیں فاضل محقق شیخ لطیف الرحمٰن کی تحقیق وتعلیق سے مزین ہوکر یہ کتاب مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے۔ چونکہ یہ کتاب بہت قدیم ہے اس لئے اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے مخدوم ومکرم حضرت مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب جو میرے کرم فرما بزرگ ہیں ان کی عنایت وتوجہ سے مجھے یہ کتاب ملی، کتاب کو جب پڑھنا شروع کیا تو صرف ڈیڑھ دودن میں پوری کتاب ہی ختم کر کے رکھی، اس کتاب کو

پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ اس کی کچھ فصلیں بہت اختصار کے ساتھ اور سندوں کو حذف کر کے قارئین زمزم کی ضیافت طبع کے لئے زمزم میں شائع کروں، انشاء اللہ یہ سلسلہ دو چار قسطوں تک چلے گا۔

امام اعظم کا سن ولادت: فضل بن دکین ابونعیم حضرت امام اعظم سے روایت کرتے ہیں کہ امام نے ان سے بیان کیا کہ ان کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔

وفات: یہی فضل بن دکین ابونعیم فرماتے ہیں کہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، اور ان کی عمر ستر سال کی تھی، محمد بن عمر واقدی فرماتے ہیں امام کی وفات کا مہینہ شعبان تھا اور زمانہ ابوجعفر منصور عباس خلیفہ کا تھا۔

نسب: یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم کے والد کا نام ثابت تھا (دادا کا نام نعمان تھا اور نعمان کے والد کا نام مرزبان تھا جو فارسی النسل تھے)

امام ابوحنیفہ کے بعض اوصاف: ابونعیم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ خوبصورت اچھے چہرے اور اچھی ڈاڑھی اور اچھے لباس والے تھے۔

عبدالواحد بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے سر پر میں نے کالی اور لمبی ٹوپی دیکھی تھی نضر بن محمد کہتے ہیں کہ امام حنیفہ اچھا اور عطر والا لباس پہنتے تھے، ان کا لباس قیمتی ہوتا تھا، بعض دفعہ لوگوں نے ان کے جسم پر تیس دینار قیمت کا لباس دیکھا۔

امام کی عادت واخلاق: حسن بن اسماعیل بن مجالد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ میں ایک دفعہ ہارون رشید کے دربار میں تھا، ہارون نے امام ابویوسف سے کہا کہ ہم سے امام ابوحنیفہ کے اخلاق اور ان کی عادت کیا تھی بیان کرو تو امام ابویوسف نے فرمایا۔

"امیر المؤمنین جو کچھ زبان سے نکلتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو نوٹ کرتا رہتا ہے۔ ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید، اور کیا کہا جا رہا ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ خدا کی قسم ابوحنیفہ اس بات سے بہت زیادہ دور رکھنے والے تھے کہ کسی حرام

چیز میں کوئی پڑے، دنیا والوں سے دنیا کی باتوں سے الگ تھلگ رہنے والے تھے، بہت زیادہ خاموشی والے تھے۔ ہمیشہ سوچ و بچار میں رہتے تھے (یعنی انہیں آخرت کی فکر رہا کرتی تھی) بکواس کرنے والے اور بلا وجہ زیادہ بولنے والے نہیں تھے۔ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں ان سے پوچھا جاتا اگر انہیں اس کا علم ہوتا تو جیسا انہوں نے سنا ہوتا اس کے مطابق جواب دیتے، یا اس جیسے مسئلوں پر قیاس کرتے، امیر المؤمنین میں نے ان کو اپنے نفس اور اپنے دین کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والے پایا ہے، اپنے آپ سے ان کو مطلب ہوتا تو لوگوں سے کم مطلب ہوتا، دوسروں کا ذکر وہ ہمیشہ خیر سے کرتے تھے۔

امام ابو یوسف کی یہ بات سن کر ہارون رشید نے کہا ھذہ اخلاق الصالحین یعنی نیک لوگوں کے اخلاق یہی ہوتے ہیں۔

اسحٰق بن اسرائیل کہتے ہیں کہ سفیان ابن عیینہ کے سامنے بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کا ذکر برائی سے کیا تو امام سفیان بن عیینہ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ خاموش رہو، امام ابوحنیفہ سب سے زیادہ نماز پڑھنے والے تھے، اور سب سے زیادہ امانت دار تھے اور سب سے اچھے صاحب مروت تھے۔

حجر بن عبداللہ حضرمی فرماتے تھے کہ لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے شریف النفس مجلس والا نہیں دیکھا ہے اور نہ ان سے زیادہ اپنے شاگردوں کا اکرام کرنے والا دیکھا ہے۔

شریک بن عبداللہ کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ بہت زیادہ خاموشی اختیار کرنے والے تھے، ہمیشہ ان پر فکر آخرت کا غلبہ ہوتا، بڑی عقل والے تھے۔ لوگوں سے بات چیت بہت کم کرتے تھے۔ حسن بن صالح بن حسین کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، اور حرام کو حلال کرنے سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی عالم یا غیر عالم کو نہیں دیکھا کہ اپنی مجلس میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ باوقار ہو، اور نہ ان سے زیادہ کوئی اچھا بردبار اور حسن خلق والا دیکھا۔ ایک بار ہم ان کی مجلس میں جامع مسجد میں تھے کہ ان کی گود میں چھت پر سے ایک سانپ گرا مگر امام حنیفہ نہ گھبرائے اور نہ ڈرے بلکہ صرف اپنا کپڑا جھاڑا ان کے علاوہ جو لوگ بھی تھے سب بھاگ گئے۔ لوگوں نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ آپ کا کیا حال تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھا، حضرت عبداللہ بن مبارک اس کے بعد دیر تک حضرت امام اعظم کے اخلاق اور ان کے اوصاف کا تذکرہ کرتے رہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے امام صاحب سے پوچھا کہ جب سانپ گرا تو آپ کو ڈر نہیں محسوس ہوا؟ تو امام صاحب نے فرمایا! میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ہوں

مثنی بن رجاء فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا دستور یہ تھا کہ جتنا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے اتنا ہی کا صدقہ کرتے، اور جیسا خود پہنتے شیوخ اہل علم کو بھی اس طریقہ کا لباس پہناتے اور جب اپنے سامنے کھانے کے لئے کھانا رکھتے تو اسی طرح کا سالن روٹی کے ساتھ پہلے فقراء کو کھلاتے۔

خارجہ بن مصعب فرماتے ہیں کہ میں حج کے سفر کے لئے گیا تو میری ایک باندی تھی اس کو میں نے امام ابوحنیفہ کے گھر چھوڑ دیا، میں مکہ میں اور مصر میں چار ماہ رہا چار ماہ کے بعد کوفہ واپس ہوا میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ نے باندی کو خدمت میں کیسا پایا تو انہوں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا تمہیں یہ خیال ہوا کہ میری نگاہ اس پر پڑی ہوگی؟ خدا کی قسم میں نے جب سے تم گئے ہو اس وقت سے اب تک نہ اس کو دیکھا اور نہ میری نظر اس پر پڑی، خارجہ نے باندی سے اس کی بابت پوچھا تو اس نے کہا واللہ میں نے اس جیسا آدمی دنیا میں نہیں دیکھا اور نہ میں نے امام صاحب جیسے آدمی کے بارے میں کسی سے سنا میں نے ان کو دیکھا کہ اس پورے زمانہ میں اپنی

بیوی سے صحبت بھی نہیں کی اور نہ انہوں نے جب سے میں ان کے گھر میں ہوں غسل جنابت کیا ان کی بیوی نے مجھ سے کہا کہ عورتوں کے پاس جانے کو تمہاری وجہ سے حلال نہیں سمجھا کہ کہیں تمہارے دل میں بھی مردوں کے قریب ہونے کا خیال پیدا نہ ہو۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ چونکہ امام ابوحنیفہ کا میل جول لوگوں سے کم رہا کرتا تھا تو لوگ خیال کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ میں کبر اور نخوت ہے، حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے کم اختلاط رکھنا یہ ان کی طبیعت تھی، حسین بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ دو باتوں میں مشہور تھے فضل وکمال میں اور کم گفتگو کرنے میں۔

قیس بن ربیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صاحب ورع اور متقی تھے اور اپنے ہم عصروں میں علم وفضل میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، ابن جریج کہتے ہیں کہ تمہارا یہ کوفی امام اللہ سے ڈرنے والا ہے محمد بن جابر کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ سے اگر کچھ پوچھا نہ جاتا تو گفتگو کم کرنے والے تھے، کم ہنسنے والے تھے، بہت زیادہ فکر آخرت والے تھے، چہرہ پر بشاشت نہیں ہوتی تھی ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی ابھی کسی تازہ مصیبت کا شکار ہیں۔

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کے گھر کے احوال کی خبر رکھتے تھے۔ اور ان کی ضرورت کے مطابق کسی کو پچاس دینار کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے کم ان کے حسب ضرورت رقم مہیا کرتے تھے۔ لوگوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا تھا ان کے لئے خام ریشم خریدتے پھر اس کو تجارت کا سامان بنا کر بیچتے اور اس کا نفع ان کو دے کر فرماتے تھے کہ میں نے تم کو اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا ہے یہ تمہارے ہی پیسے کا نفع ہے جس کو اللہ نے میرے ہاتھ پر تم کو رزق دیا ہے، پس اللہ کا شکر ادا کرو،

عبداللہ بن داؤد خریبی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کے نام سے آپ کی تحریر کے مطابق

ایک خط خود لکھ کر اس سے رقم حاصل کرنے کے لئے بھیجا اس نے چار ہزار درہم مجھ کو دے تو امام صاحب نے کہا اگر اس طرح تم فائدہ اٹھا سکتے ہو تو ایسا کر لیا کرو،

امام ابوحنیفہ کا خواب: حسن بن مالک حضرت امام ابو یوسف سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا کہ گویا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں اور ان کو ایک دوسرے میں جوڑ رہے ہیں، اس خواب سے امام ابوحنیفہ گھبرا گئے، اتفاق سے اس وقت امام ابوحنیفہ کے ایک دوست بصرہ جا رہے تھے، امام صاحب نے ان سے کہا کہ میرا نام لئے بغیر حضرت محمد بن سیرین سے ان سے اس کی تعبیر پوچھو (ابن سیرین خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں میں مشہور امام ہیں) وہ آدمی بصرہ گیا اور اس نے اس خواب کو ابن سیرین سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ اس خواب کا دیکھنے والا ہمارے شہر کا ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جمع کرے گا اور اس کو زندہ کرے گا۔

بعض روایت میں ہے کہ خود امام صاحب نے اس آدمی کو ابن سیرین سے اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے بصرہ بھیجا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں کوفہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ اس شہر میں سب سے صاحب ورع وتقویٰ کون ہے؟ تو لوگوں نے صرف ایک نام لیا اور وہ امام ابوحنیفہ کا نام تھا۔

جبارۃ بن مغلس کہتے ہیں کہ میں نے قیس بن ربیع کو یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ متقی اور پرہیزگار تھے۔

نضر بن محمد فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ متقی اور پرہیزگار تھے، یہی نضر بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا، اور جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے تو بجائے ان کا نام لینے کے اس طرح ان کی حدیث

روایت کرتے تھے۔ حدثنی الورع العفیف، مجھ سے ایک پاک دامن اور متقی شخص نے بیان کیا۔

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک تیلی نے امام ابوحنیفہ کے پاس ایک لاکھ درہم بطور امانت کے رکھا، اس کی اطلاع اس نے کسی کو نہیں کی، پھر اس کا انتقال ہوگیا، جب بچے بڑے اور سمجھدار ہوگئے تو امام ابوحنیفہ نے بچوں کو یہ سب مال واپس کر دیا اور کسی کو اس کا گواہ بھی نہیں بنایا، اور یوں فرمایا کہ اس کو شہرت نہیں دینا چاہتا ہوں۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار فقہاء کو پایا ہے اور ان میں سے اکثر سے روایت بھی کیا ہے ان فقہاء میں سے پانچ سے زیادہ کسی کو اروع واعلم (یعنی صاحب ورع میں اور حلم وبردباری میں سب سے زیادہ) نہیں پایا اور ان پانچوں میں بھی امام ابوحنیفہ سب سے اول تھے۔

فضل بن دکین کہتے ہیں کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ بڑی امانت والے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ہر رات ایک رکعت میں قرآن ختم کیا کرتے تھے اور یہ نماز ان کی وتر ہوا کرتی تھی،

ابو سنان کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ عشاء اور فجر کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھا کرتے تھے (۱) یحیی بن عبد الحمید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت

---

(۱) یہ بات بہت سے اکابر سے منقول ہے کہ انہوں نے سالہا سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے مثلاً حضرت عثمان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے پورا قرآن حرم شریف میں ایک رکعت میں ختم کیا حضرت عروہ ابن زبیر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دن میں ایک ختم کرتے تھے پھر رات میں نفل میں پورا قرآن ختم کرتے تھے، علی ابن حسین جو خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے موت تک رات ودن میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے، سعید ابن جبیر مشہور تابعی ہیں انہوں نے کعبہ کے اندر پورا قرآن ایک رات میں ایک رکعت میں ختم کیا، حضرت وہب ابن منبہ مشہور تابعی ہیں انہوں نے بیس سال تک فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی سید الحفاظ حضرت یحیی بن سعید

امام ابوحنیفہ کی صحبت میں چھ ماہ رہا میں نے اس مدت میں دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے، رات کے شروع حصہ میں سو لیتے تھے، بعد میں پوری رات جاگنے کا معمول ہو گیا تھا،

ابن ابی رزمہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ متوکل نامی اہل کوفہ کے ایک آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں امام ابوحنیفہ کے پڑوس میں چار سال رہا تو ان کا معمول یہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر اپنے شاگردوں سے گفتگو کرتے پھر تھوڑی دیر سو جاتے اور پھر صبح تک وہ قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے۔

ام حمید نامی ایک عورت جو حضرت امام ابوحنیفہ کے بچوں کی دایہ تھی وہ کہتی تھی کہ جب سے میں نے امام ابوحنیفہ کو جانا ہے، رات میں تکیہ لگا کر کبھی سوتے نہیں، ان کا سونا گرمی کے زمانہ میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوا کرتا تھا، اور جاڑے کے زمانہ میں شروع رات میں سو لیا کرتے تھے۔

ابوعبدالرحمٰن مقری کے پاس ایک شخص نے امام ابوحنیفہ کا ذکر چھیڑا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے ان کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں ان سے میری ملاقات نہیں ہے، تو مقری نے فرمایا کہ اگر تم ان کو حالت نماز میں دیکھتے تو بخدا سمجھتے کہ ان کو نماز کے علاوہ کسی اور چیز سے مطلب نہیں ہے۔

یزید بن کمیت کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے ان کا گھر اور میرا گھر ایک ہی جگہ تھا یعنی وہ میرے پڑوسی تھے ہماری مسجد بھی ایک ہی تھی کمیت کہتے ہیں کہ مسجد کے مؤذن نے بتلایا کہ ایک روز مسجد کے امام نے عشاء

قطان کے بارے میں امام وکیع فرماتے ہیں وہ بیس سال تک ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے، خود حضرت امام وکیع بھی ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں چوبیس گھنٹے میں روزانہ دو ختم کرتے اور پورے رمضان میں ساٹھ ختم کرتے، امام بخاری رمضان کے زمانہ میں رات میں تراویح کے علاوہ دس پارہ پڑھتے اور دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے۔ تفصیل کے لئے میری کتاب ارمغان حق جلد اول ص ۲۱۰ دیکھئے۔

کی نماز میں سورہ زلزال پڑھی نماز کے بعد اور لوگ تو مسجد سے نکل گئے
امام ابوحنفیہ اپنی جگہ بیٹھے رہے، میں نے ان سے کہا کہ آپ تشریف نہیں
لے جائیں گے؟ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، جاؤ اپنا کام کرو، تو میں
چراغ جلتا ہی ہوا مسجد سے باہر آگیا، اور روشن دان سے دیکھنے لگا کہ حضرت امام
ابوحنیفہ کیا کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ کھڑے ہوئے اور اپنی ڈاڑھی
پکڑی اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کا بھی بدلہ دیتی ہے اور ذرہ
برابر شر کا بھی بدلہ دیتی ہے۔ نعمان کو اپنی عفو سے ڈھانک لے اور اس کی لغزش کو اپنی
رحمت کی وسعت میں جگہ دے یا ارحم الراحمین، اور انہیں کلمات کو وہ بار بار دہراتے
رہے تا آنکہ میں اکتا کر اپنے گھر چلا گیا پھر جب میں فجر کی نماز کے لئے مسجد آیا تو میں
نے دیکھا کہ وہ اسی طرح کھڑے ہیں جب مجھے دیکھا تو بیٹھ گئے وہ رو رہے تھے، اس
رات وہ پوری رات سوئے نہیں۔ ابوداؤد حضرمی کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی وفات
کے بعد حضرت امام سفیان ثوری جب بھی ان کا ذکر کرتے تو رحمۃ اللہ علیہ کہتے،
ابو عاصم نبیل فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ کی کثرت صلاۃ کی وجہ سے
ان کا نام ستون رکھ رکھا تھا

حضرت امام ابوحنیفہ کے خوف وخشیت کے بارے میں

امام وکیع حسن بن صالح سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ
اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک شخص کو میں نے سنا کہ وہ امام ابوحنیفہ سے کہہ
رہا تھا کہ اتق اللہ تم اللہ سے ڈرو حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کی یہ بات سنی تو ان کا پورا
بدن کانپ گیا اور ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور انہوں نے اپنا سر جھکا لیا، اور اس آدمی سے کہا
کہ اے میرے بھائی اللہ تم کو جزائے خیر دے، اسی طرح کی بات تم مجھ سے کہا کرو،

لوگوں کو ایسے آدمی کی بہت زیادہ ضرورت ہے جوان کو ہر وقت نصیحت کیا کرے۔

امام وکیع یزید بن کمبت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز امام ابوحنیفہ کے ایک غلام نے ریشم کی ایک گھانٹھ کو کھولا تو اسی میں سبز پیلا اور سرخ ریشم تھا، تو اس غلام نے کہا کہ ہم تو اللہ سے جنت مانگتے ہیں تو امام اس کی اس بات کو سن کر اتنا روئے کہ پورا بدن کانپنے لگا اور انہوں نے دوکان بند کرادی اور اسی وقت سر جھکا کر تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب دوسرا روز ہوا تو میں ان کے پاس بیٹھا تھا اور چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا، انہوں نے دیر تک اپنا سر جھکایا، پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ، میرے بھائی ہم لوگ کتنے جری ہو گئے ہیں ہم میں کا ایک آدمی اللہ سے جنت مانگتا ہے۔ اللہ سے جنت تو وہ مانگے اپنے کو جنت کے لئے راضی کرلیا ہو، ہم جیسے لوگوں کو تو اللہ سے عفو و درگزر کی درخواست کرنا چاہئے،

اسحٰق بن حسن فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ کہتے سنا کہ اگر مجھے لوگوں کو دین کے بارے تنگی میں پڑنے کا خوف ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا، میں سب سے زیادہ فتویٰ دینے سے ڈرتا ہوں۔

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

کفی حزنا الا حیاۃ ھنیئۃ.......ولا عمل یرضی اللہ صالح

رنج و غم کے لئے یہی کافی ہے کہ اچھی زندگی حاصل ہو اور کوئی نیک عمل نہیں ہے جو اللہ کو راضی کرے۔

(جاری)

محمد اجمل مفتاحی

حضرت امام ابوحنیفہ کے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر پڑھنے پر اعتراض اور اس کا جواب

<u>محمد ابوبکر غازیپوری</u>

مکرمی حضرت مولانا صاحب زید مجدہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک غیر مقلد عالم صاحب نے ہمارے بعض دوستوں سے کہا کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی تھی، پھر اس نے کہا کہ کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے، میں نے بعض علماء سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان کے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا، براہ کرام آپ اس بارے میں کچھ تحریر فرمادیں، کرم ہوگا اور خدشات دور کریں، آپ کی صحت وعافیت اور زمزم کی بقاء کے لئے دعا گوہوں۔

عبدالقیوم انصاری

دھولیہ ضلع ناسک مہاراشٹر

زمزم!

آپ کا خط ملے ہوئے چند ہفتے گزر گئے اور میرا حال اور زمزم کا حال دونوں کا براؔ ہے، زمزم کا خریداروں کی طرف سے بقایاجات وصول نہیں ہورہے ہیں جس کی وجہ سے زمزم کو مالی دشواریوں کا سخت سامنا ہے، میرا حال ابھی کچھ بہت اچھا نہیں ہے، پاؤں کی تکلیف ہر روز بڑھتی جارہی ہے، لکھنا پڑھنا بہت کم ہوگیا ہے۔

آپ کے سوال کا جواب میری کتاب ''ارمغان حق'' جلد اول کے صفحہ ۲۱۰ پر ہے۔ یہ مضمون تقریباً بارہ صفحے کا ہے اس کو پڑھ لیں ان شاء اللہ تسلی ہوجائے گی۔

البتہ غیر مقلد عالم صاحب کو مطمئن کرنا بہت مشکل ہے۔ ان حضرات کا اعتراض تحقیق حق اور اعتراف حق کیلئے نہیں ہوتا ہے، ان کا مقصد عوام کو حضرت امام اعظم اور احناف کی کتابوں سے بدظن کرنا ہوتا ہے، یہ ان کے نزدیک دین کی سب سے بڑی خدمت ہوتی ہے، غیر مقلدیت کی چکی صرف اسی مقصد کیلئے گھوما کرتی ہے۔

بہر حال مختصراً عرض یہ ہے کہ ہم اگر اسلاف کو اپنے اوپر قیاس کریں تو یہ بڑا احمق پنا ہے، ان کا زمانہ کچھ اور تھا ہمارا زمانہ کچھ اور ہے، اس زمانہ کی برکتیں ہمارے زمانہ میں کہاں، ان کے علم میں برکت تھی، ان کی عبادتوں میں برکت تھی، ان کے وقتوں میں برکت تھی، ان کے لکھنے پڑھنے میں بھی برکت تھی، ان کی زندگی مسلسل عبادت، مسلسل جہاد، مسلسل علم اور سراپا خیر اور پھر تقوی وطہارت اور نفس کی پاکیزگی جو ان کو حاصل تھی ان کا اس زمانہ میں بڑے سے بڑے متقی عابد اور زاہد میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، غیر مقلد حضرات کا احمق پنا یہی ہے کہ وہ اسلاف کو اور ان کے زمانہ کو اپنے اوپر اور اپنے زمانہ پر قیاس کرتے ہیں، اور جو چیز ان کو اس زمانہ میں محال نظر آتی ہے اس کو یہ حضرات اس زمانہ میں بھی اس کا وقوع محال سمجھتے ہیں، آج کون ہے جو تین لاکھ حدیث کا حافظ ہو، چھ لاکھ حدیث یاد رکھتا ہو، دس لاکھ حدیث یاد رکھتا ہو مگر اسلاف میں کتنے محدث ایسے گزرے ہیں جن کے حافظہ میں اتنی مقدار حدیث کی محفوظ تھی، ایک مجلس میں سو حدیثیں سن کر اسی مجلس میں اسکو اپنے حافظہ سے دہرا دینے کا واقعہ ایک دو محدث کا نہیں دسیوں محدث کا ہے۔ حتی کہ اس زمانہ کے خلفاء وامراء بھی اس ذوق وشوق اور ایسے ہی قوت حافظہ کے مالک تھے، مامون خلیفہ عباسی نے ایک مرتبہ ایک محدث سے سو حدیثیں سنیں اور اسی وقت اسی محدث کے سامنے اپنے حافظہ سے دہرادی، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رمضان میں روزانہ ایک ختم قرآن کرتا تھا، یعنی پورے رمضان میں تیس ختم۔ علم کا شوق یہ تھا کہ علی بن المدنی (جو امام بخاری کے سب سے بڑے شیخ ہیں) کی مجلس میں جگہ پانے کیلئے ایک روز پہلے ہی سے جگہ

بنالیتے تھے اور رات بھر جاگ کر گزار دیتے تا کہ ان کی جگہ پر دوسرا نہ قبضہ کر لے، چنانچہ جعفر بن درستویہ کا بیان ہے کہ کنا ناخذ المجلس فی مجلس علی بن المدینی وقت العصر الیوم لمجلس غد فنقعد طول اللیل مخافة ان لاندرک من الغد موضعاً۔ یعنی جعفر بن دوستویہ کا بیان ہے کہ علی بن المدینی سے حدیثیں سننے کے شوق میں لوگ ایک روز قبل ہی سے ان کی مجلس میں جگہ حاصل کرنے کیلئے عصر کے وقت سے بیٹھنا شروع کر دیتے تھے اور اس کے لئے رات بھر جاگا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ہم مصر میں سات ہفتہ رہے اور اس درمیان ہم نے شوربا نہیں چکھا، ایک شیخ کی مجلس سے اٹھتے تو دوسرے کا وقت ہو جاتا اور دوسرے کے درس سے اٹھتے تو تیسرے کا وقت ہو جاتا، دن کو حدیثیں سنتے اور رات کو اس کو نقل کرتے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ ہم آگ جلائیں اور کھانا پکائیں۔ ایک دفعہ ہم نے مچھلی خریدی مگر تین دن تک وہ پڑی رہی اور ہم کو پکانے کا موقع نہیں ملا، جب وہ بدبو دینے لگی تو ہم نے اس کو کچی ہی کھالیا، اس طرح کے کتنے واقعات ہیں جن سے ہمارے اسلاف کی زندگی روشن وتاباں تھی۔ آج ہم اس کا کیا تصور کر سکتے ہیں۔

اسلاف کی عبادتوں کا بھی یہی حال تھا۔ عشاء کے وضو سے فجر پڑھنے کا واقعہ صرف امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے بلکہ اسلاف کی ایک بڑی جماعت سے اس طرح کے واقعات منقول ہیں، ان واقعات کے بارے میں کسی غیر مقلد نے کبھی زبان نہیں کھولی نہ اسکو ان میں کوئی اشکال پیدا ہوا، ان اللہ کے بندوں کو اشکال صرف امام ابوحنیفہ کے بارے میں پیدا ہوتا ہے۔

حضرت امام مالک کے بارے میں ان کی باندی کا بیان ہے کہ وہ عام طور پر صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے۔ ان کی باندی کہتی ہے کہ پچاسوں سال سے میں ان کا یہی معمول دیکھ رہی ہوں۔ (ترتیب المدارک ج ۳ ص ۲۵)

عبدالملک بن حبیب رات بھر کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کا وقت ہوجاتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ ماصلیت ھذہ الصلوٰۃ الا بوضوء العشاء الآخرۃ۔ یعنی میں فجر کی نماز ہمیشہ عشاء کے وضوء سے پڑھی ہے۔

(ایضاً ج ۳ ص ۴۴)

ابوبکر محمد بن اللباد کا بیان ہے کہ محمد بن عبدوس نے عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز تیس سال تک پڑھی۔ صلی الصبح بوضوء العشاء.......... ثلاثین سنة. پندرہ سال پڑھنے کے زمانے میں اور پندرہ سال عبادت کے شوق میں (ایضاً ج ۳ ص ۱۲۴)

یوسف بن عمر قواس کہتے ہیں کہ ابوبکر نیشاپوری سے میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ کیا تم ایسے آدمی کو جانتے ہو جس نے چالیس سال اس طرح گذار دیے کہ وہ رات کو گھٹنے کے بل پڑا رہتا تھا اور صرف پانچ دانہ چوبیس گھنٹے میں اس کی غذا تھی اور فجر کی نماز عشاء کے وضوء سے اس نے پڑھی؟ پھر انہوں نے خود اس کا جواب دیا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ اور یہ ساری باتیں میری شادی سے قبل کی ہیں، میں اس کو کیا کہوں جس نے میری شادی کرائی، مگر اس نے میرے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ کیا۔

یہ سارے واقعات اور اس سے بھی زیادہ محیر الواقعات ہمارے اسلاف کی زندگیوں میں موجود ہیں، آج ان کو پڑھو تو ہماری عقلیں دنگ اور حیران رہتی ہیں، اور اگر آدمی غیر مقلدوں جیسی عقل والا ہو تو وہ ان کو محال سمجھ کر انکار کردے گا۔ مگر واقعہ واقعہ ہے اور تاریخ کے سفینوں میں یہ واقعات محفوظ ہیں۔

تو اگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہیں یہ لکھا ہو کہ انہوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی ہے تو یہ ایسی کون سی بات ہوگی جس کی مثال تاریخ میں اور کسی کی زندگی میں نہیں ملتی ہے۔ جب اس طرح کے واقعات اوروں کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں تو صرف امام ابوحنیفہ ہی کے

بارے میں اشکال کیوں پیدا ہوتا ہے۔؟ دوسروں کے بارے میں غیر مقلدوں کے لب کیوں حرکت نہیں کرتے۔

بات دراصل یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے دلوں میں امام ابوحنیفہ کا بغض سمایا ہوا ہے اس لئے ان کا ہر ہنر ان کو عیب نظر آتا ہے، اور چونکہ ان کے مزاج میں فتنہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ فتنے اٹھاتے رہتے ہیں، میری آپ سے گذارش ہے کہ غیر مقلدین کی باتوں پر آپ دھیان نہ دیں، اور اگر کسی بات میں خدشہ محسوس کریں تو اہل علم سے ضرور رجوع کرلیا کریں۔

﴿ نوٹ ﴾

میں نے اس مضمون میں جو واقعات نقل کئے ہیں ان کو شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ کی کتاب صفحات من صبر العلماء طبع ثالث سے لیا ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

پانچ قسم کی عورتوں سے شادی سے بچو

حضرت امام ابوحنیفہ حضرت حماد سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے مدینہ کے ایک بوڑھے نے حضرت زید بن ثابت سے نقل کیا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے پوچھا کہ اے زید تم نے شادی کرلی؟ تو انہوں نے کہا ابھی نہیں یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا کہ شادی کرلو، تمہاری پاکدامنی میں اس سے مزید اضافہ ہوگا، البتہ پانچ قسم کی عورتوں سے شادی مت کرنا، حضرت زید نے پوچھا یا رسول اللہ یہ پانچ عورتیں کون سی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

لا تزوجن شهبرة ولا لهبرة ولا نهبرة ولا هيزرة ولا لغوتا

یعنی شہبرہ عورت سے اور لہبرہ عورت سے اور نہبرہ عورت سے اور ہیزرہ عورت سے اور لغوت عورت سے شادی مت کرنا، تو حضرت زید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میں تو ان عورتوں کو جانتا بھی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! شہبرہ وہ عورت ہے جس کی آنکھیں نیلی ہوں اور اس کی آنکھوں کی سفیدی باہر ظاہر ہو، اور زبان دراز اور فحش کلام ہو،

اور لہبرہ وہ عورت ہے جو بدن کی لمبی اور لاغر ہو، نہبرہ وہ عورت ہے جو بوڑھی اور زیادہ عمر والی ہو، اور ہیزرہ وہ عورت ہے جس کا قد چھوٹا اور بدشکل ہو، اور لغوت وہ عورت ہے جس کی اولاد دوسرے شوہر سے بھی ہو،

سیتانی کہتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کو بیان کر کے بڑی دیر تک ہنستے رہے، (مسند امام اعظم للحازمی: ج۲ص ۵۵۸)

احکام مصیبت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

حالات دو قسم کے ہیں۔ایک سرا یعنی نعمت وخوشی کی حالت۔دوسرے ضراء یعنی مصیبت ورنج کی حالت۔اس آیت میں دونوں کے احکام بتلائے گئے ہیں۔یہ آیتیں ان دونوں کے احکام کو مشتمل ہیں۔اسی لئے ان کو پڑھا گیا تو سمجھو کہ نعمت میں کیا احکام ہیں اور مصیبت میں کیا۔تو خوشی کے احکام تو قریب قریب سب کو معلوم ہیں۔اگرچہ تفاصیل میں کوتاہی ہو مگر مجملاً اکثر لوگ جانتے ہیں کہ خوشی کے کیا احکام ہیں مگر احکام مصیبت بہت کم لوگ جانتے ہیں کیونکہ یہ طبیعت کے خلاف حالت ہے اور انسان کو ناگوار ہے۔اور ظاہر ہے کہ ناگوار چیز کی طرف توجہ کم ہوا کرتی ہے۔نیز مصیبت میں چونکہ اشتغال ہوتا ہے یا پژمردگی، اس لئے بھی اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف توجہ کم ہوا کرتی ہے۔اس لئے میں اس کو بیان کرتا ہوں۔

☆ سب سے اول تو یہ حکم ہے کہ جب مصیبت میں ابتلاء ہو تو صبر کیا جائے کہ مومن کی یہی شان ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عجبا لامرا لمئومن(الی ان قال) ان اصابة سراء شکر فکان خیر اله وان اصابة ضراء صبر فکان خیراً له.

’’کہ مومن کی بھی عجیب حالت ہے کوئی حالت اس کو خسارہ نہیں پہنچا سکتی اگر اس کو خوشی پہنچتی ہے شکر کرتا ہے اور اگر مصیبت پہنچتی ہے صبر کرتا ہے۔تو دونوں حالتوں میں نفع میں رہا۔‘‘

دوسرا حق مصیبت کا یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے مصیبت میں مایوس نہ ہو بلکہ فضل وکرم الٰہی کا امیدوار رہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لاتیئسو من روح الله انه لا ییئس من روح الله الا القوم

الکفرون

(نا امید مت ہو اللہ کے فیض سے، بیشک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں)۔

کہ خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں مسلمانوں کو تو خدا سے بہت بڑی امید رکھنا چاہئے۔ پس کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ ہو دل شکستہ ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

ایک حکم یہ ہے کہ مصیبت کی وجہ سے دوسرے احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کرے اور ان کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ہر کسی کو معلوم ہے کہ عزیز کا مر جانا کتنی بڑی مصیبت ہے مگر حکم یہ ہے کہ صرف آنسو بہا سکتے ہو، چلانا اور شور مچانا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا لحاظ رکھنا بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی واجب ہے۔

ایک حکم یہ ہے کہ خدا سے اس مشکل کے آسان کر دینے کی دعا کرتا رہے اور تدابیر میں مشغول رہے مگر تدبیر کو کارگر نہ سمجھے۔ شریعت کا یہ مقصود نہیں کہ تمام تدابیر چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ دعا کا حکم تو اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعا کے برکت نہیں ہوتی اور یہ مقصود نہیں کہ صرف دعا پر اکتفا کیا جائے اور تدبیر کچھ نہ کی جائے۔ البتہ جن کی کوئی تدبیر نہیں جیسے بارش، ان کے لئے صرف دعا جائز ہے اور جس میں تدبیر ہو سکتی ہے اس میں تدبیر و دعا دونوں کرو۔

اب ہمارے اندر یہ کوتاہی ہے کہ دو جماعتیں ہو گئیں، بعض نے دعا کو اختیار کر کے تدبیر کو چھوڑ دیا اور بعض محض تدبیر کے پیچھے پڑ گئے اور دعا سے منکر ہو گئے۔ مگر ہم نے تو یہ دیکھا کہ جو منکر دعا ہیں مصیبت کے وقت وہی زیادہ گڑگڑاتے ہیں۔ ہائے افسوس! جو چیز اضطراری ہو، لوگ اس سے منکر ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کا خالق و فاعل ہونا کہ یہی مبنیٰ ہے دعا کا، ایک ایسی فطری بات ہے جس کا ہر دل اضطرارا قائل ہوتا ہے۔ ایک ملحد نے لکھا ہے کہ میں مدتوں خدا کا منکر رہا مگر دل کبھی زبان کے ساتھ متفق نہیں

ہوا۔ تو خدا ایک فطری چیز ہے فطرت سلیمہ خود اس کے ماننے میں سبقت کرتی ہے۔

ایک حکم مصیبت کا یہ ہے کہ استغفار کرو یعنی اپنے گناہوں سے معافی چاہو کیونکہ مصیبت اکثر گناہوں کی بدولت آتی ہے

مااصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء پر بھی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کیا ان پر بھی گناہوں کی بدولت نازل ہوتی ہے کیونکہ دیکھنا یہ ہے آیت قرآنی میں مااصابکم کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ اس کے مخاطب اہل مصائب ہیں۔ اور انہی لوگوں کا اس آیت میں حکم مذکور ہے اور جو اہل مصیبت نہ ہوں وہ اس آیت کے نہ مخاطب اور نہ ان کے واسطے یہ حکم۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام واقع میں اہل مصیبت نہیں کیونکہ مصیبت مرض کا نام نہیں بلکہ یہ تو صورت مصیبت ہیں۔ بادام وہ ہے جس میں مغز بھی ہو، مٹی کا خربوزہ خربوزہ ہی نہیں۔ پس انبیاء پر جو مصائب نازل ہوتے ہیں وہ صورت مصیبت ہیں حقیقت مصیبت ان پر نہیں آتی۔ کیونکہ اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی پیدا ہو۔ پس جو شخص بیمار ہو، اور دل کو پریشان پائے اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کے ورثاء اولیاء کرام چونکہ مرض وغیرہ میں بھی پریشان نہیں ہوتے اس لئے یہ مرض ان کے حق میں رحمت ہے اگرچہ صورۃ مصیبت ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر ان پر یہ بلائیں کیوں آتی ہیں۔ سو ان پر امراض وغیرہ کا نزول رفع درجات کے لئے ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے یعنی گنہگاروں کے اوپر جو مصائب نازل ہوتے ہیں وہ گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔ اس لئے استغفار کرنا بہت ضروری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر چہ برتو آید از ظلمات وغم
آں زبیا کی وگستاخی ہمت ہم

غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

سو مصیبت کے چار حکم تو یہ ہوئے۔ ایک پانچواں اور ہے۔ وہ یہ کہ اگر مصیبت ہمارے کسی بھائی مسلمان پر نازل ہو تو اس کو اپنے اوپر نازل سمجھا جائے اور اس کے لئے ویسی ہی تدبیر کی جائے جیسا کہ اپنے اوپر مصیبت نازل ہوتی اس وقت کرتے۔ واللہ! انسان کا دل تو وہ ہے کہ کتے کی مصیبت کو بھی نہیں سہ سکتا نہ کہ مسلمان کی مصیبت کو۔

اب منافق کو بھی غم خوار کہا جاتا ہے

یوں تو بات بناتے ہیں بنانے والے
سچ وہی ہے جو سردار کہا جاتا ہے

اہل اخلاص تو ناپید ہوئے جاتے ہیں
اب منافق کو بھی غم خوار کہا جاتا ہے

ہائے نیرنگیٔ حالات زمانہ دیکھو
میری انگلی کو بھی تلوار کہا جاتا ہے

جن کے اشعار سے ہو جاتی ہے بدنام غزل
ایسے شاعر کو بھی فنکار کہا جاتا ہے

غازی پوری

مسجد میں سونے کے بارے میں سوال کا جواب

مکرمی مولانا غازی پوری صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت والا، جماعت تبلیغ والے عموماً مساجد میں رات گزارتے ہیں، مساجد میں سونے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں آپ کا جواب ہمارے لئے شافی ہوتا ہے

والسلام

عبدالقیوم انصاری

میرٹھ چھاؤنی

زمزم! مساجد میں سونے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، عام حضرات شافعیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ مستقلاً مسجد نبوی ہی میں سویا کرتے تھے، اور بعض شوافع مقیم کے لئے مکروہ سمجھتے ہیں مسافر کے لئے نہیں، امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے، بعض سلف کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے اور سب سے صحیح بات یہ ہے کہ جس کے لئے رہنے کی جگہ ہو اس کو تو مسجد میں سونا مکروہ ہے اور جس کا گھر نہ ہو جیسے اصحاب صفہ تھے، اس کے لئے مکروہ نہیں، ملا علی قاری نے مرقاۃ میں یہی لکھا ہے۔ (ص ۱۸۹ ج ۲)

تبلیغی جماعت والے چونکہ مسافر ہوتے ہیں جہاں جاتے ہیں وہاں ان کے لئے کوئی مستقل قیام گاہ نہیں ہوتی ہے، اس لئے ان پر اعتراض کرنا بلاوجہ ہے اگر کوئی اعتکاف کی نیت کرے تو پھر مقیم، مسافر، گھر والا اور بے گھر والا سب کے لئے مسجد میں سونا جائز ہوگا کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت پر بلاوجہ کے اعتراض سے بچنا چاہئے یہ کام بڑی برکت والا ہے اللہ نے اس کے ذریعہ دین کی دعوت کو خوب عام کیا ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

دوسوچ اور دونوں صحیح

ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ اور امام محمد بن سیرین دونوں حضرات ایک جنازہ میں شرکت کے لئے چلے، وہاں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی اجتماع ہے، اس کو دیکھ کر ابن سیرین واپس ہو گئے، مگر حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط روش کی وجہ سے ہم اپنے ضروری کام کیسے چھوڑ دیں، نماز جنازہ فرض ہے اس کو مفسدہ (یعنی عورتوں کے اجتماع کی خرابی) کی وجہ سے کیسے چھوڑ دیں، ہاں اس کی کوشش تابمقدور کی جائے گی یہ مفسدہ مٹ جائے۔ (معارف القرآن: ج۲ص۴۲۲)

ایک پرحکمت بات

فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کا بیٹا نافرمان ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ اس کو کسی کام کے کرنے کے لئے کہوں گا تو انکار کرے گا اور اس کے خلاف کرے گا جس سے اس کا گنہ گار ہونا لازم آئے گا تو ایسی صورت میں باپ کو چاہئے کہ اس کو حکم کے انداز میں نہ کہے بلکہ اس طرح کہے کہ فلاں کام کرلیا جائے تو بہت اچھا ہوتا تا کہ انکار یا خلاف کرنے کی صورت میں ایک جدید نافرمانی کا گناہ اس پر عائد نہ ہو جائے۔

(معارف القرآن جلد سوم ص۴۲۳)

محمد اجمل مفتاحی

طٰہٰ شیرازی

خمارِ سلفیت

شیخ کلو حفظہ اللہ نے غیر مقلدوں والے رفع یدین سے توبہ کرلی

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! کچھ آپ نے سنا شیخ کلو حفظہ اللہ نے ہم لوگوں والے رفع یدین سے توبہ کرلی ہے اوراب وہ حنفیوں والا رفع یدین کررہے ہیں یعنی نماز میں صرف تکبیر کے وقت والا رفع یدین

باپ: بیٹا! یہ تو بہت بری خبر ہے، شیخ کلو حفظہ اللہ کا جماعت میں بڑا مقام ہے، اس کا دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔

بیٹا: ابا جی! پڑے گا نہیں پڑ گیا ہے، شیخ کلو کا لڑکا پپو، اور شیخ روح الدین کا لڑکا بھکیلو اور شیخ قمر الدین کا لڑکا نوری یہ سب کے سب شیخ کلو کے ساتھ ہو گئے ہیں۔

باپ: بیٹا! یہ حادثہ پیش کیسے آیا شیخ کلو حفظہ اللہ جیسا ہمارا مضبوط آدمی پھسل گیا؟

بیٹا: ابا جی! یہ ہماری غیر محتاط دعوت وتبلیغ سلفیت کا اور احادیث کے بارے میں غلط بیانیوں دوغلی پالیسیوں کا ثمرہ ہے،

باپ: بیٹا! تم تو بہت خفا معلوم ہوتے ہو، کیا تم بھی شیخ کلو کے ساتھ ہو گئے ہو؟

بیٹا: نہیں ابا جی! میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا، جاؤں گا تو آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔

باپ: بیٹا! قصہ تو بیان کرو، ہوا کیا؟

بیٹا: ابا جی! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ پرسوں شب ہماری جماعت نے ایک جلسہ ٹاؤن ہال میں کیا تھا اس جلسہ میں شیخ تواب علی حفظہ اللہ نے رفع یدین کے موضوع پر تقریر کی تھی اور یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جو بخاری والی روایتوں کو چھوڑتا ہے اور رفع یدین نہیں کرتا نہ اس کی نماز ہوتی ہے اور نہ وہ کامل مومن ہے، حدیث رسول کا چھوڑنے والا فاسق وفاجر ہے، نہ اس کا اسلام معتبر اور نہ ایمان معتبر،

اس جلسہ میں طہ شیرازی کے پاس آنے جانے والا ایک حنفی نوجوان بھی تھا، اس نے جلسہ ہی میں تواب علی سے سوال کر دیا کہ کیا رفع یدین کے بارے میں اہل حدیثوں کا بخاری کی تمام روایات پر عمل ہے تو شیخ تواب علی نے بڑے بڑے جوش میں کہا کہ ہم لوگ بخاری شریف کی ہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

باپ: بیٹا! شیخ تواب علی نے تو بڑی پکی بات کہی۔

بیٹا: ابا جی! پہلے پوری بات تو سنیں، پھر معلوم ہوگا کہ شیخ تواب علی نے بات پکی کہی تھی کہ کچی، اس نوجوان نے پوچھا کہ بخاری شریف میں رفع یدین کے سلسلہ کی کتنی حدیثیں ہیں، تو شیخ تواب بغلیں جھانکنے لگے جب ان سے جواب نہیں بن پڑا تو دکتور نسل بندی حفظہ اللہ نے ان کے کان میں کہا کہ دو حدیثیں ہیں، اور دونوں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہیں تو شیخ تواب علی نے اس بات کو بڑی زوردار آواز میں دہرایا، اس پر وہ نوجوان مسکرانے لگا،

باپ: بیٹا! بات تو مسکرانے ہی کی تھی نہ شیخ تواب کو معلوم ہوا اور نہ دکتور نسل بندی کو کہ بخاری شریف میں رفع یدین کی تین روایتیں ہیں،

بیٹا: جی ابا جی! اس نوجوان کو اسی بات پر ہنسی آئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ تم لوگوں کی ساری زندگی رفع یدین کی تبلیغ اور سلفیت کی ترویج اور غیر مقلدیت کی

اشاعت میں گزر گئی اور تم کو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ بخاری شریف میں رفع یدین کی دو حدیث ہے کہ تین ، پھر اس نے پوچھا کہ اچھا بتلاؤ کہ بخاری شریف میں رفع یدین کی جو تین احادیث ہیں اس میں کتنی جگہ رفع یدین کا ذکر ہے؟

تو شیخ تواب علی نے بڑے جوش میں کہا کہ اتنی جگہ کا ذکر ہے جتنی جگہ ہم اہل حدیث لوگ رفع یدین کرتے ہیں تو وہ نوجوان ہنسنے لگا اور اس نے پوچھا کہ آپ لوگ کتنی جگہ رفع یدین کرتے ہیں تو شیخ تواب علی نے کہا کہ تین جگہ کرتے ہیں، اس پر دکتور نسل بندی نے کہا کہ نہیں ہم لوگ چار جگہ کرتے ہیں، اس پر تواب علی کو غصہ آ گیا کہ ہم لوگ باپ دادا کے زمانے سے تین جگہ کرتے آرہے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم لوگ چار جگہ کرتے ہیں تو دکتور نسل بندی کو بھی غصہ آ گیا کہ تم اہل حدیث تین جگہ کرتے ہو گے ہم سلفی لوگ چار جگہ کرتے ہیں غرضیکہ وہ نوجوان مسکراتا رہا اور یہ سلفی اور اہل حدیث دونوں تین جگہ رفع یدین اور چار جگہ رفع یدین پر خوب لڑتے رہے، اور شیخ کلو حیران کہ سلفیوں کا مذہب ٹھیک ہے چار جگہ رفع یدین والا یا اہل حدیثوں کا مسلک صحیح ہے، تین جگہ رفع یدین والا بخاری شریف کی دو روایتوں میں تین جگہ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں چار جگہ کا ذکر ہے اگر کوئی تین جگہ رفع یدین کرتا ہے تو چار والی حدیث چھوٹتی ہے اور اگر چار جگہ رفع یدین کرتا ہے تو تین والی روایت چھوٹتی ہے یعنی نہ سلفیوں کا بخاری کی تمام حدیث پر عمل ہے اور نہ اہل حدیثوں کا عمل بخاری شریف کی ہر ہر حدیث پر ہے اور دعویٰ سب کا ہے یعنی اہل حدیثوں کا بھی اور سلفیوں کا بھی کہ ان کا عمل بخاری کی تمام روایات پر ہوتا ہے اور ابھی شیخ کلو کی رفع یدین کے بارے میں یہ سوچ بچار جاری تھی کہ کسی نے پیچھے سے ایک پرچہ

شیخ کلو کے ہاتھ میں بڑھا دیا جس میں بخاری کی یہ حدیث تھی۔

محمد بن عمرو بن عطا فرماتے ہیں کہ وہ چند صحابہ کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر ہونے لگا کہ آپ کی نماز کیسی ہوا کرتی تھی، اس مجلس میں ابو حمید الساعدی بھی تھے انہوں نے ان صحابہ کرام سے فرمایا کہ مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ محفوظ ہے پھر انہوں نے ان صحابہ کرام کے سامنے جو نماز پڑھی تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا یعنی جس طرح احناف نماز میں صرف ایک جگہ شروع نماز میں رفع یدین کرتے ہیں اسی طرح کی نماز پڑھ کر دکھلائی اور کسی صحابی نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آنحضور تو نماز میں تین یا چار جگہ رفع یدین کرتے تھے تم نے صرف ایک جگہ رفع یدین کیا ہے یعنی سارے صحابہ نے ابو حمید ساعدی کی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت والی نماز قرار دیا، شیخ کلو نے جب اس حدیث کو پڑھا تو بخاری شریف منگا کر مجمع کے سامنے بخاری شریف کھولا تو باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں یہ حدیث مل گئی۔

باپ: واقعی مل گئی! بخاری شریف میں ایک جگہ رفع یدین کرنے والی بھی حدیث ہے؟

بیٹا: ابا جی! پورے مجمع میں بخاری شریف کھول کر یہ حدیث نکالی گئی اور خود شیخ ... نے اس کو زور سے پڑھا تو سارا مجمع حیران، شیخ جمن اور شیخ تواب علی کا چہرہ لٹک گیا، اور شیخ کلو نے کہا کہ ایک جگہ رفع یدین والی حدیث اتفاقی ہے بقیہ جگہ پر رفع یدین کرنے اور نہ کرنے پر امت کا اتفاق نہیں ہے اس لئے اب میرا مذہب رفع یدین کے بارے میں وہی ہوگا جو اجماعی اور اتفاقی مذہب ہے یعنی ایک جگہ رفع یدین کرنے والا، جیسے کہ احناف کرتے ہیں۔

باپ: بیٹا! اس کا مطلب یہ ہے کہ تین جگہ اور چار جگہ والا رفع یدین مشکوک ہو گیا؟

بیٹا: ابا جی! بالکل مشکوک نہیں ہوا ہاں البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول صرف ایک جگہ شروع نماز میں رفع یدین کرنے کا تھا کبھی کبھی آپ نے دو جگہ تین جگہ چار جگہ پانچ جگہ بھی آپ نے رفع یدین کیا ہے مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول نہیں تھا، یہ اس طرح کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر بھی پیشاب کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے بخاری شریف میں اس کا ذکر ہے، مگر یہ آپ کا کبھی کبھار کا عمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ کا یہ عام معمول نہیں رہا ہے، سنت طریقہ بیٹھ کر کے پیشاب کرنے کا ہے،

باپ: بیٹا تمہاری بات تو کچھ سمجھ میں آرہی ہے،

بیٹا: ابا جی! ہمارے علما چاہے وہ سلفی ہوں چاہے غیر مقلد بخاری شریف کی تین اور چار جگہ رفع یدین والی حدیث کا چرچا تو کرتے ہیں اور اس کے سنت ہونے کی تبلیغ کرتے ہیں مگر بخاری شریف کی ایک جگہ والی حدیث کا نام بھی نہیں لیتے ایسا کیوں؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا۔

محمد اجمل مفتاحی

اہل علم کے لئے عظیم خوش خبری مکتبہ اثریہ کی تین نئی پیشکش

(۱) مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں اور مولانا مودودی

مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں عہد صحابہ کرام کی جو تصویر پیش کی ہے اور ان کے شاندار کردار پر حرف رکھا ہے اس کا مدلل جواب شگفتہ انداز تحریر مولانا غازی پوری کے قلم سے ایک اچھوتی اور نادر کتاب۔

قیمت صرف ۸۰/روپے

(۲) ارمغان حق جلد ثالث

مولانا غازی پوری کی مشہور کتاب ارمغان حق کی یہ تیسری جلد متنوع مضامین بہترین جلد عمدہ کتابت سے مزین ہوکر شائقین کے ہاتھوں پہونچ رہی ہے۔

قیمت صرف ۱۰۰/روپے۔

(۳) بریلوی مذہب پر ایک نظر

بریلوی مذہب کو جاننے کے لئے ایک دلچسپ کتاب اور دلچسپ انداز گفتگو اور سنجیدہ لب ولہجہ اپنے موضوع پر نہایت پر مغز کتاب۔ تالیف محمد ابوبکر غازی پوری مدیر زمزم۔ قیمت صرف ۶۰/روپے۔

مکتبہ اثریہ غازی پور کی تمام کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کریں۔

(۱) مکتبہ اثریہ قاسمی منزل محلہ سید واڑہ غازی پور (یوپی) انڈیا

(۲) ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاندلال کنواں دہلی ٦

(۳) مکتبہ فدائے ملت مفتی ٹولہ۔ نزد دار الطلبہ، لال باغ، مراد آباد، پن: ۲۴۴۰۰۱

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ)

کے زیر اہتمام

جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی و عصری تعلیم کے اہم مراکز

برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش۔انڈیا..........اور

برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال (ایم۔پی)۔انڈیا

☆اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

☆غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب: **حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ**

فون: 0091-755-2543466,2642715

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا
جلد ۱۴
شمارہ ۴
دوماہی دینی وعلمی مجلہ
زمزم
رجب-شعبان ۱۴۳۲ھ
مدیر مسئول ومدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری
سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے
پاکستان کے لئے ...... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر Punjab National Baink 0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور-یوپی
Pin. 233001 ...... Mob.9453497685/08423339082

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذشتہ دنوں امریکہ میں ایک پادری کے ذریعہ قرآن کریم کے جلائے جانے کا جو دلخراش اور نہایت ہی مکروہ واقعہ پیش آیا، وہ اسلام کے خلاف صلیبی قوم کے انتہائی تعصب کا مظہر تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلیبی دنیا میں اسلام دشمنی کس انتہا پر ہے، اور یہ قوم جو اپنے کو مہذب قوم کہتی ہے، کس قدر تعصب سے بھری اور مجرم قوم ہے، عیسائی دنیا میں اسلام کے خلاف، رسول اکرم محمد صلی اللہ علی وسلم کے خلاف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ آسمانی اور الٰہی کتاب، قرآن پاک کے ساتھ آئے دن اس طرح کے گھنونے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے اور ان کے صبر وضبط کا امتحان لیا جاتا ہے، ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور یہ مہذب کہلانے والی قوم اس طرح اپنے جذبہ عناد کو تسکین دیتی ہے، اور لطف یہ ہے کہ اس طرح کی گندی حرکتوں پر ان کو ان کی حکومت کی طرف سے کوئی سزا نہیں ملتی ہے اور نہ کوئی باز پرس ہوتی ہے چند لوگ یہاں وہاں سے ان معاملات کو دبا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ امریکہ کے اس مذہبی شخص نے قرآن کے جلانے کا جو گھنونا جرم کیا ہے یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں، کتنے واقعات اس طرح کے ہو چکے ہیں، کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویریں کپڑوں پر چھاپا جاتا ہے، کبھی محمد نام کو جوتوں پر لکھا جاتا ہے، کبھی مسلمانوں ہی میں سے رشدی اور تسنیمہ نسرین جیسے بدبخت انسانوں کو خرید کر، اسلام اور نبی اسلام کے خلاف گندی کتابیں لکھوائی جاتی ہیں اور ان حرکتوں کو مذہبی آزادی اور اظہار رائے کی آزادی کا نام دیا جاتا ہے اور عیسائی حکومتیں ان کو تحفظ فراہم کرتی ہیں،

اسلام کے ماننے والے جس کو عیسائی دنیا متعصب قوم کہتی ہے، ان سے دنیا کے کسی گوشہ میں کسی مذہب کے بارے میں کبھی اس طرح کی باتیں اور اس طرح کی

حرکتیں نہیں دیکھیں اور سنی گئیں، اسلام وہ مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو سارے مذاہب کا احترام سکھلاتا ہے، کسی مذہب کی توہین اور تحقیر اسلام میں جائز نہیں، اور عیسائی اور یہودی تو وہ قوم ہے، جس کی مذہبی کتابوں کو مسلمان آسمانی کتابوں کے ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان کتابوں کا احترام اور ان کا تقدس ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے، جن نبیوں پر یہ کتابیں اتری ہیں، ان کی شان میں ایک کلمۂ نازیبا کا استعمال کرنا، یا اپنے کسی عمل سے ان کی تحقیر کرنا اور ان کے تقدس کو پامال کرنا، اتنا ہی بڑا جرم ہے جیسے وہ اپنے نبی کے ساتھ یہ معاملہ کریں، حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کی ذات کو ہم بحیثیت نبی اتنا ہی محترم مانتے ہیں جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی توہین سے مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق ان کا ایمان ختم ہو جائے گا، اور پھر صرف حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اور دین یہود اور دین نصاریٰ کی بات نہیں ہے بلکہ ہندو سکھ پارسی بدھ ان کے بزرگوں کا ہم اسلام کے ماننے والے احترام کرتے ہیں، ان کے مذہب کی کتابوں کے خلاف حقارت کا اور بے ادبی کا معاملہ کرنے کو ہم حرام سمجھتے ہیں، ان مذاہب کے عقیدتمندوں کے جذبات کو ہم نے کبھی مجروح نہیں کیا، کبھی مسلمانوں نے کسی مذہب کی کتاب کو نہیں جلایا، ان مذاہب کے بزرگوں کے ساتھ ہم نے کبھی حقارت کا معاملہ نہیں کیا، کبھی ان کی تصویریں جوتوں پر نہیں چھاپی، ہمارا مذہب ہمیں تمام مذاہب کا احترام کرنا سکھلاتا ہے، اس کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اور ان کے رسول اور ان کی مذہبی کتاب کیساتھ جو عیسائی اور یہودی دنیا میں مجرمانہ اور متعصّبانہ حرکتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں وہ انتہائی درجہ قابل افسوس اور تکلیف دہ ہیں، اب اس پر کہیں مسلمانوں کے جذبات بھڑکتے ہیں اور انکار وعمل سامنے آتا ہے تو مسلمانوں کو متعصب قوم کہا جاتا ہے یعنی آپ اللہ اور نبی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس طرح کی حرکتیں کریں آپ تعصب سے پاک قوم ہیں، بڑی مہذب قوم ہیں، اور آپ کی گھناؤنی حرکتوں

سے اگر مسلمان کہیں مشتعل ہو جائیں تو وہ متعصب کہلائیں۔

امریکہ کے متعصب راہب نے قرآن کے جلانے کا جو جرم کیا ہے اس پر اس کو سخت سزا ملنی چاہئے تھی مگر چند ہلکا پھلکا بیان دے کر مسلمانوں کو بہلانے کی کوشش کی گئی امریکہ کے صدر اوباما نے اس راہب کے خلاف صرف بیان بازی کی اور جب افغانستان میں اس راہب کے مجرمانہ عمل پر افغانیوں کا ردعمل سامنے آیا اور افغان میں موجود اتحادی افواج میں سے چند نوجوانوں کو قتل کر دیا گیا تو اوباما کو ان کا یہ عمل ظالمانہ نظر آیا اور ان کے بیان میں سارا زور افغانیوں کے ظلم کی مذمت پر رہا،

ہمارے نزدیک بھی جرم کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے یہ جائز نہیں ہے، مگر تم مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ کیوں کرتے ہو کیوں ان کی مقدس کتاب اور ان کی مقدس شخصیتوں کو اپنے تعصب کا نشانہ بناتے ہو، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ کیا یہ جرم نہیں ہے؟ اس راہب کو اوباما نے کیا سزا دی؟ اوباما کو افغانیوں کا ظلم نظر آتا ہے، اور وہ خود کیا کر رہا ہے اور کیا کرا رہا ہے اس کو اپنا ظلم نظر نہیں آتا بلا کسی وجہ کے امریکہ نے عراق کو تباہ کر دیا لاکھوں لوگ موت کے منھ میں چلے گئے، ہزاروں ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں بچے یتیم ہوگئے، ہرا بھرا عراق جنگل بن گیا امریکہ کا یہ ظلم اوباما کو نظر نہیں آیا، سالہا سال سے افغانیوں پر امریکہ اور اس کے اتحادی بم برسا رہے ہیں اوباما کو یہ ظلم نظر نہیں آتا، اوباما پاکستان کے سرحدی علاقے میں کیا کر رہا ہے، ہر روز اس کی طرف سے وہاں کی معصوم عوام پر بمباری کی جاتی ہے، یہ ظلم نہیں ہے؟ اور تعجب ہے کہ پوری عیسائی دنیا میں اس پر کوئی احتجاج نہیں اور نہ کوئی ردعمل! اور تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ اسلامی حکومتیں اور امارتیں بھی ایسی خاموش ہیں جیسے کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے، اور طاؤس ورباب میں پڑے ان حکومتوں کے حکمران عیاشی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

نبوی ہدایات

محمد ابوبکر غازی پوری

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مجلس سے کسی بیٹھنے والے کو اٹھا کر آدمی اس کی جگہ پر بیٹھے، (بخاری) پہلے سے کوئی شخص آکر مجلس میں بیٹھا ہو اور دوسرا بعد میں آئے اور اس پہلے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر بیٹھے، یہ ایک طرح سے اس کو بے عزت کرنا ہے اور اپنی بڑائی کا اظہار ہے یا یوں کہا جائے کہ یہ انتہائی بداخلاقی کی بات ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکرام مسلم کی تاکید کی ہے، اور ہر اس عمل سے منع کیا ہے، جس سے مسلمان کا اکرام مجروح ہوتا ہو، البتہ اگر مجلس میں گنجائش ہو تو دوسروں کو خود سے آنے والے کے لئے جگہ پیدا کر دینا چاہئے،

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز عہد توڑنے والے کا ایک جھنڈا ہوگا، (جو اس کی بدعہدی کی علامت ہوگا) اور پکارا جائے گا کہ یہ فلاں کی دغابازی کا نشان ہے، (بخاری)

بدعہدی اور وعدہ خلافی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے، مومن کی شان یہ ہے کہ جو عہد کرے اسے پورا کرے، یہ بدعہدی اور وعدہ خلافی اتنا بڑا گناہ ہے کہ قیامت کے روز اس آدمی کی پہچان کے لئے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں کے ساتھ وعدہ خلافی اور بدعہدی کرتا تھا اس کے سر پر ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا جس کو لواء غدرہ کا نام دیا جائے گا یعنی بدعہدی کا نشان علم،

البتہ یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ یہ بات اس شخص کے لئے ہوگی جو عہد کرتے

وقت بدعہدی کی نیت رکھتا ہو، لیکن عہد کے وقت اس کی نیت اس عہد کو پورا کرنے کی ہے اور کسی مجبوری کی وجہ سے اس سے وہ عہد پورا نہ ہوسکا تو بدعہدی کا گناہ اس کو نہ ہوگا۔

(۳) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودی لڑکا خادم تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، (بخاری)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے، خواہ وہ بیمار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ غیر مسلم پڑوسی ہے تو اس کا حق اور بڑھ جاتا ہے، اور اگر وہ بیمار پڑوسی بھی ہو اور مسلمان بھی ہو تو مزید اس کی عیادت کرنے کا ثواب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا حق دوسرے مسلمان پر کیا کیا بنتا ہے۔ اس کو بیان کیا تو اس میں ایک بات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمائی کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کی جائے۔

بخاری کی اس حدیث میں جو بات بہت قابل غور اور قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ جس یہودی لڑکے کی عیادت کو آپ تشریف لے گئے، وہ آپ کا خادم تھا، اس خادم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز عمل سے بتلا دیا کہ خواہ بیمار مرتبہ و مقام کے اعتبار سے کتنا بھی حقیر ہو، اور اس کی عیادت والا خواہ مرتبہ کے اعتبار سے کتنا بھی بلند ہو، بیمار کی عیادت اس کی حقارت اور چھوٹائی کی وجہ سے چھوڑی نہیں جائے، اور عیادت کرنے والے اپنے مرتبہ کی بلندی کا لحاظ کر کے اگر اپنے سے کم مرتبہ کی عیادت نہیں کرتا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہے، اور وہ متکبر ہے،

افسوس صد افسوس کہ آج کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی بیمار ہوتا ہے اس کی عیادت کے لئے دور دور سے سفر کر کے لوگ آتے ہیں بہت سے لوگ ہوائی جہاز

سے آتے ہیں، مگر کوئی معمولی درجہ کا آدمی ہو تو پڑوس میں ہونے کے باوجود بھی اس کی عیادت اور بیمار پرسی کو جانا طبیعت پر بار ہوتا ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا اور ہمارا عمل کیا ہو گیا ہے، غور کرنے کی بات ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بخاری شریف میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پانی وغیرہ پیتا ہے تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکانے والا ہوتا ہے۔ یعنی اس کا یہ عمل اس کو دوزخ میں لے جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے سونے، چاندی، ریشم، دیبا وغیرہ کو ناپسند کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لئے ہے، مسلمانوں کے لئے یہ چیزیں آخرت میں ہوں گی، اصل میں یہ سب چیزیں انسان میں کبر اور غرور اور بڑائی پیدا کرتی ہیں، جب کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کو متواضع بنکر رہنا ہے، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ان چیزوں کو مسلمانوں کے لئے ناپسند فرمایا ہے، چاندی کے برتن کو کھانے پینے کے لئے استعمال کرنے سے اسی وجہ سے روکا ہے۔

اور ان چیزوں سے اس وجہ سے بھی روکا گیا ہے کہ یہ چیزیں انسان کو نازک بناتی ہیں یعنی ان میں زنانہ پن پیدا کرتی ہیں، جب کہ مردوں میں زنانہ پن کی صفت پیدا ہونا معیوب ہے، ان کو جہاد کرنا ہوتا ہے، حکومت کرنا ہوتا ہے، فساد اور ظلم کو روکنا ہوتا ہے ان باتوں کو عمل میں لانے کے لئے جرأت و ہمت شجاعت و بہادری کی ضرورت ہے نزاکت اور زنانہ پن کی صفت کے ساتھ یہ بڑے کام انجام نہیں دئے جا سکتے، اس وجہ سے ان چیزوں کو مردوں کے لئے حرام کیا گیا ہے عورتوں کے لئے نہیں، البتہ چونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانے پینے سے

کبر کا مرض بھی پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اس وجہ سے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔

(۵) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا ہے، بیمار کی عیادت کرنے کا حکم دیا ہے، جنازہ کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے، چھینکنے والے کے جواب میں (جب وہ الحمدللہ کہے تو) یرحمک اللہ کہنے کا حکم دیا ہے، دعوت کرنے والے کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے، سلام پھیلانے کا حکم دیا ہے، مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے اور قسم کھانے پر اس کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے،

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سات باتوں کا حکم دیا ہے، ان کو بجالانے سے اسلامی معاشرہ تکمیل پاتا ہے، اور ایک مسلمان کا جو دوسرے مسلمان پر حق ہے اس کی ادائیگی ہوتی ہے، اور آپس کا میل اور محبت بڑھتی ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور آپس میں نفرت، عداوت، حسد اور بغض و کینہ کا خاتمہ ہوتا ہے، اس حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن سات باتوں کا حکم دیا ہے ان میں سے ہر بات زندگی بھر یاد رکھنے کے لائق ہے،

محدثین کی قوت حفظ تاریخ کی روشنی میں

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ

سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب اسلام کی ان چند مشہور شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علم وفضل اور جن کی بلند شخصیت کا اسلام کے ہر دور میں اعتراف کیا گیا ہے، یہ اپنے زمانہ میں مدینہ کی سب سے بڑی علمی شخصیت کے حامل تھے، کبار صحابہ سے علم حاصل کرنے اور ان کی مجالس میں حاضر ہونے کا انہیں شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت صدیق کے فتاوے اور فیصلوں کا مدینہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ کے داماد تھے۔

ان کی پیدائش اور وفات دونوں میں سخت اختلاف ہے، خلاصہ میں ہے کہ ان کی پیدائش ہجرت کے پندرہویں سال ہوئی اور ۹۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ واقدیؒ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۹۴ھ میں ہوا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال بعد ان کی پیدائش ہوئی اور اقویٰ قول کی بنیاد پر ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ قتادہؒ نے ان کی وفات کا سال ۸۹ھ بتلایا ہے، یحيٰ قطان ۹۱ھ بتلاتے ہیں، حمزہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات یا ۹۱ھ میں ہوئی ہے یا ۹۲ھ میں، ابن معین اور مدائنی کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۹۵ھ میں ہوئی، حاکم کہتے ہیں کہ اکثر ائمہ حدیث کا یہی خیال ہے، محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے چار سال بعد ان کی پیدائش ہوئی، طلحہ بن محمد جو ابن المسیب کے پوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب کی پیدائش حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال قبل ہوئی تھی۔

ابن المسیب نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ کے در و دیوار علم کی خوشبو سے عطر بیز تھے، صحابہ کی مقدس جماعت سے مدینہ کے گلی کوچے آباد تھے، کبار صحابہ جن میں اہل بدر کی بڑی تعداد تھی ان کے وجود سے فضائے مدینہ بقعہ انوار بنی ہوئی تھی، قال اللہ وقال الرسول کے آواز اثر انگیز سے مدینہ کا چپہ چپہ گونج رہا تھا، اور صحابہ کا ہر فرد علم و

نور کے سانچہ میں ڈھلا ہوا نگاہ مومن کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔

ابن مسیبؓ کو اجلہ صحابہ سے علم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، وغیرہ جیسے کبار صحابہ ہیں۔

ان کے علمی مقام کا انداز اس سے لگایئے کہ جب حضرت ابن عمرؓ سے کوئی بات پوچھی جاتی تو آپ فرماتے سلوا سعید بن المسیب فانہ قد جالس الصالحین یعنی سعید بن مسیّب سے پوچھو ان کو صالحین کی ہم نشینی حاصل رہی ہے۔ ذہبی نے ان کو الامام، شیخ الاسلام، فقیہ المدینہ، اجل التابعین اغیرہ القاب سے یاد کیا ہے خلاصہ میں ہے۔ (رأس علماء التابعین وفریدہم وفاضلہم و...... فقیہم یعنی سعید ابن مسیبؓ علماء تابعین کے سردار، منفرد شخصیت کے حامل، فاضل اور فقیہ تھے۔

خود ابن مسیّب کہا کرتے تھے کہ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کا مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا جاننے والا نہیں ہے۔ امام زہری سے کسی نے پوچھا کہ ابن مسیّب نے کس سے علم حاصل کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا، زید بن ثابتؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، صہیبؓ، محمد بن مسلمہؓ وغیرہ سے اور فرمایا کہ آپ کی بیشتر مسند روایتیں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں، نیز فرمایا کہ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن سلمہؓ کے پاس وہ آتے جاتے تھے۔

یحیٰ بن سعید کا بیان ہے کہ ابن میسّبؓ کو راویۂ عمر سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے احکام اور ان کے فیصلوں کا ان سے زیادہ واقف کار کوئی دوسرا نہیں تھا، قتادہ کہا کرتے تھے کہ میری نگاہ نے ابن میسّب سے بڑا عالم نہیں دیکھا، علی بن مدینی کہتے تھے کہ میں ابن میسّب سے زیادہ وسیع علم والا کوئی دوسرا نہیں تھا، قدامہ بن موسیٰ جمحی کہتے ہیں کہ ابن میسّب صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، ابو جعفر اپنے والد علی بن حسین سے ناقل ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ابن میسّب آثار کے سب سے

بڑے عالم تھے، یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ہم حج سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور وہاں لوگوں سے دریافت کیا کہ اس شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے تو لوگوں نے ابن مسیب کا نام لیا۔

ابن مسیب جس طرح علم وفقہ میں نادرۂ روزگار تھے اسی طرح زہد وعبادت، اہل دنیا سے بے تعلقی، امراء سے استغناء، بیباکی اور بے خوفی، سلاطین وقت کے سامنے اظہار حق وغیرہ صفات میں بھی اپنے زمانہ میں یکتا اور منفرد تھے۔

اپنی حق گوئی اور بے باکی کی وجہ سے اہل حکومت کے ہاتھوں آپ کو مبتلائے آزمائش بھی ہونا پڑا کوڑے لگائے گئے، جیل میں ڈالا گیا، فتویٰ دینے پر پابندی لگائی گئی، لیکن ان ساری مصیبتوں کے باوجود اپنے مسلک پر وہ چٹان کی طرح جمے رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے جابر بن اسود بن عوف زہری کو مدینہ کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے سعید سے ابن زبیرؓ کے لئے بیعت لینی چاہی، آپ نے اس سے صاف کہدیا کہ میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک ان کی خلافت پر سب کا اجتماع نہیں ہو جاتا، اس انکار پر اس عامل نے سعید کو ساٹھ کوڑے لگائے اس کی اطلاع جب ابن زبیر کو ہوئی تو انہوں نے عامل کی گستاخانہ حرکت پر بڑی ڈانٹ ڈپٹ کی اور لکھا اب ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

اسی طرح عبدالملک نے اپنے دونوں لڑکے ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لینی چاہی اس وقت عبدالملک کی طرف سے مدینہ کا حاکم ہشام بن اسماعیل مخزومی تھا، جب بیعت کے سلسلہ میں اس نے سعید سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ جب تک میں غور نہ کر لوں بیعت نہیں کر سکتا، یہ تلخ جواب اسے برا لگا اور اس نے ان کو ساٹھ کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا اور بال کا لنگوٹ پہنا کر شہر کے گلی کوچوں میں گشت کرایا اور جیل میں ڈالے جانے کا حکم دیا۔

تواضع وانکساری آپ کی خاص صفت تھی، عمران بن عبداللہ مخزومی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب اپنے کو مکھی سے بھی زیادہ بے قیمت سمجھتے تھے۔

نماز کا اہتمام اس قدر تھا کہ ایک دفعہ فرمایا کہ تیس سال ہو گئے ہیں میں نے

اپنے گھر میں اذان کی آواز نہیں سنی ہے، اور ایک دفعہ فرمایا کہ چالیس سال ہو گئے ہیں میں نے نماز سے واپس آتے ہوئے لوگوں کو نہیں دیکھا، عمران بن عبداللہ خود سعید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان تھا کہ چالیس سال سے ان کی نماز نہیں چھوٹی۔

یزید بن حازم کا بیان ہے کہ سعید صائم الدہر تھے اور گھر سے پانی آجاتا تھا یہی ان کا افطار ہوتا تھا، تلاوت کلام پاک کا خاص اہتمام تھا، بیشتر اوقات تلاوت کلام پاک سے زبان تر رہتی جس سے اپنے لئے غذائے روح حاصل کرتے۔

کبھی آپ نے کسی سے کسی بارے میں مخاصمت نہیں کی، اپنا نقصان اٹھا کر بھی جھگڑے سے دور رہتے، ابن عبداللہ خزاعی کہتے ہیں:

کان سعید بن السمیب لا یخاصم احدا ولو اراد انسان ان ینزع ردائه رضیٰ به یعنی سعید بن میتب کسی سے جھگڑتے نہیں تھے، اگر کوئی ان کی چادر لینا چاہتا تو اس کی طرف پھینک کر آپ اپنی راہ لیتے۔

عورتوں کے بارے میں سعید کا قول تھا کہ میں اسی سال کا ہو گیا ہوں مگر مجھے سب سے زیادہ اندیشہ عورتوں سے رہتا ہے۔

علم وعبادت، سادگی مزاج، حق گوئی و بے باکی، تواضع وانکسار وغیرہ صفات کے ساتھ ساتھ آپ کی قوت حفظ بھی حیرت خیز وتعجب انگیز تھی۔

عمران بن عبداللہ مخزومی کا بیان ہے:

واللہ ما اراہ مر علی اذنه شئ قط الا وعاہ قلبه خدا کی قسم ان کے کان سے جو چیز بھی گزری ان کے دل نے اس کو محفوظ کر لیا۔

ابن سعید کہتے ہیں کہ:

قالوا کان سعید بن المسیب جامعاً ثقة، کثیر الحدیث ثبتاً، فقیہاً، مفتیا، ورعا، عالیا، رفیعا یعنی لوگوں کا بیان ہے کہ ابن المسیب جامع علوم ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت، فقیہ مفتی، متورع اور بلند قدر انسان تھے۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ جلد ایک، طبقات جلد ۵)

☆☆☆☆☆

قسط دوم

محمد ۲۰۱ جمل مفتاحی

فضائل ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صبر و تحمل کے بارے میں

عبدالرزاق بن ہمام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ سے زیادہ کوئی حلم والا نہیں دیکھا ہے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا تو اس شخص نے کہا کہ حسن بصری تو اس مسئلہ میں یہ کہتے ہیں تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ حسن بصری سے اس میں خطا ہوگئی ہے، عبدالرزاق کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی چہرہ ڈھانکے ہوئے آیا اور اس نے امام ابوحنیفہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے حرامی تو یہ کہتا ہے کہ حسن بصری نے غلطی کی، جب اس نے امام کو ایسا کہا تو کچھ لوگوں نے چاہا کہ اس کو پکڑیں، مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کچھ نہیں کہا بلکہ تھوڑی دیر سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کر کے کہا کہ ہاں میں کہتا ہوں کہ حسن نے غلطی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا، اس کے بعد حضرت عبدالرزاق دیر تک حضرت امام ابوحنیفہ کے حلم کی تعریف کرتے رہے،

یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا ایک دشمن ان کو گالیاں دیتا رہا، ان کو زندیق اور کافر بناتا رہا تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اللہ تم کو معاف کرے، خدا جانتا ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ خلاف واقعہ ہے، میں نے جب سے اللہ کو جانا ہے اللہ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیا، اور میں نے اللہ ہی سے عفو درگزر کی امید رکھی، اور میں صرف اس کی سزا سے ڈرا، پھر جب اللہ کی سزا کا نام لیا تو دیر تک روتے رہے یہاں تک کہ ان کا بدن خوف خدا سے کانپنے لگا، تو وہ آدمی جو ان کو برا بھلا کہہ رہا تھا ان کی طرف بڑھا اور ان سے معافی مانگنے لگا تو حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا کہ تم میری طرف سے معاف

کیے گئے اور صرف تم ہی نہیں بلکہ جو بھی میرے بارے میں اس طرح کی بات کہتا ہے سب کو میں نے معاف کر دیا ہے، پھر فرمایا میرے بھائی شہرت کتنی نقصان دہ چیز ہے اس کو دو بار کہا،

حضرت عبداللہ ہروی کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون کو سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ امام ابوحنیفہ کتنے زیادہ بردبار ہیں، عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ بردبار کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ اچھی عادت والا، اللہ کی ان پر رحمت ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ مصیبتوں کے گھیرے میں

اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد حماد کے ساتھ گزر رہا تھا کہ ایک جگہ کنارے پر رکے اور رونے لگے تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہارے دادا ابوحنیفہ کو ابن ھبیرہ قاضی نے دس کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ تمہارے دادا کو قاضی بننے کے لئے مجبور کر رہا تھا اور وہ اس کا انکار کر رہے تھے اس کی بات انہوں نے نہیں مانی تھی،

قاسم بن معن کہتے ہیں کہ ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ کو پکڑ کر قید کر دیا اور قسم کھائی کہ وہ ان کو اس وقت تک قید میں رکھے گا جب تک وہ اس کی بات مان نہیں لیتے اور قضا کی عہدہ قبول نہیں کر لیتے، لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ سے کہا کہ ابن ہبیرہ نے اس طرح کی قسم کھائی، وہ ایک عمارت بنانا چاہتا ہے آپ صرف اس کی اتنی بات قبول کر لیں کہ ان کے لئے اس عمارت میں استعمال ہونے والی صرف اینٹ کو شمار کرتے رہیں تاکہ اس کی قسم پوری ہو جائے اور وہ آپ کو چھوڑ دے تو امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ اگر وہ مجھ سے یہ بھی کہے کہ تم صرف میرے لئے مسجد کا دروازہ گن دو تو میں یہ بھی نہیں کروں گا۔

عبداللہ بن عمر الرقی فرماتے ہیں کہ ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ عہدہ قضا کو قبول کرلیں امام ابوحنیفہ نے نکار کیا تو اس نے امام ابوحنیفہ کو کوڑے لگوائے، اسی کو لوگوں نے مشہور کردیا کہ امام ابوحنیفہ سے توبہ کرائی گئی،

حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ جب تک انسان پر مصیبت اور آزمائش کا دور نہ گزرے سب آدمی برابر ہوتے ہیں۔ (یعنی آدمی کا فضل مصیبت اور آزمائش ہی سے اجاگر ہوتا ہے) امام ابوحنیفہ کے سر پر اس وجہ سے کوڑے برسائے گئے کہ وہ قضا کا عہدہ قبول کرلیں مگر انہوں نے انکار کیا حالانکہ یہ عہدہ وہ تھا کہ لوگ اس کو حاصل کرنے کے لئے خون وخرابہ کرتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ نے کوڑا کھانے پر صبر کیا مگر اس عہدہ کو قبول نہیں کیا۔

یہی عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جس کو مال کثیر اور عظیم دولت اور دنیا دی گئی اس نے اس کو ٹھکرا دیا حالانکہ دوسرے لوگ اس کے خواہشمند ہوا کرتے ہیں، اور اس کو حاصل کرنے کے لئے خون وخرابہ کرتے ہیں اللہ امام ابوحنیفہ پر رحم کرے وہ اللہ کے دین کے بارے میں کتنے پختہ تھے۔

عبداللہ بن زیاد کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ جب امام ابوحنیفہ کے سر پر کوڑا مارا گیا تو ایک آدمی وہاں تھا ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اپنے اپنے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو اس آدمی نے ان سے کہا کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہ کے سر پر کوڑے لگائے گئے ہیں؟ تو انہوں نے پوچھا کہ کس بات پر؟ تو اس نے کہا کہ ان کو قضاء کا عہدہ دیا جارہا تھا اور انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا، تو ابن ابی لیلیٰ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا، تب ابن شبرمہ نے ان سے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو البتہ قیامت کے دن یہ شخص (یعنی ابوحنیفہ) مجھ سے اور تم سے درجہ میں بڑھا ہوا گا ہوگا، (۱)

(۱) ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ نے قضاء کا عہدہ قبول کیا تھا ابن ابی لیلیٰ ایسے قاضی اور مفتی تھے جن کے غلط فیصلے اور غلط فتوے پر امام ابوحنیفہ نکیر کیا کرتے تھے، اس وجہ سے ابن ابی لیلیٰ کو امام ابوحنیفہ سے جلن اور حسد تھا۔

محمد بن شجاع حضرت امام ابوحنیفہ سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے کوڑا مارا جاتا تھا تو اس کی تکلیف سے زیادہ اس تصور سے تکلیف ہوتی تھی کہ میری والدہ کو اس خبر سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

محمد بن مقاتل فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ امام ابوحنیفہ کو دھوپ میں بٹھلایا گیا اور ان کے سر پر تیل بہایا گیا، ادھر سے حضرت سفیان ثوری کا گزر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اب مجھے معلوم ہوگیا کہ آپ محض اللہ کے لئے یہ مصیبت برداشت کررہے ہیں۔

بشر بن ولید روایت کرتے ہیں کہ جعفر منصور نے حضرت امام ابوحنیفہ کو اپنے دربار میں بلایا تا کہ ان کو قضاء کے عہدہ پر بٹھلائے، تو امام ابوحنیفہ نے انکار کیا ابوجعفر نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم تم کو اس عہدہ پر بٹھلا کر رہوں گا امام ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں ہرگز قضاء کا عہدہ قبول نہیں کروں گا، ابوجعفر نے تین دفعہ قسم کھائی کہ میں تم کو ضرور ضرور اس عہدہ پر لاؤں گا امام ابوحنیفہ نے بھی خلیفہ جعفر منصور کے مقابلہ میں تین دفعہ قسم کھائی کہ میں ہرگز ہرگز اسے قبول نہیں کروں گا، تو ربیع جو منصور خلیفہ کے دربار میں رہا کرتا تھا اس نے امام سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ امیر المؤمنین قسم کھارہے ہیں کہ وہ تم کو ضرور اس عہدہ پر لائیں گے، تو امام نے اس کو جواب دیا کہ امیر المؤمنین اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے پر مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔ ابوحنیفہ نے جب خلیفہ کی بات ماننے سے انکار کیا تو ابوجعفر نے ان کو قید میں ڈالنے کا حکم کیا، امام ابوحنیفہ کا قید خانہ ہی میں انتقال ہوا اور مقام خیزران میں ان کو دفن کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک سے محمد بن اعین نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت امام ابوحنیفہ پر دنیا پیش کی گئی اور زمین کے خزانے پیش کئے گئے مگر انہوں نے سب کو ٹھکرادیا پھر ان کو حکومت کی طرف سے قضاء کا عہدہ پیش کیا گیا مگر اس کا بھی انہوں نے انکار کیا حتی کہ ان کو اس پر روزانہ دس یا گیارہ کوڑے لگائے

جاتے تھے مگر امام ابوحنیفہ نے ان مصیبتوں کو برداشت کیا مگر حکومت کا قاضی بننا منظور نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ کی اپنے شاگردوں کو عہدہ قضا کے بارے میں وصیت

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنے لئے عہدہ قضا کو پسند نہیں کرتے تھے اپنے شاگردوں کے لئے بھی اس حکومتی عہدہ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے انہوں نے اس بارے میں ان کو جو وصیت کی تھی وہ پڑھنے کے قابل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے شاگردوں کی تربیت کس انداز پر کرتے تھے، امام صاحب کی اس وصیت کو ان کے خاص شاگرد امام یوسف نے اس طرح بیان کیا ہے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ایک روز امام صاحب کے کچھ شاگرد امام صاحب کی مجلس میں اکٹھا تھے ان شاگردوں میں داؤد الطائی، قاسم بن معن المسعودی، عاقبۃ بن یزید الاودی، حفص بن غیاث نخعی، وکیع بن الجراح، مالک بن مغول البجلی اور زفر بن الہذیل التمیمی وغیرہ تھے امام صاحب نے ہم سب کو مخاطب کر کے فرمایا:

عزیزمن تم لوگ میرے دل کی خوشی ہو اور میرا غم دور کرنے والے ہو، میں نے تم لوگوں کے لئے، فقہ کو ہر طرح سے آسان کر دیا ہے، اب اگر تم چاہو تو اس پر سوار ہو سکتے ہو، (یعنی اب تم اس قابل ہو کہ فقہ کے میدان میں اترو، اجتہاد کرو، فتویٰ دو قاضی بنو) میں نے تم لوگوں کو ایسا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے پیچھے پیچھے چلیں گے، تمہاری باتوں کے وہ متلاشی ہوں گے، تم میں کا ہر آدمی قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور تم میں سے دس آدمی تو وہ ہیں جو قاضیوں کو ادب سکھلانے اور تعلیم دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، میں تم لوگوں سے اللہ کے نام پر اور اللہ نے جو تم لوگوں کو علم کی جلالت بخشی ہے اس کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ علم پر اجرت لے کر اس کے وقار کو مجروح مت کرنا اور علم کو ذلیل مت کرنا، اور اگر تم میں سے کوئی عہدہ قضا پر آئے تو اگر وہ اپنے دین میں اور علم میں کوئی خرابی اور کمی (جس کو اللہ نے لوگوں سے چھپا

رکھا ہے) محسوس کرتا ہے تو اس کا قاضی بننا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کی کمائی اس کے لئے حلال ہے، لیکن اگر اس کا باطن اس کے ظاہر جیسا ہے (یعنی اس کے دین اور اس کے علم میں کوئی کمزوری نہیں ہے) تو اس کے لئے قضاء کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے اور اسے اس عہدہ سے جو رزق ملے وہ اس کے لئے حلال اور طیب ہے، اگر کسی ضرورت کی وجہ سے اس نے اس عہدہ کو قبول کیا ہے، تو اسے چاہئے کہ اپنے درمیان اور لوگوں کے درمیان کوئی حاجب (پہرہ) نہ رکھے، (یعنی ہر شخص کو ہر وقت آنے کی اجازت ہو) اور وہ اپنی ہی مسجد میں پانچوں وقت کی نماز پڑھے، اور ہر نماز کے وقت وہ اعلان کرے کہ کیا کسی کو کوئی ضرورت ہے؟ اور جب عشاء کی نماز ادا کرے تو عشاء کی نماز کے بعد تین مرتبہ یہ آواز لگائے۔ من له حاجة کیا کسی کو کوئی ضرورت ہے؟ پھر اپنے گھر میں داخل ہو، اور اگر وہ بیمار ہو جائے تو قاضی کی کرسی پر نہ بیٹھے، جتنے دن وہ بیمار رہے اتنے دن کی تنخواہ نہ لے، (حضرت امام کے الفاظ یہ ہیں، فان مرض مرضالا لستطیع الجلوس معه اسقط من رزقه بقدر مرضه) اور جس امام نے فئی کے مال میں خیانت کی یا اس نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا تو اس کی امامت باطل ہوگئی اور اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، اور اگر اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جس کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے، اور اس گناہ کی وجہ سے اس امام پر حد واجب ہوتی ہے تو امام اور حاکم کو حد نہیں لگائی جائے گی، اس لئے کہ وہ حد لگانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، (پس اگر اس کو حد لگائی جائے گی تو وہ دوسرے مجرموں کو حد کی سزا نہیں دے سکتا) لیکن اگر اس گناہ اور جرم کا تعلق لوگوں کے ذات سے ہے تو اس حاکم پر جو سب سے قریب کا قاضی ہوگا وہ اس کو حد لگائے گا۔

اور حسن بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ تھا کہ اگر قاضی رشوت لیتا ہے تو وہ خود بخود معزول ہوگا خواہ حکومت اسے معزول کرے یا نہ کرے۔

☆☆☆☆☆

امام ابوحنیفہ پر لوگوں کا طعن وتشنیع اور ان کو ایذاء رسانی

خالد بن زیات کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ اللہ کی قسم نہیں کھاتے اگر چہ ان کو آرا سے چیر دیا جاتا، ایک دفعہ بعض کوفہ کے حاکموں کے پاس ان کے بارے میں یہ بات ان کے حاسدوں نے پہونچائی کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے، اگر وہ اس کا انکار کریں تو آپ ان سے قسم لیں (وہ حاسد جانتا تھا کہ امام ابوحنیفہ قسم نہیں کھائیں گے) اگر وہ قسم کھائیں کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے تو وہ سچے ہیں، اس حاکم نے امام صاحب کو گرفتار کیا اور لوگوں کا مجمع اکٹھا کر کے امام ابوحنیفہ سے اس مجمع کے سامنے پوچھا کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے کہا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ حاکم نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تو قرآن کو مخلوق کہتا ہے؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میں انشاء اللہ حق کہوں گا، یہ وہ بات ہے کہ میں نے کسی کو اسلاف میں سے ایسا کہتے ہوئے نہیں سنا ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی بحث ومباحثہ ان سے سنا ہے، یہ تو وہ بات ہے کہ آدمی کا نفس اس سے تنگ ہو جائے، تو اس حاکم نے ان سے اس پر قسم کھانے کو کہا تو حضرت امام ابوحنیفہ نے اس سے کہا کہ بات اس سے بڑی ہے کہ اس پر سچی یا جھوٹی قسم کھائی جائے، تو حاکم نے کہا کہ اگر تم قسم نہیں کھاتے ہو تو میں تم کو سزا دوں گا امام ابوحنیفہ نے جواب دیا (میں قسم نہیں کھاؤں گا) تمہارا جو جی چاہے کرو! تو اس حاکم نے پولس کو سزا دینے کا حکم دیا، چنانچہ ان کے بدن کا کپڑا اتارا گیا، حاکم نے جب دیکھا کہ ان کا بدن تو بہت لاغر اور کمزور ہے اور یہ کہ امام ابوحنیفہ بوڑھے بھی ہیں تو اس نے کہا کہ کیا تم توبہ کرتے ہو، تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میرے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایسی بات ہے کہ میں نے اسے کبھی کہا ہی نہیں اور نہ میرا ایسا اعتقاد ہے تب حاکم نے کہا کہ اچھا اس سے توبہ کرو، تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا اللھم تب علینا، اے اللہ تو ہماری توبہ قبول کر اس پر حاسدوں نے شور مچایا کہ امام ابوحنیفہ سے توبہ

کرائی گئی توبہ کرائی گئی۔(۱)

علی بن الحسن بن شفیق کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ کیا حضرت امام ابوحنیفہ سے توبہ کرائی گئی تھی، تو وہ خاموش رہے کچھ جواب نہیں دیا (حضرت عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ کے خاص شاگرد تھے، ان کو اس سوال سے تکلیف ہوئی ہوگی اس وجہ سے انہوں نے جواب جاہلاں باشد خموشی کے اصول پر عمل کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی) پھر انہوں نے ایک ماہ بعد حضرت ابن مبارک سے یہی سوال کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں علماء کی دشمنی سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں میں احادیث رسول کی طرف منسوب ہونے والوں کی دشمنی سے اللہ کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں،

یہی بات جب عبدالسلام بن حرب سے پوچھی گئی تو پوچھنے والے کو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے یہ ابوحنیفہ کو بدنام کرنے کی سازش تھی، حضرت مسعر بن کدام فرماتے تھے کہ حدیث والوں کو امام ابوحنیفہ کی فہم اور ان کے علم کی وجہ سے ان سے حسد رہا اس وجہ سے انہوں نے ان کی برائی کرنے میں حصہ لیا اور اس کو عام کیا۔

منصور خلیفہ کے زمانہ میں خوارج اور معتزلی کا بڑا زور تھا خود منصور معتزی تھا اور معتزلہ کے خلاف جن کا عقیدہ ہوتا وہ ان لوگوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ان خوارج اور معتزلیوں کا عقیدہ تھا کہ جو معاصی کا مرتکب ہوتا ہے وہ ایمان سے نکل جاتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب اس کے خلاف تھا وہ اہل قبلہ کی تکفیر کے قائل نہیں تھے ان کا مذہب تھا کہ محض گناہ کے ارتکاب سے کوئی کافر نہیں ہوتا، اسی زمانہ میں ایک بڑے محدث ابوقطن عمرو بن الہیثم تھے وہ کہتے ہیں کہ میرا کوفہ جانے کا ارادہ ہوا تو میں نے

(۱) ان بے وقوفوں کو اس کا پتہ نہیں چلا کہ امام ابوحنیفہ نے اللہ سے اپنے لئے دعا مانگی ہے نہ کہ اس حاکم کے کہنے سے اس قول سے توبہ کی، جب ان کا یہ مذہب ہی نہیں تھا تو اس سے توبہ کیوں کرتے، پھر تو مجرم بن جاتے،

امام شعبہ سے پوچھا کہ کوفہ میں آپ کی اہل علم میں سے کسی کے ساتھ خط وکتابت ہے؟ (امام شعبہ بصرہ میں رہتے تھے) تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری سے تو انہوں نے کہا کہ میں کوفہ جارہا ہوں ان دونوں کے نام میرے لئے ایک تحریر لکھ دیں تو شعبہ نے ان دونوں حضرات کے نام ان کے لئے خط لکھ دیا، جب ابوقطن کوفہ پہونچے تو لوگوں سے پوچھا کہ ابوحنیفہ اور ثوری میں سے کس کی عمر زیادہ ہے؟ تو لوگوں نے بتلایا امام ابوحنیفہ سن اور عمر کے اعتبار سے امام ثوری سے بڑے ہیں، چنانچہ پہلے ابوقطن حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے نام امام شعبہ کا ان کو خط دیا، خط پا کر حضرت امام ابوحنیفہ نے ان سے حضرت شعبہ کی خیریت دریافت کی، انہوں نے کہا کہ خیریت سے ہیں، پھر ان کا خط پڑھا، پھر ابوقطن سے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے حاضر ہے اور جو ہمارے پاس نہیں ہے اور تمہاری ضرورت کی چیز دوسروں کے پاس ہے تو ہم اس کے حاصل کرنے میں اگر تم چاہو گے تو مدد کریں گے، پھر وہ سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کی بات کہی، ابوقطن کہتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ ایک بات ہمیں معلوم ہوئی ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ ان کو دومرتبہ کفر سے توبہ کرائی گئے ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ وہی کفر ہے جو ایمان کی ضد ہے؟ تو سفیان نے کہا کہ تم پہلے شخص ہو جو اس بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہو، آج تک کسی نے مجھ سے یہ بات نہیں پوچھی، پھر تھوڑی دیر سفیان نے اپنا سر جھکایا اور کہا کہ نہیں، بلکہ اس کا قصہ یہ ہے کہ واصل الشاری (مذہب معتزلہ کا بانی) کوفہ آیا، تو اس کے گروہ کے کچھ لوگ اس کے پاس پہونچے اور انہوں نے اس سے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو اہل معاصی کی تکفیر نہیں کرتا ہے، ان کی مراد حضرت امام ابوحنیفہ تھے، تو واصل نے امام ابوحنیفہ کو آدمی بھیج کر بلایا، تو امام ابوحنیفہ نے ان واصل کہا کہ میرا مذہب تو یہی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ تو کفر ہے، اس لئے اگر تم اس مذہب سے توبہ کرتے ہو تو ٹھیک

ہے، ورنہ ہم تم کو قتل کردیں گے، تو امام صاحب نے اس سے کہا کہ میں کس بات سے توبہ کروں؟ اس نے کہا کہ اس بات سے، تو امام صاحب نے کہا کہ میں کفر سے تائب ہوں، اور یہ کہہ کر چلے گئے، پھر کچھ مدت کے بعد جب ایک دفعہ منصور تنہائی میں تھا تو معتزلیوں کی وہی جماعت اس کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس آدمی (ابوحنیفہ) نے جس سے توبہ کی تھی پھر اس مذہب کی طرف لوٹ آیا ہے تو منصور نے امام صاحب کو بلا کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم پھر اپنے سابق مذہب کی طرف لوٹ آئے ہو؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا بات کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ تم اہل معاصی کی تکفیر نہیں کرتے ہو تو امام صاحب نے کہا کہ میرا مذہب تو یہی ہے، تب منصور نے ان سے کہا کہ اگر تم اس سے توبہ نہیں کرتے ہو تو ہم تم کو قتل کردیں گے، امام صاحب نے پوچھا کس سے توبہ کروں تو اس نے کہا کہ شریر لوگوں سے تین مرتبہ کفر سے توبہ کرائی جاتی ہے، اس پر امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں کفر سے تائب ہوں، امام سفیان ثوری نے کہا کہ یہی وہ کفر والی بات ہے جس سے امام ابوحنیفہ کو توبہ کرائی گئی تھی۔

لوگوں نے امام صاحب کے بارے میں یہ بھی پروپگنڈہ کر رکھا تھا کہ امام صاحب حکومت عباسیہ کے خلاف باغیانہ خیال رکھتے تھے اور اس حکومت کے خلاف جنگ کرنے کو جائز سمجھتے تھے مگر یہ بھی دشمنوں کی اڑائی ہوئی بات تھی، چنانچہ نضر بن محمد سے ابویحیٰ محدث نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ معاذ اللہ، امام صاحب ایسا خیال رکھتے ہوں، (۱) حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جب کوئی امام ابوحنیفہ کی برائی کرتا ہے تو مجھے رنج ہوتا ہے اور مجھے خوف ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے غضب کا شکار نہ ہو جائیں۔

---

(۱) یہ بات صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ اس سے اور شر پھیلتا ہے، مگر ظالموں کے خلاف آواز اٹھانا اور خاموش رہنا بھی امام کا مذہب نہیں تھا جب بھی کسی حاکم یا خلیفہ سے ظلم صادر ہوتا امام صاحب اس کے خلاف آواز بلند کرتے اور اس پر نکیر کرتے۔

سلم بن سالم کہتے ہیں کہ ہم مسعر بن کدام کے پاس تھے اوران کا حلقہ درس حضرت امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس سے قریب ہی تھا، فرماتے ہیں کہ ہم مسعر بن کدام سے احادیث کے بارے میں سوال کرتے ہوتے اور امام مسعر بن کدام حضرت امام ابوحنیفہ اوران کے شاگردوں کی باتوں کی طرف کان لگائے ان کی بحثوں کو سن رہے ہوتے، اس پر ان کے حلقہ درس کے کسی شاگرد نے کہا کہ ہم آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں پوچھ رہے ہیں اور آپ ان بدعتیوں (یعنی امام ابوحنیفہ اوران کے شاگردوں) کی باتوں کی طرف کان لگائے ہوئے ہیں تو امام مسعر نے کہا کہ خاموش رہ، اگر حج کا زمانہ ہو اور حجاج کا مجمع ہو اور امام ابوحنیفہ کا چھوٹا سے چھوٹا شاگرد وہاں موجود ہو تو سارے مجمع کو علم سے بھر دے گا اور دوسروں کے لئے گنجائش نہیں چھوڑے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ کوفہ کے حکام میں سے بعض نے قاضی ابن شبرمہ کو حکم دیا کہ لوگوں کے معاملات کو دیکھا کرو اور امام ابوحنیفہ سے مدد بھی حاصل کیا کرو اس لئے کہ فقہ میں وہ بابصیرت ہیں،

☆☆☆☆☆

یکتا تھا وہ کمال میں، نہ کوئی اس کا ہم سفر
نبی کا وہ غلام تھا، دین کا امام تھا
ابو حنیفہ نام تھا ابوحنیفہ نام تھا

محمد اجمل مفتاحی

محمد ابوبکر غازی پوری

خط اور اس کا جواب

کیا جملہ "کان یر فع یدیہ" ہمیشگی پر دلالت آتا ہے۔

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والد کا مزاج بخیر ہوگا۔ الحمد للہ میں اور میرے اصحاب زمزم کا پابندی سے مطالعہ کررہے ہیں۔ مولانا داؤد راز صاحب کی کتاب "تشریح" پر جو آپ کا نقد آرہا ہے یہ مضمون بڑا جاندار، علمی اور بیحد دلچسپ ہوتا ہے، گرامی قدر حضرت مولانا رفع یدین کی بحث جلد اول میں مولانا راز صاحب نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ لفظ "کان" کا استعمال جب فعل مضارع کے ساتھ ہوتو وہ ہمیشگی اور دوام کو بتلاتا ہے، اور چونکہ رفع یدین والی احادیث میں کثرت سے یہی جملہ استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں رفع یدین کا معمول دائما رہا ہے، مثلاً وہ ایک حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں، اس حدیث میں بھی کان یرفع صیغہ استمراری موجود ہے جو دوام پر دلالت کرتا ہے (ج ۱: ص ۶۷۴) ایک اور حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں اس حدیث میں بھی کان یرفع موجود ہے، جو ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے،

اس طرح ہر وہ حدیث جس میں کان کا استعمال فعل مضارع کے ساتھ ہے اس سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کا دوام واستمرار ثابت کرتے ہیں،

براہ کرم اس بارے میں آپ کچھ رہنمائی فرمائیں کرم ہوگا،

(مولوی) عبداللہ شیخ نظام آباد۔ اے، پی

زمزم! اللہ تعالیٰ حضرت مولانا داؤد راز صاحب کو جزائے خیر دے، انہوں نے اپنے اس ملفوظ مبارک اور ارشاد گرامی سے ہمیں ایک بہت بڑی پریشانی سے نجات دیدی اور ایک بہت بڑا مسئلہ حل کردیا، اگر ان کا طائفہ اور گروہ اہل حدیث راز

صاحب مرحوم کے اس ارشاد گرامی پر ڈٹا اور جمارہا تو اب ان کی کسی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح پڑھی نہیں جائے گی بلکہ وتر کے ساتھ تیرہ رکعت تراویح پڑھی جانی شروع ہو جائے گی، اس لئے کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے،

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ الخ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز (صلوٰۃ اللیل) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے، اس حدیث میں بھی **کان یصلی** کا لفظ ہے یعنی کان کا استعمال فعل مضارع کے ساتھ ہوا ہے جو بقول راز صاحب کے ہمیشگی اور دوام کو بتلاتا ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز (صلوٰۃ اللیل) ہمیشہ اور دواماً اور استمراراً، تیرہ رکعت ادا کیا کرتے تھے، اور حضرات اہل حدیث کے یہاں صلوٰۃ اللیل، تہجد اور تراویح کا مفہوم ایک ہی ہے اور ایک ہی نماز کے یہ مختلف نام ہیں اس وجہ سے اب تراویح کے بارے میں بھی راز صاحب نے فیصلہ فرمادیا کہ تراویح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے، آٹھ رکعت کا شور و ہنگامہ بلاوجہ ہے،

دیکھئے حضرات راز نے کتنا بڑا مسئلہ اپنے اس ارشاد گرامی سے حل دیا کہ لفظ کان جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو استمرار اور دوام کا فائدہ دیتا ہے اس راز سے پردہ اٹھانا حضرت راز ہی کا کام تھا، اللہ ان کو جزائے خیر دے، خدا کرے حضرات اہل حدیث کی مسجدوں میں از کشمیر تا حد بخارا اب تراویح کی تیرہ رکعتیں مع وتر پڑھی جائیں تا کہ بخاری شریف کی بھی لاج رہے اور حضرت عائشہ کی حدیث پر بھی عمل ہو اور حضرت راز کا فرمان عالی بھی قابل توجہ بنے،

راز صاحب جیسے لوگ جب بخاری شریف جیسی اہم کتاب کی تشریح کریں

گے تو جہالت وغبارت کے ایسے ہی نمونے آپ کو نظر آئیں گے، ذرا راز صاحب سے کوئی پوچھے کہ اجی حضرت نحو صرف کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ کان جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو دوام اور استمرار بلا انقطاع کا معنی دیتا ہے، ذرا ہم بھی اس کتاب کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں، **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدع اربعاً قبل الظھر** ،یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعت سنت نہیں چھوڑتے تھے، یہ حدیث بھی بخاری شریف میں ہے، تو اگر راز صاحب کی بات صحیح ہے کہ کان فعل مضارع کے ساتھ استمرار، دوام اور مواظبت کا مفہوم دیتا ہے تو راز صاحب کو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ظہر کی سنت چار رکعت پڑھتے تھے، مگر ایک بھی اہل حدیث اس کا قائل آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ خود بخاری شریف میں حدیث ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر ہیں کہ آنحضرت ظہر سے پہلے دو رکعت سنت پڑھا کرتے تھے، اگر ہم راز صاحب کی بات کو صحیح تسلیم کرلیں کہ کان فعل مضارع کے ساتھ مواظبت اور مداومت کا مفہوم پیدا کرتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ٹکراؤ پیدا ہوگا اور بخاری شریف کی دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط کہنا پڑے گا، اور پھر اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی آبرو حضرت راز صاحب کے اس ارشاد گرامی اور بے مثال علمی قابلیت کی نذر ہو جائی گی۔

بخاری شریف میں روایت ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل یمن بلا زادِ سفر حج کیا کرتے تھے، حضرت ابن عباس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ **کان اھل الیمن یحجون ولا یتزودون** ۔ یہاں بھی فعل مضارع کے ساتھ کان کا استعمال ہوا ہے، تو کیا راز صاحب یہاں بھی یہی کہیں گے یا کوئی بھی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ یمن والوں کا ہمیشہ یہی طریقہ ہوا کرتا تھا کہ بلا توشہ وزادِ سفر وہ حج کے لئے نکلا کرتے تھے؟

بخاری شریف ہی کی روایت ہے کہ: کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یجلس علی القبو ریعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبر پر بیٹھا کرتے تھے، یہاں بھی کان یجلس یعنی کان کا استعمال فعل مضارع کے ساتھ ہے، تو کیا راز صاحب اور اہل حدیث کا گروہ یہ کہے گا کہ حضرت ابن عمر کا یہ عمل ہمیشہ ہوا کرتا تھا، اور وہ قبروں پر بیٹھنے پر مواظبت کیا کرتے تھے؟ راز صاحب پر رفع یدین کرنے کا نشہ چڑھا ہوا ہے اس لئے وہ اس نشہ میں کیا کیا بک جائیں کہا نہیں جا سکتا! حضرت راز صاحب کا یہ فرمانا کہ کان فعل مضارع کے ساتھ استمرار اور دوام کا معنی پیدا کرتا ہے انتہائی درجہ جہالت کی بات ہے اور انتہائی سفیہانہ کلام ہے کوئی پڑھا لکھا آدمی اپنی زبان سے یہ بات نہیں نکالے گا، جن کی احادیث کی کتابوں پر نظر ہے وہ تو کبھی یہ بات کہہ نہیں سکتے جیسا کہ ابھی میں نے بخاری شریف سے چند مثالوں کے ذریعہ راز صاحب کی جہالت کو واضح کیا ہے۔ حضرات اہل علم پچاسوں مثالوں سے واضح کر سکتے ہیں کہ احادیث رسول میں یا صحابہ کے بیانات وارشادات میں کان کا استعمال فعل مضارع کے ساتھ ہوتا ہے، مگر وہاں دوام اور استمرار کا معنی قطعاً مراد نہیں ہوتا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے راز صاحب کی بات غلط ثابت ہوتی ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے (اور یہ حدیث بھی بخاری شریف ہی کی ہے) **کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشهر حتی نظن الا یصوم منه، ویصوم حتی نظن ان لا یفطر منه شیئا** یعنی حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں مسلسل روزہ نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ ہم کو گمان ہونے لگتا کہ آپ اس مہینہ روزہ رکھیں گے ہی نہیں، پھر آپ اس مہینہ میں روزہ رکھنا شروع کرتے تو ہمیں گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ افطار کریں گے ہی نہیں،

دیکھئے یہاں بھی، کان یفطر اور یصوم کا لفظ ہے یعنی کان فعل مضارع کے ساتھ استعمال ہوا ہے، مگر خود حضور کا عمل بتلا رہا ہے کہ فعل مضارع استمرار بلا انقطاع

اور مواظبت و مداومت کے لئے نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین کے مسئلہ میں کان یرفع کا مطلب دوام اور استمرار بلا انقطاع لینا جاہلوں کا کام ہے اور نہایت بچکانہ استدلال ہے اور علم ونحو وصرف سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اور غیر مقلدوں کی ہوس ہی ہوس ہے، کاش راز صاحب نے شرح جامی کو غور سے پڑھا ہوتا تو اتنی بڑی جہالت کی بات ان کے منہ سے نہیں نکلتی۔

اور اس سے بڑی بات تو میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رفع یدین کے بارے میں ہیشگی اور دوام کا ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے نماز میں ایک دفعہ کے علاوہ دوسری اور تیسری مرتبہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے، چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول رفع یدین کے بارے میں غیر مقلدوں کا بخیہ ادھیڑ دیتا ہے تو اس وجہ سے ان کی شان میں یہ غیر مقلدین مجنونوں جیسی باتیں کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کی حد کو پہونچ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان جاہلوں کو سمجھ دے، اور راز صاحب کو کان یرفع کا صحیح مفہوم سمجھا دے، بلا سمجھے اور بلا علم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تشریح بڑی جسارت کی بات ہے،

☆☆☆☆☆

قرآن کہتا ہے

اے لوگو! حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ، قرآن کا یہ ارشاد بتلاتا ہے کہ اہل حق، حق کا دامن تھامے ہوتے ہیں، جو باطل پرست ہوتے ہیں وہ حق کو باطل کی آمیزش سے داغدار کرتے ہیں، یہ شیوہ منافق کا ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کا گروہ اسی راستہ پر چلنے والا گروہ ہے، اللہ ان کے شر اور ان کی نفاقی خصلت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

قسط پنجم — مولانا داؤد راز کی تشریح بخاری

محمد ابوبکر غازی پوری

مولانا داؤد راز صاحب فرماتے ہیں کہ نیت سے دل کا ارادہ مراد ہے جو ہر فعل اختیاری سے پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے، نماز روزہ وغیرہ کے لئے زبان سے نیت کرنا غلط ہے، ''زبان سے نیت کے الفاظ کا ادا کرنا محض ایجاد بندہ ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ج اص ۱۵۳

مولانا داؤد راز صاحب کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا فرما گئے، طلاق دینا فعل اختیاری ہے تو کیا محض طلاق کی نیت سے بلا طلاق کا لفظ ادا کئے ہوئے بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟ غلام کو آزاد کرنا فعل اختیاری ہے تو کیا دل میں ارادہ کر لینے سے غلام آزاد ہو جائے گا، ایمان لانا اور لا الہ الا اور کہنا فعل اختیاری ہے تو کیا اس کلمہ کے قلب میں پیدا ہو جانے سے بندہ پر احکام شریعت کا اجراء کیا جائے گا، زنا کرنا فعل اختیاری ہے تو کیا زنا کی نیت کرنے سے وہ شخص زانی کہلائے گا، محض نیت کرنے سے طلاق پڑ جائے گی غلام آزاد ہو جائے گا اور محض زنا کی نیت سے آدمی زانی کہلائے گا اور اس پر شرعی حد جاری ہوگی؟ منہ کھولنے سے پہلے داؤد صاحب کو ذرا سوچ لینا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، شہادتین کا ارادہ دل میں پیدا کر لینا ایمان کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ زبان سے آواز بھی نکالنا دنیا میں شرعی احکام کا مکلّف ہونے کے لئے ضروری ہے تا کہ دل کے ارادہ کی زبان تصدیق کرے اسی طرح نماز و روزہ کے لئے زبان سے نیت کرنا اگر چہ ضروری نہیں ہے مگر دل کے ارادہ کو زبان سے ادا کرنے کو غیر شرعی امر بتلانا یہ راز صاحب کی جہالت ہے، شیخ عبدالقادر جیلانی نے زبان سے نیت کرنے کو غنیۃ الطالبین میں جائز لکھا ہے،

داؤد راز صاحب نے اسی صفحہ پر منکر بن حدیث کا رد کرتے ہوئے حضرت

عمر فاروق کے بارے میں لکھا ہے،

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تعریف میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا ہے،

جب راز صاحب کو اعتراف ہے کہ اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا ہے، تو غیر مقلدین تراویح اور طلاق کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کی شان میں بدزبانی کر کے اپنا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں، کیا راز صاحب کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے علماء نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کیا کیا بکا ہے؟ اگر نہیں معلوم ہے تو سنئے کہ حضرت عمر کی شان اور اقدس میں آپ کے علماء کی گہرافشانیاں کس طرح کی ہیں، آپ کا جونا گڈھ کا مولوی محمد حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھتا ہے۔

''سنو! بہت صاف صاف موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم نے ان میں غلطی کی، ان مسائل کے دلائل سے حضرت فاروق اعظم بے خبر تھے''، (طریق محمدی ص ۴۱۲)

اور جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والی کتاب تنویر الآفاق میں لکھا ہے۔

''اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحت بینی کی بنیاد پر بعض خلفائے راشدین (اس کی مراد حضرت عمرؓ ہے) بعض احکام شرعیہ کے خلاف بخیال خویش اصلاح و مصلحت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفاء کی باتوں کا عام امت نے رد کر دیا، ص ۱۰۷(۱)

(۱) اس بدبخت کے نزدیک عام امت صرف غیر مقلدین کا گروہ ہے)

اس بدنصیب مصنف نے حضرت عمر ہی کے بارے میں یہ تعریض کی ہے،
یہی بدنصیب حضرت عمرؓ کے بارے میں اس کتاب میں لکھتا ہے کہ، حضرت عمرؓ کتاب وسنت کے خلاف موقف رکھا کرتے تھے اور پوری امت نے ان کے اس موقف کو ٹھکرادیا اور اجتماعی طور پر اس کو غلط قرار دیا (ص ۱۰۸) حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہوں نے طلاق کے مسئلہ میں کتاب وسنت کے خلاف موقف اختیار کیا تھا اس لئے ان دونوں کو نصوص کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے (ص ۸۷-۸۸) مختصرا

اور لکھتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کے سامنے کتاب وسنت کی نصوص پیش کی جاتی تھیں مگر ان کو یہ نصوص سمجھ میں نہیں آسکیں (ص ۴۱۸) ایک جگہ یہ بدزبان وبدلگام حضرت فاروق اعظم کے بارے میں لکھتا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کے حکم میں ترمیم کر دی تھی ص ۴۸۸ اور لکھتا ہے کہ طلاق کے بارے میں حضرت فاروق اعظم نے کتاب وسنت کی نصوص کے خلاف فرمان جاری کیا تھا (ص ۴۹۹)

میں جناب راز صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک کونسی بات صحیح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ نے حق حضرت فاروق اعظم کی زبان اور دل پر حق نازل کیا تھا، یا یہ بکواسیں صحیح ہیں جو حضرت فاروق اعظم کے بارے میں جامعہ سلفیہ کا محقق نشر کرتا ہے؟

خیر یہ تو حضرت فاروق کے بارے میں مولوی جونا گڈھی اور رئیس احمد ندوی جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کی بات تھی، اس کتاب میں خود داؤد راز صاحب نے حضرت فاروق اعظم کے بارے میں کیا لکھا ہے شاید ان کو یاد نہ ہو مگر ان کو یاد دلاتا ہوں وہ ایک مسئلہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس باب میں درست نہیں''،

اور لکھتے ہیں کہ ''جہاں صاف صریح حدیث موجود ہو وہاں کسی کی

بھی رائے قبول نہیں کی جاسکتی خواہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہوں'' (ج ۲ ص ۶۶۵)

دیکھا آپ نے راز صاحب کا طنطنہ غیر مقلدوں کا عشق رسول اور سنت پر عمل کرنے کا جذبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے، جب موقع ہوگا تو حضرت عمر کی رائے کو خلاف سنت اور غلط قرار دیں گے اور جب موقع ہوگا تو یہ بھی کہیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی سنائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق نازل کیا ہے، یعنی'' بے شرم باش و ہر چہ خواہی کن'' کا نمونہ یہ غیر مقلدین ہوتے ہیں۔

اس کتاب میں داؤد راز صاحب نے نواب وحید الزماں کے حوالہ سے حضرت فاروق اعظم کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے، حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں تین طلاق کو تین قرار دیا یہ حضرت عمر کا اختیار تھا جو حدیث کے خلاف قابل عمل نہیں ہوسکتا، نیز اس کتاب میں مسلمانوں کو للکارا جاتا ہے، اس للکار کو بھی آپ ملاحظہ فرمائیں، مسلمانو! اب تم کو اختیار ہے خواہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ پر عمل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو چھوڑ دو، خواہ حدیث پر عمل کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتوے کا کچھ خیال نہ کرو، (ج ۷ ص ۳۳)

یہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں غیر مقلدین علماء اور راز صاحب کا انداز گفتگو یہ وہی حضرت عمر فاروق جن کے بارے میں راز صاحب فرماتے ہیں کہ رسول کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب اور دل پر حق جاری کرتا ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طرف یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور قلب پر حق جاری کرتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی جو بات بھی ہوگی وہ حق ہوگی، ناحق ہو ہی نہیں سکتی ہے، اور دوسری طرف غیر مقلدین کا یہ عقیدہ اور مذہب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت

اور خلاف شرع فتویٰ دیا کرتے تھے، میں بھی مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت عمرؓ کے بارے میں عقیدہ اور مسلک رکھوگے اور جنتی بنوگے؟ یا غیر مقلدین کا حضرت عمرؓ کے بارے میں عقیدہ اور مسلک اختیار کروگے اور سیدھے جہنم میں جاؤگے، تمہیں اختیار ہے کہ ان دو راستوں میں سے جس راستہ پر چاہو چلو ہم اہل سنت تو پہلا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

راز صاحب فرماتے ہیں ایمان بہر حال تصدیق قلبی اور اقرار لسانی اور عمل بدنی ہر سہ سے مرکب ہے، کسی ایک کو بھی اگر الگ کر دیا جائے تو ایمان حقیقی جس سے عند اللہ نجات ملنے والی ہے وہ باقی نہیں رہتا، (ج ۱ ص ۱۷۸)

میں کہتا ہوں کہ یہی تو معتزلہ کا بھی مذہب ہے۔ غیر مقلدین میں اعتزال کی روح گھسی ہوئی ہے، مگر یہ اپنے آپ کو اہل سنت ہی کہیں گے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک کی روشنی میں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ اور گناہ معاف کر دے گا اور انشاء اللہ گناہگاروں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانک کر جنت میں داخل کرے گا۔ اور ہمارے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابوذر جو لا الہ الا اللہ کہے گا وہ جنت میں جائے گا اگر چہ وہ چوری کرنے اور زنا کرنے والا ہو، اور غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک ارشاد کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ جو شخص معصیت میں مبتلا ہوگا اس کا حقیقی ایمان نہیں رہے گا اور وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

داؤد راز صاحب عجیب قسم کے بخاری کے شارح ہیں، یہاں تو یہ کہدیا کہ اصل ایمان وہی ہے جو تصدیق قلبی، اقرار رسانی اور بدنی اعمال سے مرکب ہو، اور اس جلد کے ص ۲۱۱ پر لکھتے ہیں کہ ''ایمان دل کا فعل ہے'' جب ایمان دل کا فعل ہے تو وہی ایمان اصل ہوا جو دل والا ہے، اور یہی ایمان باعث دخول جنت ہوگا، اعمال اور

طاعات سے اس کی خوبصورتی اور حسن میں اضافہ ہوگا نہ کہ اصل ایمان میں اضافہ ہوگا جو دل کا فعل ہے، یوں سمجھو کہ گلاب کا درخت تو وہ ہے جو اصل شاخ پر قائم ہوتا ہے، اب جو پتیاں اور پھول نکل رہے ہیں وہ اس اصل سے زائد چیزیں ہیں جو گلاب کے پودا کا حسن بڑھا رہی ہیں، اگر یہ پھول اور پتے گر جائیں اور سوکھ جائیں اس سے گلاب کے پودا کا حسن تو بلاشبہ ختم ہو جائے گا، مگر یہ بھی کہا جائے گی کہ گلاب کا پودا باقی ہے اسی طرح ایمان کا معاملہ ہے۔ طاعت سے اس کا حسن بڑھتا ہے اور معاصی اور گناہوں سے اس کا حسن ختم ہوتا ہے مگر اصل ایمان باقی رہتا ہے، اس لئے کہ ایمان کی اصل اور جڑ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تصدیق ہے جس کا مرکز دل ہے، نہ زبان اور جوارح ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا کہ زنا اور چوری جیسے گناہ کرنے والا بھی جنت میں جائے گا۔ خواہ اللہ اس کی ابتداء بخش دے اور جنت میں داخل کر دے خواہ کچھ سزا دیکر جنت میں داخل کرے مگر ایمان والا جنت میں ضرور جائے گا، بخاری شریف میں ہے کہ اگر ذرہ برابر بھی دل میں ایمان ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ حضور کا یہ ارشاد حضرت انسؓ نے نقل کیا ہے۔ مگر ان باریکیوں کو سمجھنا غیر مقلدین کی قسمت میں کہاں ہے، ان کے لئے تو بس اتنا کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ کو برا بھلا کہتے رہیں اور مقلدین کے خلاف زبان درازیاں کرتے رہیں، یہ سعادت ان کے لئے کیا کم ہے؟

مولانا داؤد راز صاحب انوار الباری پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں حضرت امام بخاری کو غیر فقیہ قرار دینا خود ان کے کم فہم ہونے کی دلیل ہے۔ (ج۱ص۲۳)

داؤد راز صاحب کو اس مین بڑی مہارت حاصل ہے کہ بات کچھ ہو اور اس کو وہ کچھ بنا دیں، صاحب انوار کی جو بات خود راز صاحب نے نقل کی ہے وہ یہ ہے، صاحب انوار لکھتے ہیں: (امام بخاری) فن حدیث میں امام بے مثال تھے مگر فقہ میں وہ

پایہ نہ تھا (ایضاً) صاحب انوار نے یہ کہاں لکھا ہے کہ امام بخاری غیر فقیہ تھے وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام علم حدیث میں تھا فقہ میں ان کا اتنا اونچا مقام نہیں تھا، یعنی فقہ میں وہ اتنے مشہور نہیں تھے، جتنی ان کی شہرت حدیث میں تھی، یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی حضرت امام بخاری سے واقفیت رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا، مگر اس صحیح اور سچی بات کو توڑ مڑور کر راز صاحب بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں، بہت سے ائمہ ایسے گزرے ہیں جن کا حدیث میں جو مقام تھا فقہ میں ان کو وہ مقام حاصل نہیں رہا ہے، اور فقہ میں ان کو جو مقام رہا ہے حدیث میں ان کو وہ مقام حاصل نہیں تھا، اس کی مثالیں تو صحابہ کرام میں موجود ہیں، مثلاً تفسیر کا علم جو حضرت ابن عباس کو حاصل تھا، حضرت عبداللہ بن عمر کو حاصل نہیں تھا، جتنی احادیث حضرت ابو ہریرہ کو یاد تھی خود حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو یاد نہیں تھیں، یہ کیا ضروری ہے کہ ہر آدمی کو ہر چیز کا علم برابر ہی ہو، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مشہور غیر مقلد عالم کو حدیث پاک میں جو بصیرت حاصل تھی وہ فقہ اور تفسیر میں نہیں تھی، یہ تو ایک عام بات ہے جس کو سب جانتا ہے کہ کوئی آدمی کسی فن میں ممتاز ہوتا ہے اور کوئی کسی فن میں، مگر بات سمجھنے کے لئے کچھ عقل چاہئے۔ مگر یہ متاع گراں بہا غیر مقلدوں کو حاصل کب ہے؟

غیر مقلدوں کی جو کتاب بھی پڑھو اس میں عقل اور فن کی جھلک بہت ڈھونڈھنے سے کہیں مل جاتی ہے ورنہ عام طور پر ان کی کتابیں داؤد راز جیسے عالم کی اس کتاب کا نمونہ ہوتی ہیں جس کا ناظرین تماشا دیکھتے چلے آرہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

سنت کا رتبہ اور مقام اور داہنے اور بائیں جانب سے کام کرنے کی ابتداء کی کچھ تفصیل

مولانا مفتی رشید احمد فریدی استاذ جامعہ مفتاح العلوم تراج سورت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلامی اخلاق وآداب جسے پیغمبر اعظم نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی تہذیب وشائستگی کے لئے تفصیل سے بیان کیا اور امت کو اس سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی ہے اور اپنی ذات مبارکہ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ سلفِ صالحین نے اپنی حیات مستعار کو ان اخلاق وآداب سے مزین کیا یہاں تک کہ وہ اللہ کے مقبول بندے بن گئے۔

ان ہزاروں آداب میں سے ایک اہم ادب ''تیامن'' (یعنی داہنے جانب کو ترجیح دینا) ہے۔ جس کی رعایت رکھنا شرافت کی علامت اور سعادت کا ذریعہ ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہت اہتمام فرمایا ہے اور اس کو اپنا معمول بنا کر امت کو متوجہ کیا ہے۔ اسی آداب کے متعلق یہ چند سطور اہل علم وادب کی خدمت میں پیش ہیں۔

سنت کا رتبہ اور مقام......

تیامن پر کلام سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''سنت'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب عمل کے مقام ومرتبہ کے کچھ ذکر سے اپنے حافظہ کو تازہ کر لیں اور اس کی قدر ومنزلت سے اپنے سینوں کو روشن کر لیں۔

(۱) عن ابی مسعودؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لکل عمل شرۃ و لکل شرۃ فترۃ فمن کانت فترتہ الی سنتی اھتدی ومن کانت غیر

ذلک فقد ھلک (رواہ ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہر عمل کے لئے ایک ہمت (وقوت) ہوتی ہے اور ہر ہمت کے لئے ضعف ہوتا ہے۔ پس جس کا ضعف سنت کی طرف ہو (یعنی باوجود ضعف کے سنت پر عمل ترک نہ ہو) تو وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کی کم ہمتی سنت کی طرف نہ ہو یعنی بے ہمتی سے سنت ترک کردے تو اس کے لئے ہلاکت (کا خطرہ) ہے۔

(۲) **عن الحسن بن ابی الحسن قال صلی اللہ علیہ وسلم: عمل قلیل فی سنۃ خیر من عمل کثیر فی بدعۃ.** حضرت حسنؓ سے مروی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے زیادہ عمل سے جو بدعت کے ساتھ ہو۔ (الشا للقاضی عن المصنف ۲،ص ۱۱)

(۳) **عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المتمسک بسنتی عند فساد امتی لہ مائۃ اجر شھید.** حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ امت کے فساد کے زمانہ میں (یعنی سنت کی ناقدری اور عام بیزاری کی حالت میں) میری سنت پر مضبوطی سے عمل کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

(الشفاء ۲،ص ۱۲ عن مجمع الزوائد)

(۴) **کتب عمرؓ الی ابی موسیؓ لا تشتغلو ابالبناء، فلکم فی بناء فارس والروم کفایۃ، الزموا السنۃ تبقی لکم الدولۃ۔** امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ (یمن کے گورنر) کو لکھا کہ تعمیرات میں اپنے آپ کو مشغول نہ کرو تمہارے لئے فاروس وروم کی عمارتوں میں کافی عبرت ہے۔ تم سنت کو لازم پکڑو۔ تمہاری سلطنت باقی رہے گی۔ (فیض القدیر علی جامع الصغیر ۵،ص ۱۵)

(۵) **قال ابن شھابؓ بلغنا عن رجال من اھل العلم قالوا الا عنصام بالسنۃ نجاۃ.**

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اہل علم کی طرف سے یہ جملہ پہنچا ہے کہ سنت کو تھامنا اور اس کا اہتمام کرنا نجات کا ذریعہ ہے۔

مستحبات کی رعایت اور ترک سنت کا انجام......

قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے اپنی کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' (اسلامی سیاست) میں بعض اہل علم کا یہ کلام جو بہت سی حدیثوں کا نچوڑ ہے ذکر کیا ہے **من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة** یعنی جس نے آداب و مستحبات کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا تو اس کی سزا سنت مؤکدہ سے محرومی ہے اور جو شخص سنتِ مؤکدہ کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دے گا تو اسے فرائض سے محرومی کی سزا دی جائے گی اور جو شخص فرائض کو بھی معمولی سمجھ کر ترک کرے گا تو (خطرہ ہے کہ) معرفتِ ایمان سے محروم کر دیا جائے۔

دیکھئے آداب و مستحبات کا ترک مؤمن کو رفتہ رفتہ کہاں تک پہونچا دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان کی حفاظت کے لئے فرئض کا اہتمام اور فرائض پر استقامت کے لئے سنتوں کی پابندی لازم ہے اور سنتوں پر دوام کے لئے آداب و مستحبات کی رعایت مطلوب و مقصود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ آئندہ کل (قیامت کے دن) اللہ سے فرمانبردار بندہ بن کر ملاقات کرے تو چاہئے کہ ان پنج گانہ نماز کی پابندی وہاں کرے جہاں اذان دی جاتی ہے۔ (یعنی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ سنن ہُدیٰ مشروع کئے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز یہ بھی سنن ہدیٰ میں سے ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لی جیسا کہ یہ متخلف (منافق) اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دو گے اور اگر اپنے نبی کی سنت

ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (الترغیب المنذری ا،ص ۲۷۳)

تیامن یعنی داہنا ہاتھ استعمال کرنے کی سنت......

علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ اپنی کتاب "تحفۃ الاخیار باحیاء سنۃ سید الابرار" کے شروع میں سنت کی شرعی و اصطلاحی تعریف میں علماء کے بائیس اقوال (مع نقد) ذکر کر کے اخیر میں لکھتے ہیں............اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت علی سبیل العبادۃ ہے یعنی بحیثیت عبادت کسی عمل پر پابندی فرمائی ہے تو ایسے اعمال سنن ہدیٰ ہیں اور اگر مواظبت علی سبیل العادۃ ہے یعنی اپنے طبیعت و عادت کے اعتبار سے عمل کیا اور اس پر پابندی فرمائی ہے تو ایسے افعال سنن زوائد ہیں جیسے لباس کا پہننا، داہنے ہاتھ سے کھانا اور داخل ہونے میں داہنے پیر کو مقدم رکھنا وغیرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت "تیامن" پر سنن زوائد میں سے ہے۔ (تحفۃ الاخیار ص ۸۳)

تیامن سے محبت کی حکمت......

حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں **کان یعجبہ التیمن فی تنعلہ وترجلہ وطھورہ وفی شانہ کلہ** کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین پہننے میں، کنگھا کرنے میں اور طہارت میں اور تمام احوال میں تیمن کو پسند کرتے تھے۔ ابن ابی جمرہ صاحب "بہجۃ النفوس" تیامن سے محبت کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

والحکمۃ فی حبہ فانما ذلک ایثار لما آثرہ الحکیم بحکمتہ وذلک لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رای ان اللہ تعالیٰ فضل الیمین واھلہ وماانثی علیہ فاحب ماآثرہ العلیم الحکیم فیکون من باب التاھی فی تعظیم الشعائر فیکون دالاً علی قوۃ الایمان. انتھی.

(السعایہ ا،ص ۱۷۵)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ رب کائنات حکیم مطلق نے یمین اور

اہل یمین کو فضیلت دی ہے اور اپنے کلام پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اس چیز کو جسے علیم وحکیم نے ترجیح دی ہے۔ پس یہ شعائر الٰہی کی غایت تعظیم کے قبیل سے ہے جو قوتِ ایمان کی دلیل ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے **فاما من اوتی کتابہ بیمنہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا. واصحب الیمین وما اصحب الیمین فی سدر مخضود وطلح منضود وظل ممدود وماء مسکوب. واما ان کان من اصحب الیمین فسلام لک من اصحب الیمین. وما تلک بیمینک یموسی** اور **ولا تخطہ بیمینک** ۔اس کے علاوہ بھی آیتوں میں یمین کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ہے۔تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اچھے کاموں میں یمین کر ترجیح دی اور تیامن سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا بلکہ ازلی دشمن شیطان کی مخالفت میں اختیار یمین کی تاکید فرمائی۔

تیامن کے اختیار کے مواقع......

حضرت عائشہؓ کی حدیث **کان یحب التیمن** الخ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ابن ابی جمرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عائشہؓ کا قول **فی شانہ کلہ** مجمل لفظ ہے اگر صرف شأنہ کلہ کہہ کر خاموش ہو جاتیں تو شأنہ سے کیا مراد ہے اس کی تقدیرات مختلف ہوتی پس حضرت عائشہؓ نے تین چیزیں ذکر فرما کر اجمال کی تفصیل کر دی اور التباس کو دور کر دیا اس لئے کہ طہور ذکر کیا جو مفروضات میں سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ طہور نصف ایمان ہے اور کنگھا کرنا مستحبات میں سب سے مؤکد ہے اور پھر جوتا پہننے کا ذکر کیا جو مباحات میں سب سے ارفع ہے تو حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیع مفروضات، مستحبات اور مباحات میں داہنے جانب کو پسند فرماتے تھے۔ (السعایہ ۱/۱۷۵)

ابوداؤد شریف میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لطھورہ و طعامہ والیسری لخلائہ وما کان من اذی.

طبرانی کی روایت ابن عباسؓ سے اسی طرح ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذالبس نعلا بدأ بالیمنی واذاخلع خلع الیسری وکان اذا دخل المسجد ادخل رجلہ الیمنی.

حضرت حفصہؓ اس طرح نقل کرتی ہیں۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجعل بیمینہ لطعامہ وشرابہ وثیابہ ویجعل یسارہ لما سوی ذلک (اذکارللنووی عن ابی داؤد)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ما استطاع کی قید مذکور ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن مااستطاع فی شأنہ کلہ الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی جہاں تک ممکن ہو) داہنے جانب کا اہتمام تب تک فرماتے جب تک کوئی امر مانع نہ رہے۔ دو صحابی ایک چھوٹے دوسرے بڑے موجود تھے۔ آپ نے فارغ ہوکر مسواک اصغر کو دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فاوحی الیہ فی فضل السواک ان کبر اعط السواک اکبر ھما یعنی وحی آئی کہ اکبر کو ترجیح دیں گویا فضیلت مسواک کی وجہ سے الایمن فالایمن کے بجائے الاکبر فالاکبر کو ملحوظ رکھا گیا۔

تیامن کے مواقع کی فضیلت......

تیامن کا اہتمام کرنا یا شمال کو ترجیح دینا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جن مواقع میں ثابت ہے علمائے امت نے ان کو جمع کر دیا ہے۔ نیز ایک ضابطہ بھی تحریر فرمایا ہے، اور وہ یہ ہے۔

یعنی ہر وہ کام جو تکریم وتشریف اور تزیین کے قبیل سے ہو تو علماء کا اتفاق ہے کہ یمین کا مقدم کرنا مستحب ہے۔ جیسے وضوء، اور غسل میں کرتہ، پائجامہ، موزہ اور نعلین

کے پہننے میں، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کترنا، مونچھ تراشنا، بالوں میں کنگھا کرنا، موئے بغل اکھیڑنا (صاف کرنا) سر منڈانا، نماز میں سلام پھیرنا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا، پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کا استلام کرنا اور لینا، دینا، وغیرہ ان سب میں تیامن مستحب ہے اور جو کام کرامت وشرافت کے قبیل سے نہ ہو جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، رنیٹ صاف کرنا (یعنی ناک کی صفائی) استنجاء کرنا، موزہ، نعلین، کرتا اور پائجامہ کا نکالنا اور ان کے مانند کاموں میں بائیں جانب کی رعایت مستحب ہے۔

تنبیہ......

بہت سے افعال کو انجام دینے کے لئے ایک خاص مقدار میں قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو بائیں ہاتھ سے نہیں ملتی ہے۔ اس لئے طبعاً وعادتاً انہیں داہنے ہاتھ ہی سے کیا جاتا ہے ایسے افعال میں یمین کا ذکر احادیث میں عام عادت کے اعتبار سے ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء ومحدثین بھی ان افعال کو یمین کی ترجیح کے مواقع میں شمار نہیں کرتے ہیں۔

احادیث میں تیامن کے جو مواقع ذکر کئے گئے ہیں اور فقہاء ومحدثین نے ان سے جو ضابطہ اخذ فرمایا ہے نیز تیامن وتیاسر کے اعتبار سے جو مختلف صورتیں کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں جیسا کہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا ان سب سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ ابتداء بالیمین مطلقا مستحب نہیں ہے بلکہ جہاں (۱) فعل کا تعلق یمین وشمال دونوں سے طبعا وعادتا یکساں ہو، (۲) جانب شمال میں کوئی وجہ ترجیح نہ ہو۔ (۳) کوئی اور خاص عارض نہ ہو تو اس وقت مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق ابتداء بالیمین یا ابتداء بالایمن مستحب ہوگا۔

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

کیا نحوست کا اسلام میں اعتبار ہے؟

مکرمی جناب مولانا محمد ابوبکر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت والا سے مختصر یہ سوال ہے کہ اسلام میں نحوست کا اعتبار ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے، اس کا کیا مطلب ہے۔

والسلام عبدالقیوم انصاری نخاس گورکھپور

زمزم! نحوست کا عام طور پر جو معنی عام لوگوں کے ذہن میں ہوا کرتا ہے، اسلام میں اس کا تو کوئی اعتبار نہیں، اور جو بعض احادیث میں آتا ہے کہ نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے، اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو مفہوم عوام کے ذہنوں میں ہوا کرتا ہے، یعنی اس کے ہونے سے خیر وبرکت ختم ہوجاتی ہے یا کوئی آسمانی یا زمینی مصیبت میں آدمی مبتلا ہوجاتا ہے، اس نحوست کا مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث پاک میں خود بتلایا ہے، آپ نے فرمایا کہ بیوی کی نحوست یہ ہے کہ وہ شوہر کی نافرمان اور بدخلق ہو، اور گھوڑے کی نحوست کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھوڑا سرکش ہو اپنی پیٹھ پر جم کر مالک کو نہ بیٹھنے دیتا ہو، اور گھر کی نحوست کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر تنگ ہو اور اس کا پڑوس اچھا نہ ہو،

یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ کی سند سے بھی مسند حارثی میں اسطرح ہے **عن ابن بریدة عن ابیه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الشؤ م فی ثلاثة امرأة والدار والفرس، فشؤم المرأة ان تکون سیئة الخلق عاقرا وشؤم الدار ان تکون ضیقة حیران سوء، رشؤم الفرس ان یکون جموحاً یمنع ظهره،** یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے، عورت میں، گھر میں وار گھوڑے میں، عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ شوہر کی

نافرمان اور بد خلق ہو، اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور پڑوسی اچھے نہ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو اور پیٹھ پر بیٹھنے نہ دیتا ہو، (مسند حارثی ج۲ص۶۵۳)

اور حضرت معمر یہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ وہ اس حدیث کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ بے اولاد ہو، یعنی اس سے بچے پیدا نہ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کو جہاد میں استعمال نہ کیا جاتا ہو اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس کا پڑوسی اچھا نہ ہو (مصنف عبدالرزاق حدیث ۱۹۵۲۷)

بہر حال اگر نحوست کا کوئی مفہوم ہے تو یہی مفہوم ہے، عوام اور جاہلوں کے ذہنوں میں جو نحوست کا تصور ہے، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے نحوست کے جاہلی مفہوم سے اپنے ذہن اور دماغ کو صاف کر لینا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

حدیث کہتی ہے

جو مسلمان کسی مسلمان بھائی سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبت کو اس سے دور کرے گا،

یہی مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے، وہ دوسروں کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتا ہے، اور اپنے بھائی کو اس کی پریشانی سے نکالنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کسی مسلمان کو پریشانی میں دیکھ کر خوش ہونا انتہائی درجہ کی کمینہ خصلت ہے۔

محمد اجمل مفتاحی

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک غیر مقلد صاحب کی حاضری

اپنے علاقہ کے ایک اللہ والے مشہور حنفی بزرگ تھے، ان کی خدمت میں لوگ حاضر ہوتے اور ان سے بیعت ہوتے، ان کی زندگی سنور جاتی، اسی اطراف میں کسی جگہ پر ایک غیر مقلد صاحب بھی تھے، ان کو بھی ان بزرگ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا، وہ بھی ان بزرگ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی درخواست کی، ان بزرگ نے ان کو بیعت کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا مسلک اور ہے اور آپ کا مسلک اور ہے بہتر ہے کہ آپ اپنے مسلک والے کسی بزرگ سے بیعت ہو جائیں، مگر ان کا اصرار برابر جاری رہا اور کہا کہ مجھے بیعت تو آپ ہی سے ہونا ہے، ان کے اصرار کو دیکھ کر اس اللہ والے بزرگ صاحب نے کہا کہ میں آپ کو بیعت کرلوں گا مگر دو شرطوں کے ساتھ، پہلی شرط تو یہ ہے کہ جب تک آپ کو خود تحقیق نہ ہو جائے محض میری وجہ سے آپ اپنا مسلک نہ چھوڑیں، اور دوسری شرط یہ ہے کہ، بزرگوں اور اسلاف کی شان میں بدزبانی اور بدظنی سے پرہیز کریں، اللہ والے کی اس دوسری بات کو سنکر ان غیر مقلد صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کر ان بزرگ سے کہا کہ حضرت آپ نے تو غیر مقلدیت کی جڑ ہی کاٹ دیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ غیر مقلدیت تو بدگمانی اور اسلاف کی شان میں بدزبانی کا نام ہے۔

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

طہ شیرازی

خمار سلفیت

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! کیا کسی حدیث میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان اور قلب پر حق کر دیا ہے؟

باپ: جی بیٹا! یہ تو بہت مشہور حدیث ہے، ترمذی میں دیکھو گے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں مل جائے گی۔ ہمارے بڑے عالم مولانا داؤد راز صاحب نے بھی اپنی کتاب تشریح بخاری کی جلد اول کے مقدمہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔

بیٹا: ابا جی! یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی زبردست منقبت اور فضیلت ہے؟

باپ: جی بیٹا! یہ ان کی بڑی زبردست فضیلت اور منقبت ہے۔

بیٹا: ابا جی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو بات فرمائی ہے، یہی بات کسی اور صحابی کے بارے میں فرمائی ہے؟

باپ: نہیں بیٹا! یہ ارشاد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ہے،

بیٹا: تو ابا جی! وہ شخص تو بڑا اشقی، بد بخت گنہگار ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کے خلاف حضرت عمرؓ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرے اور یہ کہے کہ حضرت عمرؓ خلاف شریعت حکم جاری کیا کرتے تھے؟

باپ: بیٹا! اس میں کیا شک ہے ایسا شخص تو بڑا ہی بد بخت، گمراہ اور رسول پاک کی

بات کو جو حضرت عمرؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے انکار کرنے والا ہوگا،

بیٹا: ابا جی! تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی ہر بات، ان کا ہر فیصلہ، ان کا ہر قول وہی ہوگا جو منشاء شریعت ہوگا اور اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہوگی۔؟

باپ: بیٹا! اس میں کیا شک ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمارہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے قلب اور زبان پر حق کردیا ہے تو حضرت فاروقؓ کی کوئی بات ناحق اور شریعت اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔

بیٹا: تو ابا جی! ہم اہل حدیث جماعت والے حضرت عمرؓ کی شان میں بے ہودہ کلمات کیوں بکتے ہیں، ان کی باتوں کو خلاف شریعت اور خلاف سنت کیوں بتلاتے ہیں مثلاً دیکھیے حضرت عمرؓ کے بارے میں رئیس احمد ندوی صاحب جو جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ تھے کہتے ہیں کہ وہ خلاف شریعت تین طلاق کو تین کہتے تھے، ان کو کتاب وسنت کی سمجھ نہیں تھی، انہوں نے شریعت کے حکم کو بدل ڈالا، اور اس طرح بہت سی باتیں انہوں نے اپنی کتاب تنویر الآفاق میں لکھی ہیں،

باپ: بیٹا! یہ شخص بڑا بدقسمت اور بڑا محروم من الخیر انسان تھا، صحابہ کرام اور اسلاف عظام کی شان میں اس کی گستاخیوں نے دنیا ہی میں اس کو ایسے عذاب اور بیماریوں میں مبتلا کردیا تھا کہ لوگ اس کے پاس جاتے نہیں تھے، وہ جب مرا تو جامعہ سلفیہ کا کوئی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس سے اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہوا، اس کا چہرہ ایسا بگڑ گیا تھا کہ کسی کو اس کا چہرہ مرنے کے بعد دکھلایا نہیں گیا، یہ سب باتیں تو اس کے گاؤں میں بہت

مشہور ہیں،

بیٹا: مگر اباجی! بات صرف رئیس احمد ندوی جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ کی نہیں ہے ہمارے مشہور عالم مولانا جونا گڈھی بھی تو حضرت عمرؓ کی شان میں لکھتے ہیں کہ ان کو شریعت کے موٹے مسائل معلوم نہیں تھے، ان کے دلائل سے حضرت عمرؓ بے خبر تھے، اور ان سے بڑھ کر نواب وحید الزماں نے بھی تو بخاری شریف کے ترجمہ اور اس کی تشریح میں حضرت فاروقؓ کی شان میں بہت کچھ بکا ہے اور علامہ وحید الزماں کی بات کو ہمارے مشہور عالم جناب داؤد راز صاحب نے اپنی کتاب تشریح بخاری میں بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے اور اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تردید کی ہے یعنی حضرت فاروق اعظم کی اس بات کو غلط لکھا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہوتی ہے، اور مسلمانوں کو للکارتے ہوئے کہا ہے کہ لوگو تم کس کی بات مانو گے، حضرت عمرؓ کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی ہمارے ان علماء کا عقیدہ اور مذہب بھی یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے،

باپ: بیٹا! اصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک کہا جاتا تھا، اس وجہ سے ہمارے علماء کہتے ہیں کہ طلاق کے مسئلہ میں حضرت عمر کی بات خلاف سنت ہے،

بیٹا: اباجی! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کتنی تھی؟

باپ: کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۱۳ سال تھی،

بیٹا: یعنی وہ ابھی نابالغ تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر کیا تھی؟

باپ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو پچاس کے آس پاس تھے۔

بیٹا: ابا جی! بڑے تعجب کی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قدیم الاسلام تھے، بزرگ صحابی تھے، فاروق بین الحق والباطل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلب پر حق رکھا تھا، ان کو تو شریعت کا طلاق کے سلسلہ میں مسئلہ معلوم نہیں تھا، اور نہ یہ معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تین طلاق ایک ہوا کرتی تھیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بچے تھے، صرف تیرہ سال عمر تھی، بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، ان کی حدیث کو ہم نے دانتوں سے پکڑ رکھا ہے اور اس کو لے کر شان فاروقی پر ہم لوگ کیچڑ اچھالتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے خدا کا خوف نہیں کھاتے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریعت کا مسئلہ بدل دیا تھا اور اپنی خواہش سے بدلا تھا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی ہمیں کچھ پرواہ نہیں، نہ اس کا خیال رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر اور دل پر حق نازل کیا ہے! اس سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی مخالفت کچھ اور ہوگی؟

باپ: بیٹا! تمہاری بات بہت قابل غور ہے، ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے،

بیٹا: ابا جی! ذرا اس پر بھی غور کریں کہ اگر حضرت عمرؓ کی بات غلط تھی، ان کا فیصلہ خلاف شریعت تھا تو حضرت عمرؓ کے بعد تو حضرت عثمانؓ آئے، حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ آئے، پھر شام میں بیس سال تک حضرت امیر معاویہؓ تھے، ان کے علاوہ صحابہ کرام کی ہزاروں کی تعداد موجود تھی۔ کسی نے بھی

حضرت عمرؓ کے قول وعمل کے خلاف آواز بلند نہیں کی، نہ اپنے اپنے دور حکومت میں حضرت عمرؓ کے غلط عمل کو صحیح کیا اور شریعت کے مطابق فیصلہ جاری کیا؟ کیا اس بات سے ان خلفائے راشدین اور ان تمام صحابہ کرام کی تصویر نہیں بگڑتی کے یہ سب کے سب ایک غلط کو صحیح سمجھ کر اس پر جمے رہے اور ان میں کسی کو وہ بات معلوم نہیں ہوئی جو ایک تیرہ سالہ بچے کو معلوم ہوئی؟ اور پھر صحیح بات نہ امام ابوحنیفہ کو معلوم ہوئی۔ نہ امام شافعی کو، نہ امام مالک کو اور نہ امام احمد کو، نہ امام بخاری کو نہ امام مسلم کو اور نہ کسی اور صحاح ستہ کے مصنفین کو اور سب نے وہی کہا اور اس کو مذہب بنایا جو فرمان فاروقی تھا!

باپ: بیٹا! تمہاری بات بہت قابل غور ہے، اور واقعتاً ہماری جماعت کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

بیٹا: ابا جی! یہ باتیں تو بہت کھلی اور واضح ہیں، بات یہ ہے کہ ہمارے لوگوں کا عقیدہ اور مسلک صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شیعوں والا ہے، اگرچہ یہ بات بہت تلخ ہے، مگر ہے، حقیقتاً سو فیصد صحیح۔ کیا ایسا نہیں ہے ابا جی؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

☆☆☆☆☆

محمد اجمل مفتاحی

سراج القاری لحل صحیح البخاری

افادات برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

گجرات کے حالیہ سفر میں میری ملاقات شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے خادم خاص اور خلیفہ اجل حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب متالا مقیم حال زامبیا دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مذکورہ بالا نام سے شائع کتاب کی ایک جلد عنایت فرمائی اور پھر مراد آباد سے اس کی دوسری جلد مولانا محمد سالم صاحب نے بھیجی جن کی نگرانی میں یہ کتاب شائع ہورہی ہے۔

سراج القاری حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درسی افادات ہیں، جو تحقیق وتعلیق کے بعد حضرت مولانا محمد سالم صاحب بانی دار العلوم زکریا مراد آباد شائع کررہے ہیں،

حضرت مولانا متالا دامت برکاتہم نے مسلسل حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری میں تین سال تک شرکت کرکے ان افادات کو جمع کیا ہے، جن لوگوں کو حضرت شیخ الحدیث کے درس کا انداز معلوم ہے انہیں کچھ انداز ہوگا کہ حضرت متالا مدظلہ کو ان افادات کو جمع کرنے میں کتنی محنت اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریر بڑی رواں اور بڑی سرعت کی ہوا کرتی تھی، حضرت کو جلدی جلدی بولنے کی عادت تھی، اور درمیان درس گریہ وبکا کا بھی غلبہ رہتا تھا جس سے آواز پھنس پھنس جاتی تھی، مگر حضرت نور اللہ مرقدہ کی برکت اور حضرت متالا کی اپنے شیخ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت نے ان افادات کو جمع کرنے کا کام حضرت متالا مدظلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا، اور حضرت متالا مدظلہ کے توسط سے یہ بابرکت اور نہایت قیمتی اور علمی افادات ہم تک پہونچ رہے ہیں، فجزاہ اللہ تعالیٰ

خیر الجزاء!

کتب احادیث کی درسی تقاریر ایک نہیں کئی کئی مجھے دیکھنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ افادات بالکل دوسری نوعیت کے ہیں، حشو وزوائد جیسی کوئی چیز نہیں ملتی، زبان بہت سادہ استعمال فرماتے ہیں ائمہ اور اکابر کا پورا لحاظ رکھتے ہیں، پورے افادات میں کہیں تعلّی اور تصنع نظر نہیں آتا واقعتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اللہ والے ولی کامل کا کلام ہے سب سے بڑی بات ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر دیوبند و اکابر سہارنپور رحمہم اللہ کی احادیث کی تحقیقات کا ان افادات میں ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحب (رحمۃ اللہ) کی علمی تحقیقات سے یہ افادات بھرے پڑے ہیں یعنی ہم کو بیک وقت اپنے علمی فوائد کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے ان تمام اکابر رحمہم اللہ کے فوائد علمیہ وحدیثیہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کر دیا ہے یہ سراج القاری کا بہت بڑا امتیاز ہے جس نے ان افادات کو دوسری تقاریر بخاری سے بہت ممتاز کر دیا ہے۔

ان افادات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تعارض بہت کم ہے حضرت احادیث کا ایسا مطلب بیان کرتے ہیں کہ بظاہر نظر آنے والا تعارض باقی نہیں رہتا، اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو بخاری شریف میں چھری سے کھانے کی اجازت ہے، اور ابوداؤد کی حدیث میں ممانعت ہے، بخاری شریف اور ابوداؤد کے حدیثوں کے اس تعارض کو دفع کرنے میں شارحین حدیث نے مختلف توجیہات کی ہیں، مگر حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، جہاں ممانعت ہے تو چھری سے گوشت

کاٹ کر چھری ہی سے کھانے کو منع کر دیا ہے اور جہاں اجازت ہے تو گوشت کو چھری سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا بیان ہے۔

ان افادات کی ایک خاص اور بہت اہم بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اشارت کی وضاحت ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جس کتاب میں وہ پڑھاتے تھے تو بخاری کے اس نسخہ پر حاشیہ یا بین السطور میں اپنے قلم سے چند حروف وکلمات میں کچھ اشارے کیا کرتے تھے جو بڑے قیمتی ہوا کرتے تھے، ان اشارات کو بھی حضرت کا اصل نسخہ لے کر ان کی وضاحت کی گئی ہے جس سے معلومات کا ایک دریا وجود میں آتا ہے، اس کی صرف ایک مثال ملاحظہ ہو، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے۔

باب لیبلغ العلم الشاھد الغائب

اس باب کی توضیح میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیبلغ والی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، مگر ان کی کسی حدیث میں العلم کا لفظ نہیں بلکہ آیت کا لفظ ہے، جب کہ امام بخاری باب میں العلم کا لفظ لا رہے ہیں، پھر اس کی وجہ بیان کی ہے۔ یہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (عندی لا یقتصر بالآیۃ) حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے کہ میرے نزدیک بلغوا عنی ولو آیۃ کے عموم پر متنبہ کرنا ہے، کیونکہ ولو آیۃ کے لفظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صرف قرآن کی تبلیغ کی بات کہی جارہی ہے لہٰذا اس کے علاوہ کے ساتھ یہ حکم نہیں ہے اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمادی کہ مقصود تبلیغ علم ہے، خواہ وہ آیت قرآنی سے ہو یا حدیث پاک سے ہو،

حیا کو ایمان کا حصہ کہا گیا ہے اور امام بخاری نے باب قائم کیا ہے الحیاء من الایمان یہاں حضرت نے ایک لفظ ''التفاوت'' بڑھا دیا ہے، یعنی حضرت نے اشارہ

کیا کہ حیا کے مختلف درجات ہیں لہذا اس سے ایمان کے درجات کا بھی تفاوت ثابت ہوتا ہے، اس طرح کے علمی فوائد سے یہ افادات بھرے پڑے ہیں۔

ان افادات کی تحقیق مولانا محمد سالم صاحب اپنے جامعہ کے جن طالب علموں سے اپنی نگرانی میں کرا رہے ہیں، یعنی خورشید احمد اعظمی موی، محمد شاکر عمیر معروفی موی اور راسخ الاسلام ارریاوی، یہ طلبہ نہایت ہی مبارک باد کے مستحق ہیں، انہوں نے اپنی تحقیقات میں اپنے پورے علمی ذوق کا ثبوت دیا ہے، اور بڑی محنت سے اس کام کو انجام دے رہے ہیں، ان کی تحقیقات کو دیکھ کر ان کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد سالم دامت برکاتہم کے جامعہ زکریا کا علمی و تعلیمی معیار ماشاء اللہ قابل مبارکباد ہے۔ شکر اللہ مساعلیہم جمیعاً، حضرت مولانا متالا مدظلہ سے معلوم ہوا کہ یہ افادات تحقیق و تعلیق کے ساتھ دس جلدوں میں پورے ہوں گے۔ ہم اپنے ذوق کی تسکین اور ان مجلدات سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کرنے کے لئے ان جلدوں کے سراپا اشتیاق و انتظار میں ہیں، ایک دفعہ ہم پھر حضرت متالا مدظلہ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ان برکتی افادات کو منظر عام پر لانے کے لئے اپنی دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔

سراج القاری کی پہلی جلد کا طباعتی معیار کچھ بہت اچھا نہیں تھا جس کو حضرت مولانا متالا مدظلہ اور مولانا محمد سالم نے غالباً محسوس کیا اب جو دوسری جلد آئی ہے وہ ہر اعتبار سے بہت معیاری ہے۔ اور اتنی معیاری ہے کہ اگر اس پر نظر پڑے تو کچھ دیر کے لئے ہٹے نہیں۔ یہ حضرت متالا برکاتہم کے ذوق اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے ان کے غایت تعلق اور عقیدت کی بات ہے۔ نیز مولانا محمد سالم صاحب کے اہتمام اور اس کتاب کی طباعت سے غایت درجہ دلچسپی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو حضرت اقدس رحمہ اللہ کی دوسری علمی یادگاروں کو بھی جو اب تک شائع نہیں ہو سکیں ہیں اور مسودات کی شکل میں ہیں، اسی معیار پر منظر عام پر لانے کی توفیق بخشے۔

ایں دعا از من و از جہاں آمین باد

☆☆☆☆☆

پہلی قسط

گجرات کا ایک یادگار سفر

گجرات کے مشہور گاؤں کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں میری تدریسی زندگی کے بہترین تقریباً نو ساڑھے نو سال گذرے ہیں، مجھے اس درسگاہ سے دلی تعلق ہے، اس لئے میرا اس درسگاہ میں چند دن گزارنے کے لئے اب بھی بار بار جانا ہوتا ہے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے موجودہ مہتمم مولانا احمد بزرگ سلمہٗ میرے بہت ہی عزیز شاگرد ہیں، نہایت خاموش، سنجیدہ اور بہت متین طبیعت کے مالک ہیں، اور جامعہ اسلامیہ کے قابل فخر استاذ اور گجرات کی مشہور، مقبول اور محبوب شخصیت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب میرے بہت ہی عزیز رفقائے تدریس میں سے ہیں، ان کی شخصیت بھی میرے لئے باعث کشش ہوتی ہے، مولانا خانپوری دامت برکاتہم کو پورے صوبہ گجرات میں بڑا علمی وروحانی مقام حاصل ہے۔ اس کے باوجود جب بھی میری اور ان کی ملاقات ہوتی ہے تو ہماری مجلس بڑی بے تکلفانہ اور باغ و بہار والی ہوتی ہے، ایک مرنجا مرنج طبیعت کے مالک نہایت ہی کشادہ خوان نعمت سجانے والے اور بے تکلف طبیعت کے مالک، پر مزاح اور پر مذاق گفتگو کرنے والے مولانا موسیٰ صاحب ناظم کتب خانہ کی ہے، جو ماشاء اللہ اس وقت اپنے تو تن وتوش کے اعتبار سے ایک شان بنے ہوئے ہیں ان سب سے ملنا، میری تفریح کا باعث ہوتا ہے، ان کے علاوہ میرے شاگردوں میں سے کئی ایک اسی جامعہ میں بحیثیت مدرس کام کر رہے ہیں ان سے مل کر دلی خوشی ہوتی ہے، اور طبیعت منشرح رہتی ہے،

ڈابھیل سے قریبی قصبہ بارڈولی ہے، وہاں میرے عزیز ترین شاگرد محمد زکی سلمہ کا گھر گویا اپنا ہی گھر ہے، وہاں جانا بھی لازمی ہوتا ہے اور جس طرح عزیزم سلمہ وران۔ کے بچے اور ان کی اہلیہ میری خدمت میں لگے رہتے ہیں دل سے دعا نکلتی ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی حفاظت میں رکھے،

اسی بارڈولی میں میرے محترم اور بڑے کرم فرما مولانا مفتی ابراہیم غزیا ہیں جو مجھ سے بہت تعلق رکھتے ہیں انہوں نے چند سال پہلے دارالاحسان نام سے اپنے چند رفقاء کے ساتھ ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے، جو انہیں کی زیر نگرانی بہت تیزی سے آگے قدم بڑھاتا ہوا ترقی کی منزل طے کر رہا ہے، مفتی ابراہیم صاحب کا بھی اصرار ہوتا ہے کہ ان کے دارالاحسان میں بھی چند روز گزرے، مفتی ابراہیم غزیا کی شخصیت بھی قابل رشک ہے خود ایک بڑے عالم ہیں، بارڈوی میں ان کو قبول عام حاصل ہے، مگر حسن اخلاق کا ایسا پیکر ہیں کہ آدمی ان کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ سیکھے، میں نے جوانوں میں ایسا متواضع انسان بہت کم دیکھا ہے، دارالاحسان کے اساتذہ طلبہ بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، دردمند دل کے مالک ہیں، حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی رام ظلہ سے ان کو خرقۂ خلافت حاصل ہے مگر کبھی اس کا تذکرہ بھی ان کی زبان پر نہیں آتا، چہرہ بھی عبادت وریاضت کے نور سے روشن مسکرا کر اور نہایت دھیمے لب ولہجہ میں گفتگو کرتے ہیں، زمزم کے قاری اور اس کے بہترین قدرداں ہیں، ان سے مل کر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے اور ان کے مزاج میں بے انتہا توافق ہے، مفتی صاحب بھی، میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند والا مزاج رکھتے ہیں، صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنا ان کا مزاج ہے، اس لئے مجھ کو ان سے اور ان کو مجھ سے بڑی مناسبت ہے،

ڈابھیل میں سے قریب ایک گاؤں کفلیتہ ہے، یہاں ایک بہت کم عمر مدرسہ جامعۂ قراءت کے نام سے ہے، جس کے بانی میرے عزیز شاگرد مفتی داؤد بسم اللہ کے برادر خورد قاری اسماعیل بسم اللہ سلمہ ہیں، قاری اسماعیل نہایت جواں ہمت پرعزم حوصلہ اور بے انتہا محنت کرنے والے ایسے نوجوان ہیں کہ ہم جیسے بوڑھے بھی اس کی جوان ہمتی، عزام وحوصلہ اور کام کرنے کا جذبہ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے پرعزم ہوجاتے ہیں،

قاری اسماعیل سلمہ نے بہت کم مدت میں جامعۃ القرأت کی ایسی تعمیر کھڑی کردی ہے کہ وہ اس وقت تعمیری اعتبار سے بڑے بڑے جامعات کا مقابلہ کررہی ہے، اور نظم وانتظام بھی نہایت چست اللھم بارک فی حیاتہ،

اسی جامعہ میں میرے قدیم اور عزیز ترین شاگرد عزیزم محمد صالح بھوریا سلمہ مدرس ہیں اور احادیث وفقہ کی اونچی کتابوں کا درس دیتے ہیں اس وقت ان کے پاس مسلم شریف جیسی عظیم اور حدیث پاک کی اہم کتاب ہے۔ فقہ میں ہدایہ شریف کا درس بھی ان کے ذمہ ہے، محمد صالح سلمہ سے میرا تعلق شروع ہی سے گہرا رہا ہے، ان کو بھی مجھ سے محبت ہے، بہترین تدریسی صلاحیت کے مالک ہیں، صالح نام ہے طبیعت کے بھی بہت صالح ہیں،

عرض کرنا یہ ہے کہ ان تمام محبت کرنے والوں سے ملنے کے لئے اور کبھی خود ان کی دعوت پر میرا بار بار گجرات کا سفر ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے، مگر اس بار کا سفر گجرات کچھ دوسری نوعیت کا تھا اس وجہ سے دوستوں نے اصرار کیا کہ تھوڑی سی اس کی تفصیل زمزم میں آجائے تو بہتر ہے، ان کے حکم پر اور ان کی رعایت میں اس تازہ سفر گجرات کی داستان لکھنے کے لئے آج اور اس وقت میں نے قلم اٹھایا ہے، اللھم تممہ بالخیر وایاک استعین

اس سفر گجرات کے اصل داعی اور شہر سورت کے میرے بہت عزیز دوست اور مخلص کرم فرما، مولانا ارشد میر مہتمم جامعہ فیض سبحانی تھے، (۱) انہوں نے چند سال قبل

---

(۱) مولانا ارشد میر کے والد جناب عبدالقادر میر تھے، جو جو شہر سورت کی معروف اور مشہور قومی وسیاسی شخصیت تھی جب میں ڈابھیل میں مدرس تھا تو کئی دفعہ ان کے گھر آنا جانا ہوا تھا، سورت شہر جمعیۃ کے وہ صدر تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا جب گجرات کا سفر ہوتا تھا تو عبدالقادر میر صاحب مولانا کے سفر کے عام طور پر منتظم ہوتے،

مولانا ارشد میر انہیں کے خلف الصدق ہیں، طبیعت کے بڑے سادہ اور پاکیزہ نفس اور بے تکلف نوجوان ہیں دینی وقومی کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، سورت میں جامعہ فیض سبحانی کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا ہے، نیز لڑکیوں کا ایک مدرسہ بھی ان کی سرپرستی میں چل رہا ہے، دعوتی اور اصلاحی مزاج ہے، میرے ساتھ ان

گجرات کے کاٹھیاوار علاقہ کا سفر کیا تھا تو ان کو احساس ہوا کہ اس طرف ہمارے علماء دیوبند کا آنا جانا بہت کم ہوا ہے جب کہ ضرورت ہے کہ علمائے حقانی اور علمائے دیوبند کا مرکز توجہ یہ علاقہ بھی بنے گا تا کہ عقیدہ، مسلک کے سلسلہ میں صحیح بات یہاں کے عوام تک پہونچے، مجھ سے ان کو اخلاص ومحبت کا تعلق ہے اور مجھ سے اللہ نے محض اپنی توفیق سے جو کچھ جو کام لیا ہے اس کی ان کے دل میں بڑی قدر ہے، اس لئے دوسال سے ان کا اصرار تھا کہ میں ان کے ساتھ اس علاقہ کا پروگرام بناؤں، چنانچہ اب کی دفعہ کا گجرات کا سفر انہیں کی تحریک پر اصلا اسی علاقہ کے لئے تھا، اس سفر کی ابتداء کچھ یوں ہوئی کہ ۵/مارچ کو جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ میں شریک ہونے کے لئے مجھے دہلی جانا تھا، ۴/مارچ کا میں نے غازیپوری سے دہلی کا ٹکٹ بنوا رکھا تھا، مجلس عاملہ کے ساتھ میں ۷/مارچ کو مجلس منتظمہ کا بھی اجلاس تھا اور آٹھ کو حج کانفرنس تھی، ان تینوں پروگراموں میں مجھے شریک ہونا تھا، اس لئے دہلی تین دن رکنا تھا، جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کے ایک معزز اور مؤقر مدعو خصوصی حضرت قاری محمد ایوب صاحب دامت برکاتہم بھیونڈی مہاراسٹر کے ہیں ان کو جب معلوم ہوا کہ میرا گجرات کا سفر ہے اور مجھے ممبئی ہو کر جانا ہے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے ساتھ میرا بھی ممبئی کا ٹکٹ بنوالو، ممبئی تک ہم دونوں ساتھ ہی سفر کریں گے (۱) میں نے دہلی میں تین روز ٹھہرنا مناسب نہیں جانا

کا تعلق چند سالوں سے زیادہ کا نہیں ہے، مگر میرے ساتھ ان کا ربط وتعلق اس قسم کا ہو گیا ہے۔

من تو شدم تو من شدی   من جان شدم تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازاں   من دیگرم تو دیگری

(۱) قاری محمد ایوب صاحب دامت برکاتہم سے میرا دیرینہ کوئی تعلق نہیں تھا نہ کوئی دید وشنید تھی، جب ان کو جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کا مدعو خصوصی بنایا گیا ہے اور ان کی شرکت ہونے لگی اس وقت سے ان سے تعارف ہوا۔ حضرت قاری صاحب سے جو پہلی ملاقات ہوئی تو وہ میرے دام محبت کے شکار ہو گئے یا انہوں نے خود مجھ کو اپنے دام محبت کا شکار بنالیا، مجھ سے فرماتے ہیں کہ جب آپ سے پہلی ملاقات ہوئی تو آپ کی بے تکلف گفتگو اور ہر بات میں کھلے انداز سے میں بہت متاثر ہوا، اب ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ دہلی آتے ہیں تو جہاں میں ہوتا ہوں وہاں وہ ہوتے ہیں اور جہاں وہ ہوتے ہیں وہاں میں ہوتا ہوں۔ سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا کہیں، آنا جانا تو ہم دونوں

قاری صاحب بھی اس سے متفق ہوئے اور ہم نے سات تاریخ کا ٹکٹ ممبئی کے لئے کنفرم کرایا، میں دہلی پانچ کی صبح پہونچ گیا تھا، قاری صاحب بھی اسی روز آگئے ہم نے مجلس عاملہ اور منتظمہ میں شرکت کی اور ۷ر مارچ کو راجدھانی سے ممبئی کا سفر کیا، ممبئی کے بورعلی اسٹیشن پر میرے ممبئی کے میزبان بھائی عمر کا پڑیا اور ایک صاحب عرفان نام کے جن سے شناسائی چند روز قبل ہوئی تھی اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھے قاری ایوب صاحب بھی اس اسٹیشن پر اترے اور جو صاحب ان کو لینے آئے تھے وہ تو ان کے ساتھ بھیونڈی چلے گئے، اور میں بھائی عمر کے ساتھ عرفان صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنی جگہ ملت نگر اندھیری پہونچا یہیں بھائی عمر رہتے ہیں جن کے یہاں مجھے قیام کرنا تھا۔

بمبئی کا یہ سفر محض بھائی عمر اور ان کے بچوں، عرفان سلمہ اور رضوان سلمہ کی وجہ سے اور ان کی خاطر داری میں ہوا تھا، اس کا قصہ یہ ہے کہ میں قاری ایوب صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر ایک ولیمہ میں شریک ہونے کے لئے محض ایک روز کے لئے بھیونڈی گیا تھا، جب بھائی عمر کو معلوم ہوا کہ میں بھیونڈی آیا ہوں اور بمبئی نہیں آؤں گا تو مجھ سے ملنے کے لئے اپنے صاحبزادہ عرفان سلمہ اور چند بمبئی کے مقتدر شخصیات کے ساتھ بھیونڈی آگئے تھے، ان حضرات کا اصرار تھا کہ میں واپسی کا ٹکٹ کینسل کردوں اور ایک دو روز کے لئے میں ضرور رکوں، مگر میرا دہلی، دیوبند، سہارنپور میرٹھ کا پروگرام طے تھا، اس وجہ سے ان کی اس خواہش کو پوری کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا، میں نے ان

ساتھ ہوتے ہیں۔ قاری صاحب بھیونڈی کے مشہور مدرسہ مفتاح العلوم کے ناظم اعلیٰ ہیں ان کی نظامت میں اس مدرسہ نے کافی ترقی کی ہے، مہاراشٹر صوبہ جمعیۃ کے نائب صدر ہیں، بلند اخلاق، بلند کردار صاحب مروت، شریف طبیعت اور زندہ دل آدمی ہیں کم ہی ان کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب رہتی ہے، کھانے پینے اور لباس کے معاملہ میں اتنے ہی صاحب ذوق ہیں، جتنا میں بدذوق ہوں، سماجی، اور ملی کام میں ذمہ دارانہ طریقہ پر پیش پیش رہتے ہیں بھیونڈی شہر میں ان کی شخصیت خاص وعام میں مقبول ہے، اگر آپ کسی مدرسہ کے سفیر ہیں اور بھیونڈی چندہ کے لئے گئے ہیں تو بلا ان کی تصدیق کے آپ کو اس شہر میں چندہ ملنے کا نہیں ہے، اس کا خیال رکھ کر بھیونڈی چندہ کے لئے جائیں۔

سے وعدہ کیا تھا کہ میرا جب گجرات کا سفر ہوگا تو میں بمبئی دو ایک روز کیلئے ان کی خدمت حاضر ہوں گا، بمبئی کا یہ سفر اس کئے ہوئے وعدہ کی تکمیل کے لئے تھا،

بھائی عمر کا پڈیا کا گھر اور گھرانہ بمبئی میں میرے لئے ایک نعمت ہے، جب مین ان کے گھر جاتا ہوں تو پورا گھر جیسے خوشیوں میں ڈوب جاتا ہے، رضوان اور عرفان سلمہ کے بچے بچیاں حضرت آگئے، حضرت آگئے کا شور مچاتے ہیں، رضوان سلمہ اور عرفان سلمہ کا چہرہ خوشیوں سے دمکتا ہے، گھر کی خواتین، حضرت کو کیا کھلا دیں کیا پلادیں اسی میں لگی رہتی ہیں، بھائی عمر کا مزاج دینی اور دعوتی ہے، اور میرے مزاج سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے ہم دونوں میں بڑی مناسبت رہتی ہے، عقیدۂ مسلک کی حفاظت کے لئے وہ فکرمند رہتے ہیں، ان کے گھر میں آرام اور آسائش کی ساری سہولتیں ہیں۔ اس لئے اس گھر میں میرے لئے بڑی سہولت ہے اور ہر طرح کا آرام ملتا ہے، اگر کسی مہمان سے میزبان اور میزبان کے گھر والے خوش رہیں اور اس کو بوجھ نہ سمجھیں تو یہ بڑی نعمت اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی بات ہے، ان حضرات کا میرے ساتھ کچھ اس قسم کا معاملہ ہے۔ **فجزاھم اللہ خیرا**

یہاں ایک واقعہ بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ دو سال قبل بمبئی میں گیا ہوا تھا، قیام بھائی عمر ہی کے یہاں تھا، واپسی کے روز ان کی بڑی بہو نے کہا کہ راستہ کے لئے زاد سفر میں حضرت کے لئے چینی ڈش تیار کررہی ہوں، میں دال بھات کھانے والا آدمی، چینی ڈش کا جو نام سنا تو منھ میں پانی آنا ہی تھا، چنانچہ نہایت اہتمام سے اس کا انتظام کیا جانے لگا، مگر اس کی تیاری میں کچھ اتنی تاخیر ہوئی کہ گاڑی کا وقت بالکل قریب ہوگیا اور بالآخر مجھے کہنا پڑا کہ یہ ڈش پھر کسی موقع سے کھالوں گا، اب تو میں چلتا ہوں بھائی عمر کے گھر سے کرلا اسٹیشن جانا تھا جس کی مسافت ان کے گھر سے ایک گھنٹہ کی ہے اور اگر راستہ میں جام لگ جائے جو بمبئی شہر کے راستوں کے لئے عام بات ہے تو کتنی دیر لگے کچھ کہا نہیں جاسکتا، بھائی عمر ساتھ تھے راستہ میں بھیڑ بھاڑ

تھی ابھی آدھا راستہ بھی نہیں پہونچے تھے کہ گاڑی چھوٹنے کا وقت ہو گیا میں بھائی عمر کے چہرہ پر پریشانی کی ابھرنے والی لکیروں کو پڑھ رہا تھا، میں نے سوچا کہ اگر میں نے بھی پریشانی کا اظہار شروع کیا، تو بھائی عمر کو مزید پریشانی ہوگی اور ندامت بھی اس لئے میں اپنے کو بالکل پرسکون بنائے ہوئے بلا کسی تشویش اور بے چینی کا اظہار کئے ان سے ہنس ہنس کر پورے راستہ بات کرتا رہا، بزرگوں کے قصے سناتا رہا اس طرح پورا راستہ ہم نے طے کیا، خدا کی قدرت جب ہم بیس منٹ بعد اسٹیشن پہونچے تو ہماری گاڑی کھڑی تھی اور جب ہم نے گاڑی میں قدم رکھا تو چند منٹ کے بعد ہی گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا، بھائی عمر پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ مختلف مواقع پر لوگوں سے اس کا ذکر کرتے رہے، فرماتے تھے کہ میں نے مولانا غازی پوری جیسے مضبوط دل کا آدمی کم دیکھا ہے اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ کتنا پریشان ہوتا مگر مولانا غازی پور گھبراہٹ اور پریشانی کا کوئی اثر نہیں تھا، اس کی واقعہ نے جو کوئی بہت عجیب واقعہ نہیں ہے ان کے دل میں میری محبت کو اور پختہ کر دیا،

اس سفر میں میرا قیام صرف دو روز اور تیسرے دن کا کچھ حصہ رہا، ۱؍ مارچ کو شام میں گجرات کے لئے میری واپسی تھی۔

بمبئی شہر اہل ثروت اور اصحاب دولت اور بڑے بڑے تاجروں کا شہر ہے، بہت سے اصحاب ثروت حضرات سے میری بھی شناسائی ہے، مگر میرا مزاج مالداروں سے ملنے ملانے کا نہیں ہے، اس لئے میں جب بمبئی جاتا ہوں تو اہل علم سے ملاقات کرتا ہوں، یا وہ خود مجھ سے مل لیتے ہیں، مگر دولت والوں کے پاس میرا آنا جانا نہیں ہوتا ہے، تاجروں اور اہل ثروت میں صرف ایک ذات گرامی ایسی ہے جس کے پاس میں خود ملنے جاتا ہوں، بلکہ جانا ضروری سمجھتا ہوں، اور وہ بھائی رضوان عطور کے تاجر کی جو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں اور علماء سے تعلق رکھتے ہیں، مکارم اخلاق کے مالک ہیں، تواضع اور انکسار ان کی ہر ہر اور سے

ظاہر ہوتا ہے، میرے ساتھ انتہا کی محبت اور عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں ان کی دکان پر گیا ہوں اور انہوں نے میرے لئے اپنی گدی نہ چھوڑا ہو مجھ سے ملتے اس طرح ہیں جیسے ان کے ہاتھ کوئی بڑی دولت لگ گئی ہو، میری کتابوں کے انتہائی قدرداں ہیں، ان کے ذریعہ میری عربی کتاب وقفۃ الامذہبیہ کی ایک بڑی تعداد سعودیہ عرب شیوخ وعلماء کے ہاتھوں پہونچی، جو میری ہر کتاب کی ایک معتد بہ تعداد وہ خرید کر اہل علم میں مفت تقسیم کرتے ہیں ان کی انہیں دل آویز اداؤں کی وجہ سے مجھ کو ان سے تعلق خاطر ہے، اور بمبئی کا اگر سفر ہوتا ہے تو ان سے ملاقات کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں، اس سفر میں بھی اگر کسی سے بطور خاص ملنے گیا تو وہ ذات صرف بھائی رضوان کی تھی ان کے ملنے کا انداز وہی والہانہ اور عقیدت مندانہ تھا دوپہر کا کھانا انہیں کے ساتھ کھایا اور قیلولہ انہیں کی دکان پر کیا ان کا میرے ساتھ ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ جب میں ان سے رخصت ہوتا ہوں تو مختلف انواع کی عطریں، سرمہ اور مہدی اتنی وافر مقدار میں ہدیہ کرتے ہیں کہ اگر میں اور میرے گھر والے تنہا ان کو استعمال کریں تو کئی سال کے لئے وہ کافی ہو انہوں نے اپنے شیخ کے نام پر ایک خاص عطر تیار کیا ہے جس کا نام انہوں نے مرغوب الحلیم رکھا ہے، اس کی ایک بڑی شیشی بطور خاص بڑی محبت سے پیش کرتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ یہ صرف آپ استعمال کریں، علم اور اہل علم کے قدرداں بمبئی کے تاجروں میں ان جیسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر، صحت اور تجارت میں برکت دے۔

بمبئی سے گیارہ مارچ کو گجرات کے لئے ہم روانہ ہوئے اور بمبئی سے ساڑھے تین بجے سے چل کر آٹھ بجے شب میں بعد مغرب ہم سورت اسٹیشن پر پہونچے جہاں میرے استقبال میں مولانا ارشد میر اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

یاران نبی کے ساتھ رہو

محمد ابوبکر غازی پوری

بوبکر و عمر کے ساتھ رہو، عثمان وغنی کے ساتھ رہو
اصحاب نبی یاران نبی، یاران نبی کے ساتھ رہو

حمد خدا بھی کرتے رہو، نعت نبی بھی پڑھتے رہو
مدح صحابہ کرتے رہو، یاران نبی کے ساتھ رہو

جو بغض صحابہ رکھتے ہیں، ان سے رشتہ رکھنا کیا
رشتہ ان سے توڑو تم، یاران نبی کے ساتھ رہو

رشتہ ان سے محکم ہو۔ اللہ جس سے راضی ہے
خاصان خدا کے ساتھ رہو، یاران نبی کے ساتھ رہو

حب صحابہ دل میں ہے۔ بوبکر کو دولت کیا کم ہے
اس کا کہنا اتنا ہے، یاران نبی کے ساتھ رہو

دین کا پرچم لہرایا، طاغوت منھ کے بل آیا
اس کام کو کس نے دکھلایا، یاران نبی کے ساتھ رہو

حب صحابہ حب نبی، بغض صحابہ بغض نبی
ارشاد ہے کس کا یاد کرو، یاران نبی کے ساتھ رہو

معصوم نبی کی ذات ہے بس، محفوظ مگر اصحاب بھی ہیں
اس کے سوا تم کچھ نہ سنو! یاران نبی کے ساتھ رہو

یوسف بھولا پڑھتا رہا مجمع سارا سنتا رہا
جس نے سنا وہ بول اٹھا یاران نبی کے ساتھ رہو

نوٹ:۔ یہ اشعار عزیزم قاری محمد یوسف بھولا سلمہ مقیم حال امریکہ کی فرمائش پر کہے گئے ہیں۔

مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا

جلد ۱۴

دوماہی دینی و علمی مجلّہ

شمارہ ۵

زمزم

رمضان، شوال ۱۴۳۲ھ

مدیر مسئول و مدیر التحریر

محمد ابوبکر غازی پوری

سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے

پاکستان کے لئے .... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ

پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی

ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر Punjab National Baink 0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے

پتہ

مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور۔یوپی

Pin. 233001............ Mob.9453497685/08423339082

فہرست مضامین

محمد اجمل مفتاحی

ادرایہ

یہی تو ہمارے ادبار کی نشانی ہے

میں نے بار بار زمزم میں لکھا ہے کہ عرب حکمراں خواہ امارات کے ہوں یا سعودیہ کے یا کسی اور ملک کے ان کی زندگی عیاشی میں گزر رہی ہے، اور کسی ایک حکمراں کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی فکر نہیں ہے۔ مسلمان آج کیسی ذلت وخواری کی زندگی گزار رہا ہے۔ اسلام کے خلاف کیسی کیسی خطرناک سازش کی جارہی ہے، اسلام کی مقدس کتاب کے خلاف یہودیوں اور عیسائی حکومتوں میں کسی قسم کی متعصبانہ حرکتیں کی جارہی ہیں، نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دنیا میں کتنا غلط اور گندہ پروپگنڈہ کیا جارہا ہے یہ بے غیرت اور بے حیا اپنی عیاشی کی زندگی میں مست حکمراں ان باتوں کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا نہ اُن باتوں سے ان کے دل پر کوئی چوٹ لگتی ہے، امریکہ نے ان کو اپنا غلام بنا کران کی غیرت وحمیت کو ختم کردیا ہے۔ ان کی زبان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑے سے بڑے اقدام پر بھی بند رہتی ہے، ان کی زمین کو اللہ نے جن دولتوں سے مالا مال کیا ہے ان کو اس کی بھی فکر نہیں ہوتی، وہ دولت امریکہ کس کس حیلے اور بہانے سے لوٹ رہا ہے، اور ان کو کنگال بنا رہا ہے، آج کی اس صحبت میں مجھے ان حکمرانوں کی عیاشانہ زندگی کے کچھ نمونے دکھلانے ہیں، تاکہ مسلم قوم اس سے عبرت حاصل کرے، تو سنئے کہ ان حکام کی زندگیوں پر تحقیق کرنے والے اداروں کے مطابق ان میں سے بعض حکام کا صرف ایک دن کا خرچہ تیس لاکھ ڈالر تک پہنچتا ہے۔ یہ خطیر رقم ان کے ان محلات کے روزمرہ مصارف پر خرچ ہوتی ہے جو امریکہ اور مختلف یورپی ممالک اور مشرقی ساحلوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ نیز اسی رقم سے ان محلات میں ہونے والے لہو ولعب، آوارگیوں، بدکاریوں اور جوئے بازیوں کے اخراجات بھی پورے کئے جاتے ہیں۔ اسی ایک

مثال پر آپ ملت اسلامیہ کے دیگر حکام کو بھی قیاس کر سکتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ پر نشر ہونے والی ایسی ہی ایک دل سوز خبر ایک عرب شہزادے فیصل بن فہد کی تھی جس نے جوئے کی ایک میز پر ۱۰ کھرب ڈالر ہارے اور پھر اسی صدمے کی وجہ سے اس کی حرکتِ قلب بند ہوگئی اور وہ مر گیا۔

دبئی، متحدہ عرب امارت کی ذیلی ریاستوں میں سے ایک اہم ریاست ہے۔ اس ریاست کے اقتصادی معاملات کو یہاں کا حاکم "مکتوم خاندان" اپنے ذاتی کاروبار کے طور پر چلاتا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام اور اہل اسلام کی سرزمین ہے جس کے شرعی طور پر یہ حکمران محض مفاد اسلامیہ کے تحفظ اور نفاذ اسلام کے لئے نگران سے زیادہ کچھ نہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دبئی بطورِ "دبئی کارپوریشن لمیٹڈ" (Dubai Lns) کام کرتا ہے۔ یہاں کا سربراہ محمد بن راشد المکتوم دبئی کو سرمایہ کاروں اور سیاحوں کی جنت بنانے اور اپنی دولت بڑھانے کی خواہش میں کروڑوں اربوں کی لاگت سے نت نئے تعمیراتی منصوبے شروع کرتا رہتا ہے۔

دبئی میں محمد بن راشد کی خاص فرمائش پر تعمیر کردہ مشہور "برج العرب" ہوٹل پایا جاتا ہے جو دنیا کا واحد "سیون اسٹار" ہوٹل ہے۔ اس ہوٹل کی تعمیر سے قبل ساحل سے ہٹ کر پانی میں ایک چھوٹا سا مصنوعی جزیرہ بنایا گیا اور اس جزیرے پر ہوٹل کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اس ہوٹل میں کوئی کمرہ کرایہ پر لینا ممکن نہیں، کیونکہ یہاں اکیلے کمرے کا تصور ہی نہیں ہے۔ اس میں تو دو دو منزلہ رہائش گاہیں ہی دستیاب ہیں جن میں ہر قسم کی عیاشی کا سامان میسر ہے۔ ان میں سے سستی ترین رہائش گاہ کا کرایہ بھی آج سے دو سال قبل ۵،۴ ہزار ڈالر یومیہ سے شروع ہوتا تھا، جب کہ خصوصی رہائش گاہوں کا کرایہ ۱۳ ہزار ڈالر یومیہ تھا۔ اس ہوٹل میں آنے والوں کی خدمت کے لئے سربراہِ دبئی کی خاص فرمائش پر ۱۶ رولز رائس گاڑیاں کمپنی سے خصوصی طور پر تیار کروائی گئیں جن کا رنگ باہر سے سفید ہے اور گاڑیوں کے اندر ہر شے نیلے رنگ کی ہے۔ یاد

رہے کہ یہ ہوٹل مکتوم خاندان کی ذاتی ملکیت ہے۔

پھر سربراہ دبئی کو ایک نیا شوق سوجھا۔ اس نے دبئی میں دنیا کی سب سے اونچی عمارت بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ چند سال قبل "برج دبئی" پر کام شروع کیا گیا جو ایک سو ساٹھ منزلوں پر مشتمل ۷۰۰ میٹر بلند عمارت ہے اور جس کی تعمیر پر دوسو کھرب ڈالر سے زائد لاگت آئی ہے۔ نیز اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس کی تعمیر اس انداز سے کی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس میں مزید منزلوں کا اضافہ کیا جا سکے۔ تا کہ اگر کوئی دوسرا ملک اس سے اونچی عمارت بنالے تو پھر بھی اسے پیچھے چھوڑنا ممکن ہو۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق دوسرے عرب حکمرانوں سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ دبئی کو آگے نکلتا دیکھیں، چنانچہ وہ برج دبئی سے بھی اونچی عمارت بنانے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔

دبئی کے سربراہ کا ایک اور ذاتی منصوبہ "دبئی شاپنگ ہال" ہے۔ ۱۲ ملین مربع فٹ پر محیط ایک بازار اور تجارتی مرکز، جس نے دبئی میں پہلے سے موجود ۳۰ سے زائد وسیع وعریض بازاروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح سیاحوں کی تفریح کے انتظام کے لئے دنیا کی سب سے بڑی برف کی مصنوعی پہاڑی بنانے کا منصوبہ بھی شروع ہو چکا ہے، جس کا درجہ حرارت ہر وقت منفی ۲/ درجہ سنٹی گریڈ سے کم رہے گا، چاہے باہر کی دنیا میں ۶۰ درجہ سنٹی گریڈ گرمی ہو۔ انہی دیوہیکل تعمیراتی منصوبوں کے سبب دبئی جیسے چھوٹے سے جزیرے میں دنیا بھر کی تعمیراتی مشینوں کا پانچواں حصہ مصروفِ عمل ہے۔

پھر سیاحوں ہی کو دبئی کی طرف کھینچنے کی خاطر دبئی میں گھڑ دوڑ کے عالمی مقابلے (World Cop) کا انعقاد کیا گیا ہے۔ یہ مقابلے جیتنے والے کو ساٹھ لاکھ ڈالر انعام دیا گیا اور یہ جیتنے والا بھی محمد بن راشد المکتوم کا سگا بھائی ہی نکلا۔ دبئی کے سربراہ کا گھوڑے پالنے کا شوق تو ویسے بھی معروف ہے۔ اس کے پاس ۲۰۰ ذاتی گھوڑے ہیں اور اس مقابلے کے انعقاد سے قبل اس نے امریکہ سے چار کھرب ڈالر

کے ساٹھ ئیس اعلیٰ نسل کے گھوڑے خریدے۔

متحدہ عرب امارت کی معروف ہوائی جہاز کمپنی ''یو اے ای ایر لائنز'' بھی مکتوم خاندان کی ذاتی ملکیت ہے۔ یہ کمپنی حاکم دبئی کے چچا احمد بن سعید المکتوم کی زیر سرپرستی چلتی ہے۔ چند سال قبل سیاحت کو مزید فروغ دینے اور دبئی آمدورفت آسان بنانے کی نیت سے اس کمپنی نے ''بوئنگ'' طیارہ ساز کمپنی کو ۹۰۷ کھرب ڈالر کی ادائیگی کر کے ۴۲ رعدد بوئنگ ۷۷۷ رمسافر طیارے خریدے۔ نیز اس خرید کے ساتھ ہی ۴۵ عدد ایئر بس، ۳۸۰ طیارے خریدنے کا معاہدہ بھی کرلیا گیا، جن کی کل لاگت ۱۲ کھرب ڈالر سے زائد بنتی ہے۔ پھر اتنے جہازوں کو سنبھالنے اور اہل دنیا پر اپنی برتری جتانے کے لئے دبئی میں دنیا کے سب سے بڑے ہوائی اڈے کی تعمیر بھی شروع کر دی گئی جس میں ایک ارب چار کروڑ پچاس لاکھ مسافر سالانہ سنبھالنے کی گنجائش رکھی گئی۔ حالانکہ دنیا کا بڑے سے بڑا ہوائی اڈہ بھی ایک ارب مسافر سالانہ سے زائد بوجھ اٹھانے کا تصور نہیں کرسکتا۔

دوسری طرف سربراہِ دبئی کے بھتیجے، ۳۹ سالہ مکتوم ہاشم مکتوم المکتوم نے اپنے پسندیدہ مشغلے یعنی گاڑیاں چلنے اور گاڑیوں کی دوڑ میں شریک ہونے کو ایک باقاعدہ کاروبار کی شکل دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دبئی میں دنیا کا پہلا'' گاڑیوں کی دوڑ کا ورلڈ کپ''(Motor Sport Grand Prix A Series) منعقد کروایا جس میں دنیا کے ۲۵ ممالک کے ۲۵ ڈرائیور شریک ہوئے۔ اس مقابلے کے انعقاد پر امت کے اموال میں سے چار کھرب ڈالر کی لاگت آئی۔ مکتوم ہاشم نے محض اپنی ذاتی گاڑیوں کو کھڑا کرنے کے لئے دنیا کی مہنگی زمین پر ایک عالی شان گھر تعمیر کروایا جو دوسال کے عرصے میں مکمل ہوا۔

متحدہ عرب امارت ہی کی ایک اور ریاست ابوظہبی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے حماد بن حمدان نہیان کے پاس بھی مسلمانوں کی وافر دولت اور

انوکھے شوق ہیں۔اس کے خاندان کی کل دولت ۲۰ کھرب ڈالر کے قریب پہونچتی ہے۔یہ شخص عوام میں (Rainbow) (رنگین شیخ) کے طور پر بھی جانا جاتا ہے کیونکہ اس نے ۱۹۸۰ء میں اپنی شادی کے موقع پر خصوصی فرمائش سے ہفتے کے سات دنوں کے لئے سات مختلف رنگوں کی گاڑیاں بنوائیں۔گاڑیوں کے شوق میں یہ بھی کسی سے پیچھے نہیں۔اس نے دوسو کے قریب نادر ونایاب، قدیم وجدید گاڑیاں اکٹھی کر رکھی ہیں اور انہیں کھڑا کرنے کے لئے ابوظہبی کے صحرا میں اہرامِ مصر کے طرز پر دنیا کا مہنگا ترین گیراج بنایا ہے۔لیکن اس کی پسندیدہ ترین گاڑی مشہور امریکی فوجی گاڑی ''ہمر'' (Hummer) کا ''ایلقا'' ماڈل ہے جو کل تین سو عدد بنائی گئی تھیں اور ان میں سے صرف دو امریکہ سے باہر نکلی ہیں۔جن میں سے ایک اس کے استعمال میں ہے۔اس گاڑی کو ابوظہبی کا یہ شیخ صحرا کی سیر کے لئے استعمال کرتا ہے اور اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ ڈالر سے زائد ہے۔

حماد بن حمدان کو ایک اور انوکھا شوق بھی ہے۔گاڑیوں کو کشتیوں میں تبدیل کرنا۔اس کی پسندیدہ کشتی کے بیچوں بیچ ایک گاڑی نصب کی گئی ہے، بظاہر انسان گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ کر بعینہٖ گاڑی ہی چلا رہا ہے لیکن عملاً سمندر میں کشتی چل رہی ہوتی ہے۔اسی گاڑی نما کشتی میں سوار ہو کر حماد اپنے ذاتی جزیرے تک جاتا ہے جہاں اس کا عظیم الشان محل ہے اور دوسو خدام ہر وقت اس کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں۔

پھر اگر حماد کا دل چاہے کہ وہ اپنے اہل وعیال سمیت صحرا کی سیر کو نکلے تو اس کے لئے بھی ایک علیحدہ انتظام کر لیا گیا ہے۔حماد نے ایک بڑے سے ٹرک میں دو منزلہ متحرک گھر بنوایا ہے، جس میں دو تین خواب گاہیں، ایک مطبخ، بیت الخلا، صحن اور ہیلی کاپٹر کے اترنے کی جگہ بھی موجود ہے۔پھر یہ سوچ کر کہ میرا خاندان تو بڑا ہے اور یہ کمرے ناکافی ہیں...... حماد نے ایک اور اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا۔اس نے کرۂ ارض کی طرز پر ایک گول ۵۰ ٹن وزنی گیند نما گھر بنوایا ہے جسے ساتھ لاکھ ڈالر مالیت کا

حامل ۲۰ ٹن وزنی ٹرک کھینچتا ہے۔اس گیند نما گھر کے نیچے جو پہیے لگوائے گئے، ان میں سے ہر ایک کی قیمت ۱۷ ہزار ڈالر ہے۔اس گیند کے اندر موجود چار منزلہ گھر میں ۹ عدد خواب گاہیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک بیت الخلا اور حمام ہے۔جب کہ مہمانوں کا کمرہ ان کے علاوہ ہے۔اس گیند میں ۲۴ ٹن پانی اٹھانے کی ٹنکی بھی موجود ہے۔یہ متحرک گھر دنیا میں اپنی طرز کا واحد عجوبہ ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کے حکام اوران کے چیلوں کا یہ حال ہے اور دوسری طرف تحقیقی اداروں کی رپورٹ کے مطابق اکثر اسلامی ممالک کے مسلمان خطِ غربت سے بھی نیچے کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، (ماخوذ از محدث لاہور)

قطعہ

بادۂ عشق محمد تو پلادے یارب
کشتۂ حب نبی ہم کو بنادے یارب
ہم گناہ گار ہیں مولیٰ مگر تو ہے کریم
اپنی رحمت کی ہوا ہم پہ چلادے یارب

غازی پوری

محمد اجمل مقتدی

نبوی ہدایات

محمد ابوبکر غازی پوری

(۱)......حضرت ابو موسیٰ ابو اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امانت دار خزانچی جو مال کو خوشی سے خرچ کرے وہ صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (بخاری) بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو حکومت کی طرف سے یا کسی حاکم کی طرف سے یا کسی کمیٹی کی طرف سے یا کسی خاص آدمی کی طرف سے رقم دی جاتی ہے کہ وہ ان کو فقراء و مساکین یا ان کے علاوہ اور مستحقین پر خرچ کریں، تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مستحق جگہ پر خوشی سے خرچ کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رقم انہیں مستحق لوگوں کے لئے ہے، یا ان جگہوں کے لئے ہے جو اس رقم کی متعین جگہیں ہیں ان کو ان جگہوں پر خرچ کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی تو اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق ان کو بھی صدقہ کرنے والوں کا اجر ملتا ہے۔ اس کے برخلاف کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ ان کو اس رقم کو خرچ کرنے میں تنگی ہوتی ہے، نفس پر بار ہوتا ہے، ہزار طرح سے وہ بہانے تراشتے ہیں، گویا یہ رقم ان کی ہی ہے اور ان کے جیب سے جارہی ہے، یہ کمینہ صفت لوگ ہوتے ہیں، ذلیل اخلاق کے مالک ہوتے ہیں، آج کل اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو مدارس عربیہ کے نظماء اور مہتممین کو دیکھو، ان نظماء اور مہتمم لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کو ایسے ہی لوگوں کی نظر آئے گی، چندہ کی رقم جو ان کے پاس صدقہ وزکوۃ یا اہل خیر مسلمانوں کی مدد اور تعاون کی ہوتی ہے، دینے والے طلبہ کے لئے اور مدرسہ کی ضرورتوں کے لئے دیتے ہیں مگر مہتمم صاحبان لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ان خیراتی اور امدادی رقم کو خرچ کرنے میں انتہائی بخل سے کام لیتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ یوں خرچ کرتے ہیں، گویا وہ طلبہ پر اور مدرسین پر احسان کررہے ہیں، گویا یہ

رقمیں ان کا مال ہیں، ان مدارس کے ذمہ داروں کا حال یہ ہے کہ وہ پہلے اپنی جھولی بھرتے ہیں اور ان رقموں سے اپنا عیش فراہم کرتے ہیں، تھوڑے ہی دنوں میں ان کا شاندار گھر بن جاتا ہے، گاڑی گھوڑے کے مالک ہو جاتے ہیں، کھانے پینے کا ان کا معیار بدل جاتا ہے، یہ ان کے لئے خالص حرام مال ہے اور اس خالص حرام مال سے یہ ذمہ داران مدارس موج و مستی کی زندگی گزراتے ہیں اور جو رقم مہمان رسول کے نام پر مدارس میں آتی ہے اس رقم سے ان کا بینک بیلنس بڑھتا ہے، میری ان باتوں کا تجربہ کرنا ہو تو مدارس عربیہ کے نظماء کی زندگی کا مطالعہ کرو میری بات کی آپ حرف بحرف تصدیق پائیں گے، ایسے خائن لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بخیل خازن (خزانچی) قیامت کے روز جہنم والوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، یعنی ان کا حشر وہی ہوگا جو جہنمیوں کا ہوگا۔

(۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز میں خود تین آدمیوں کی طرف سے مدعی ہوں گا، ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر اس کو پورا نہیں کیا یعنی بدعہدی کی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ شخص جس نے کسی سے اجرت پر پورا پورا کام لیا مگر اس کی اجرت نہیں دی (بخاری)

اس حدیث میں غور کرو، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تم نے کسی سے کوئی عہد اور وعدہ کیا پھر تم نے اس کو پورا نہیں کیا، یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا کوئی پاس نہیں رہا، ایک آدمی آزاد تھا تم نے اس کو غلام بنا کر بیچ دیا، اس آزاد کی کمزوری سے تم نے فائدہ اٹھایا اور اس کی قیمت سے تم نے اپنے پیٹ کا جہنم بھرا،

مزدوری کرنے والے عموماً غریب اور کم حیثیت ہوتے ہیں ان کو تم نے مزدوری پر رکھا ان سے پورا کام لیا اور ان کی مزدوری ماری، یہ تینوں باتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی ناپسند ہیں اور یہ اتنا عظیم گناہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے مدعی بن کر کے

آئے گا اور ان کو ان کا انصاف دلائے گا،

کمزوروں پر ظلم وستم ڈھانا طاقتوروں کا ہر زمانہ میں مشغلہ رہا ہے، اور آج بھی ہم روزانہ اسی تماشا کو دیکھتے ہیں، مگر ان طاقتوروں کی طاقت اس دنیائے عدل وانصاف میں جس کو یوم آخرت کہا جاتا ہے رائی کے دانہ سے بھی بے حیثیت ہو کر رہ جائے گی۔

(۳)...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے نہ خود وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی ظالم کے حوالہ کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پورا کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے، اور جو شخص (دنیا میں) اپنے کسی بھائی کے عیب کو چھپائے گا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کریں گے، (بخاری)

اس حدیث پاک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے بڑی قیمتی ہدایتیں دی ہیں، اگر انسان ان کو سمجھے اور ان پر عمل کرے تو ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا ہوگا جو ہر قوم وملت کے لئے قابل رشک ہوگا، پہلی بات آپ نے یہ فرمائی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اسلامی اخوت نسبی اخوت سے بڑھ کر ہوتی ہے، اس اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حاجت اور ضرورت کو دھیان میں رکھے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس کو پوری کرے یا اس کو پوری کرنے میں اس کی مدد کرے، یہ اتنے بڑے ثواب کا کام ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ اللہ ایسے انسان کی مدد میں رہتا ہے اور اس کی ضرورت کے پورا کرنے میں اس کا معین ومددگار ہوتا ہے۔ تیسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کی پریشانی میں مدد کرے گا تو اللہ قیامت کے روز کی پریشانی کو اس سے دور کرے گا، اور چوتھی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ جو مسلمان کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب کی پردہ پوشی فرمائیں گے، اس پردہ پوشی کی اہمیت یہ ہے کہ قیامت کے روز اولین

وآخرین کا اجتماع ہوگا اگر کسی کا عیب روز قیامت ظاہر ہوا تو اس کی رسوائی کی کوئی انتہا نہ ہوگی دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے وہ ذلیل ہوگا، اس رسوائی اور ذلت سے بچنے کا کتنا آسان نسخہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ دوسروں کے عیب کا اشتہار نہ کرو، کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ تم تو چند لوگوں کے سامنے ہی اس کا عیب ظاہر کر سکتے ہو مگر قیامت کے روز اس کی پاداش میں اولین وآخرین کے سامنے تمہارا عیب ظاہر کیا جائے گا اور تم ذلیل وخوار ہوگے۔

(۴)..... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس کے مظلوم ہونے کی شکل میں اس کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر جب وہ خود ظالم ہے تو اس کی مدد کس طرح کی جائے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑلو تا کہ وہ ظلم نہ کرے، (بخاری) یعنی اس کو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے اگر تم نے اس کو ظلم کرنے سے روکا نہیں تو وہ ظلم کرتا رہے گا اور اس کا گناہ بڑھتا جائے گا۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ظالم کو ظلم سے روکنا جس طرح بھی ممکن ہو ایک مسلمان کا فرض ہے، اگر طاقت ہے تو اس کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے طاقت کا استعمال بھی ضروری ہوگا ورنہ کم از کم زبان سے تو اس کو روکنا چاہئے۔ بعض لوگ یہ کہہ کر اپنا راستہ لیتے ہیں کہ ہم سے کیا مطلب، یہ اسلامی، اخلاق وآداب کی بات نہیں ہے، آپ کو مطلب ہونا چاہئے تا کہ مظلوم کی بھی مدد ہو اور ظالم کی بھی مدد ہو،

(۵)..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن کی تاریکیاں ہیں،

یعنی ظلم کرنے والا قیامت کے روز اندھیرے میں ہوگا، اس کو کچھ بجھائی نہ دے گا، آنکھ ہوگی مگر اس اندھیرے کی وجہ سے کچھ کام نہ کرے گی۔ ذرا اس آدمی کی حالت وبیچارگی کا اندازہ کرو جس کو آنکھ رہتے ہوئے بھی کچھ بجھائی نہ دے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ

عامر بن شرحبیل ابوعمر شعبی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے چھٹے سال پیدا ہوئے وفات کے سلسلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی اور بعض دوسروں نے ۱۰۶ھ اور ۱۰۷ھ کا ذکر کیا ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر بیاسی (۸۲) سال لوگ بتلاتے ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین اور اعیان فقہاء اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں، مغازی کے امام تھے مغازی کا بیان اس عمدگی اور برجستگی سے کرتے تھے کہ صحابہؓ بھی جوان مغازی میں براہ راست شریک تھے آپ کے بیان سے حیران رہ جاتے تھے، متعدد اجلہ صحابہ سے استفادہ وکسب فیض کیا، جن میں خصوصیت سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیر کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے جن میں سے بیشتر تابعی ہیں، خطیب نے اپنی تاریخ میں ان میں سے بہت سے ناموں کا ذکر کیا ہے، ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شیخ ہیں۔

علم وفضل میں آپ کا پایہ مسلم ہے، لوگوں نے آپ کا تذکرہ بلند الفاظ میں کیا ہے۔ ابوعبداللہ بن علاء فرماتے تھے کہ علماء چار ہیں۔ مدینہ میں سعید بن المسیبؒ، کوفہ میں شعبیؒ، بصرہ میں حسن بصریؒ، اور شام میں مکحول شامیؒ، اور محمود بن غیلان کہا کرتے تھے کہ میں نے ابواسامہ کو کہتے سنا کہ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں لوگوں کے سردار تھے، اس کے بعد یہ سیادت ابن عباسؓ کو حاصل ہوئی، پھر شعبیؒ اپنے زمانہ کے سردار ہوئے اور اس کے بعد سفیان ثوریؒ نے اپنے زمانہ میں سیادت کی۔

فقہ میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا، ابومخلد فرماتے ہیں ما رأیت فقیها افقه من الشعبی. میں نے شعبی سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کے تلامذہ میں سے داؤد کا بیان ہے۔ ماجالست احدا اعلم من الشعبی میں نے شعبی سے زیادہ علم والے کی مجالست نہیں کی، مکحول شامیؒ جو خود ایک عظیم فقیہ اور محدث تھے۔ فرمایا کرتے تھے، مالقیت مثل الشعبی. میں نے شعبی جیسے انسان سے ملاقات نہیں کی۔

آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا، فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی قلم اور کاغذ کا استعمال نہیں کیا۔ ان کے پاس ذخیرۂ حدیث اتنا تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال سے کسی کو ایسی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا جس کا مجھے اس بیان کرنے والے سے زیادہ علم نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ مجھے جو چیز سب سے کم یاد ہے وہ شعر ہے۔ مگر اسے بھی تم سنو گے تو ایک ماہ مسلسل سناتا رہوں گا اور کوئی شعر مکرر نہیں آئے گا۔ ایک دفعہ ابن عمرؓ نے ان کو مغازی کی روایت کرتے ہوئے سنا تو ان کی قوت یادداشت اور جودت بیان پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا، یہ اس طرح بیان کر رہے ہیں۔ گویا وہ خود ان جنگوں میں شریک تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۲۷ ترجمۃ الشعبی، تذکرہ ج اول)

قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ

مشہور تابعی، امام تفسیر اور جلیل القدر محدث ہیں، صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن مالک اور عبداللہ بن سرجس سے شرف تلمذ حاصل ہے، سعید بن المسیب اور ابوالطفیل اور اس طبقہ کے دوسرے تابعین سے احادیث کا سماع کیا، ابوالعالیہ، زراہ بن اوفی، عطاء، مجاہد، محمد بن سیرین وغیرہ سے خصوصی استفادہ کیا۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت کو آپ سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔ جن میں مسعر بن کدام، ابن ابی عروبہ، شیبان، شعبہ، معمر، ابان بن یزید، اعمش، اوزاعی، حماد بن سلمہ وغیرہ کبار محدثین ہیں،

تفسیر کے زبردست عالم تھے۔ عربیت، لغت، ایام عرب اور انساب کے ماہر

تھے۔ پیدائشی اندھے تھے۔ علم تفسیر میں ان کا مقام بہت بلند تھا، حضرت معمر، قتادہ سے ناقل ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں میں نے کوئی حدیث نہ سنی ہو۔ سفیان ثوری ازراہ استعجاب کہا کرتے تھے کہ کیا دنیا میں قتادہ کا مثل بھی ممکن ہے!...... امام زہری کا بیان ہے کہ وہ مکحول امام شام سے زیادہ عالم تھے۔ معمر کا بیان ہے کہ زہری، حماد اور قتادہ سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

آپ کا حافظہ مشہور زمانہ تھا اور قوت حفظ کے لئے مثالاً لوگ آپ کے حافظہ کو پیش کرتے تھے۔ قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ پورا صحیفہ ایک دفعہ سن کر یاد کر لیتے تھے، حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اہل بصرہ میں قتادہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا حفظ والا نہیں تھا، جو سن لیتے تھے وہ یاد ہو جاتا تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ صرف ایک دفعہ ان کے سامنے پڑھا گیا اور اس کو انہوں نے یاد کر لیا، خود قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے جو سنا اس کو میرے دل نے محفوظ کر لیا، بن عبداللہ فرماتے تھے کہ جسے یہ پسند ہو کہ وہ سب سے زیادہ حافظہ والے کو دیکھے تو وہ قتادہ کو دیکھ لے۔ قتادہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی محدث سے کبھی کسی حدیث کو دوبارہ لوٹانے کی درخواست نہیں کی، جس چیز کو میں نے سن لیا وہ جوں کی توں میرے دل میں جم گئی۔

بعض لوگوں نے ان کی حدیث سے اعراض کیا ہے۔ ان پر دو الزام تھے، ایک تو تدلیس کیا کرتے تھے دوسرے مسلکاً معتزلی تھے، لیکن ذہبی فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد فاسد کے باوجود ہر ایک نے ان کی حدیث سے احتجاج کیا ہے۔

طاعون کے مرض میں انتقال ہوا۔ اور واسط شہر میں مدفون ہوئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۵، البدایہ ج ۹ ص ۳۱۳)

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب ابوبکر قرشی زہری جلیل القدر تابعی مشہور امام اور امت محمدیہ میں ایک نادرۂ روزگار شخصیت کا نام ہے، مدینۃ الرسول کے مشاہیر

فقہاء میں ان کا شمار ہے، مدینہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی کی نورانی فضا میں آپ کی نشونما ہوئی۔ اور یہیں آسودۂ خاک ہیں۔ اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ میں سخت قحط پڑا، یہ زمانہ عبدالملک کی خلافت کا تھا، میں چونکہ...... کثیر العیال تھا، اس لئے مجھے شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے دمشق (جو اسلامی سلطنت کا پایۂ تحت تھا) کا سفر کیا، دمشق کی جامع مسجد میں پہونچا، دیکھا وہاں حلقہائے درس وتدریس لگے ہوئے ہیں میں بھی ایک حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا، اتفاق سے دربار شاہی سے ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ امیر المومنین کو ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سعید بن المسیب سے امہات الاولاد کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی کوئی حدیث ہے، جو ان کے ذہن سے نکل گئی ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے اس آدمی سے کہا کہ مجھے سعید کی وہ احادیث جو وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سب محفوظ ہیں، چنانچہ وہ مجھے دربار شاہی میں لے گیا، عبدالملک مجھ سے سوال کرتا رہا اور میں اس کا جواب دیتا رہا، سوال وجواب کے ختم ہوجانے پر میں نے اس سے اپنی ضرورتوں کا ذکر کیا، جس کو اس نے پورا کرنے کا حکم دیا اور میرے قرض کی ادائیگی اپنی طرف سے کردی، اور پھر مجھ سے کہا اطلب العلم فانی اری لک عینا حافظة و قلباً ذکیا ۔یعنی علم کو طلب کرو، میں تمہارے اندر محفوظ کر لینے والی نگاہ اور ذکاوت سے بھرپور دل کا مشاہدہ کررہا ہوں، خلیفہ کی اس نصیحت اور تحریض کے بعد میں نے مدینہ آکر باقاعدہ تحصیل علم شروع کردی۔ گویا یہیں سے ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

بعد میں ان کو مشائخ مدینہ میں وہ مقام حاصل ہوا جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکی، زہری نے خصوصی استفادہ عروہ اور سعید بن المسیب سے کیا، ابن کثیر کا بیان ہے کہ جالس ابن المسیب ثمان سنین تمس رکبته رکبته یعنی وہ آٹھ سال تک ابن المسیب کی مجلس میں اس طرح رہا کئے کہ ایک کا گھٹنا دوسرے کے گھٹنے سے ملا رہتا تھا۔

زہری فرماتے ہیں کہ میں نے سات سال تک ابن المسیب کی ملازمت اختیار کی تھی۔ پھر عروہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کا بحر ناپیدا کنار اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریائے علم بہہ پڑا۔

زہری عبید اللہ بن عبداللہ کے خادم خالص تھے، مشائخ مدینہ کے پاس جاتے تو ہاتھ میں تختیاں ہوا کرتی تھیں، ان سے جو حدیثیں سنتے وہ اس پر لکھ لیتے تھے۔ طلب علم کا یہی ذوق تھا اور آثار رسول کے ساتھ یہی سچی لگن اور شوق تھا کہ بقول ابن کثیر صار من اعلم الناس و افقههم فی زمانه وقد احتاج اهل عصره الیه یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ وہ صاحب علم اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ ان کے علم کے محتاج ہو گئے۔

علم کی برکت اور اخلاص فی العلم کا ثمرہ تھا کہ خلفاء اور امراء تک ان کی مجلس میں حاضر ہونے کو اپنے لئے غنیمت اور سعادت سمجھتے تھے اور اپنے شاہانہ کروفر کو ان کے لئے ختم کر کے نہایت تواضع کا معاملہ کرتے تھے، زہری کا شمار خلیفہ عبدالملک کے خواص میں تھا، اس کے بعد بنی امیہ کے تقریباً سبھی خلفاء ان کے ساتھ اختصاص کا معاملہ کرتے تھے۔

زہری کے شاگردوں میں علماء، محدثین اور عباد و زہاد کی بڑی تعداد ہے۔ لیکن ان میں مشہور تر امام مالک بن انسؒ کی زندہ جاوید اور قابل احترام شخصیت ہے جن سے امام زہری کا نام روشن اور پائندہ ہے، دوسرے امام ابوحنیفہؒ ہیں جو امام زہری کے لئے باعث صد افتخار ہیں، اندازہ لگایئے جن کے تلامذہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ اسلام اور آسمانِ فضل و کمال کے آفتاب و ماہتاب ہوں، اس کا علمی مقام خود کتنا اونچا ہوگا۔

عمر بن عبدالعزیز جیسے انسان فرمایا کرتے تھے کہ ابن شہاب کی صحبت کو لازم پکڑو، اس وقت سنتِ ماضیہ کا ان سے بڑا عالم کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ایوب کا بیان ہے

کہ میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا امام مالکؒ کا بیان ہے کہ زہری جب مدینہ میں حدیث بیان کرتے تھے تو ان دنوں میں کوئی دوسرا حدیث نہیں بیان کرتا تھا ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کے محدث تین ہیں، زہری، یحییٰ بن سعید اور ابن جریج، امام مالک کا بیان ہے کہ اول من دون العلم ابن شہاب علم کی تدوین سب سے پہلے زہری نے کی۔

امام زہری علم وفضل کی طرح قوت حفظ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دل میں کوئی چیز ایسی نہیں رکھی جس کو میں بھول گیا ہوں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں **مااستودعت قلبی شیئا قط فنسیته** امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے زہری سے ایک حدیث کے اعادہ کی درخواست کی، تو انہیں حد درجہ تعجب ہوا، فرمانے لگے، تم دوبارہ سمجھنا چاہتے ہو؟ میں نے کسی محدث سے دوبارہ کسی حدیث کے بارے میں سوال نہیں کیا اور نہ ایک دفعہ کے بعد دوبارہ سنانے کی درخواست کی۔

سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ہشام نے زہری سے گذارش کی کہ وہ ان کے لڑکوں کے لئے کچھ حدیثیں لکھوادیں، انہوں نے چار سو حدیثیں لکھوادیں، ہشام کا بیان ہے کہ میں نے ان کے حافظہ کا امتحان لینے کے لئے ان سے کہا کہ وہ حدیثیں تو ضائع ہو گئیں، انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے اور دوبارہ ان حدیثوں کو لکھوادیا۔ میں نے جب پہلی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھا تو ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں تھا۔

علم حدیث سے زہری کی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں حجاز وشام کثرت سے آتا جاتا تھا لیکن میرے کان میں کوئی ایسی حدیث نہیں پڑی جس کو میں نہ جانتا ہوں، یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ جو علم زہری کے پاس ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

زہری کا مقام علم کے سوا سخاوت، فیاضی، زہد وورع اور تقویٰ میں بھی بہت

بلند تھا، سخاوت کا عالم یہ تھا کہ مانگنے والوں کے لئے قرض لے کر ان کی ضرورت پوری کرتے تھے، امام لیث کا بیان ہے کہ کان الزهری اسخی من رأیته یعطی کل من جاء وسأل حتی اذالم یبق عنده شیٔ استسلف ،یعنی میں نے جنہیں دیکھا ہے ان میں زہری سب سے زیادہ سخی تھے، جو بھی ان کے پاس آتا اور سوال کرتا وہ دیتے اور اگر نہ ہوتا تو قرض لیتے، عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ درہم و دینار سے زیادہ بے وقعت چیز زہری کی مجلس میں دوسری نہیں تھی، امام زہری فرماتے تھے کہ علم کی مصیبتوں میں سے یہ ہے کہ انسان اس پر عمل چھوڑ دے اور فرماتے تھے کہ من غوائل النسیان الکذب، یعنی نسیان کی مصیبتوں میں سے جھوٹ بولنا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسے عالم کے علم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا جو اپنے علم پر عامل نہ ہو۔

(دیکھو البدایۃ والنہایہ ج۹ ص۳۴۰ ترجمہ زہری)

دعائے کرب

اگر آپ کسی قسم کی پریشانی میں مبتلاء ہیں تو سات بار درود شریف پڑھ کر روزانہ فجر بعد ان کلمات مبارکہ کو ایک سو ایک مرتبہ پڑھیں، اور پھر سات بار درود شریف پڑھیں۔

لاالہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الااللہ رب العرش العظیم،
لا الہ الا اللہ رب السموات ورب الأرض ورب العرش الکریم

اس دعا کو پڑھنے کے بعد پھر سات مرتبہ درود شریف پڑھیں، اس درمیان اگر تھوڑا سا صدقہ خیرات بھی کرتے رہیں تو بہتر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین کا خلفائے راشدین کی سنت کے بارے میں الگ الگ موقف

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين تمسكو بهاو عضو اعليهابالتوجذ، یعنی اے لوگو تم میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو جو ہدایت یافتہ لوگ ہیں ان کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامو اور دانتوں سے پکڑو (ترمذی)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک کی روشنی میں سارے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع مسلمانوں پر لازم ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع بھی لازم ہے، اور چونکہ حضور پاک نے اپنی خداد بصیرت اور نور باطنی سے محسوس کرلیا تھا کہ ایک وقت ہوگا کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو خلفائے راشدین کی سنت کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کریں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے خلفائے راشدین کی سنت کے بارے میں مزید تاکید کی، پہلے تو ان کو مہدیین کہا یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوں گے ان کا کوئی کام ہدایت کے خلاف نہیں ہوگا ان کے عمل اور ان کی سنت کے بارے میں ضلالت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا تمسکوا بها، یعنی ان کی سنت کو مضبوطی سے تھامو اور اس کی مزید تاکید یہ کہہ کر فرمائی کہ عضوا علیها بالنواجذ یعنی ان کی سنت کو دانتوں سے پکڑو، اس کے بعد اس حدیث میں آپ نے یہ فرمایا وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة، یعنی تم غیر شرعی نئے کاموں سے بچو اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے،

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے

جاری کردہ عمل کوتو سنت بتلایا اوران کے علاوہ جولوگ خلاف شریعت کوئی کام اور کوئی نیا امر دین میں پیدا کریں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت اور گمراہی بتلایا اوران سے بچنے کی تاکید کی، اس سے ایک عقل اور تھوڑا علم رکھنے والا بھی سمجھ لے گا کہ خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت ہو ہی نہیں سکتا نہ ان کا کوئی عمل خلاف شریعت ہوگا۔

اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، حضرات صحابہ کے زمانہ میں خلفائے راشدین نے بہت سے کام اپنی صواب دید سے جاری کئے مگر کسی صحابی نے اس کو بدعت نہیں کہا، مثلاً تراویح باجماعت پورے رمضان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت تھی، اللہ کے رسول کے زمانہ میں اس طرح تراویح نہیں پڑھی جاتی تھی مگر کسی ایک صحابی نے اس کو بدعت نہیں کہا اور اہل سنت والجماعت کے کسی فرد نے اس کو گمراہی نہیں کہا،

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز جنازہ میں چار اور پانچ اور سات تکبیریں کہی جاتی تھیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جناہ میں چار تکبیر کہنا متعین کردیا۔ ان کے اس عمل کو کسی صحابی، کسی تابعی اور کسی محدث اور فقیہ نے بدعت اور خلاف شریعت نہیں کہا، حضرت عمرؓ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کو مرتب کر کے ایک جگہ کیا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس عمل کو کسی اہل سنت والجماعت کے فرد نے خلاف شریعت نہیں کہا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرابی کی سزا اور حد اسّی کوڑے اور چالیس کوڑے ہوا کرتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے اس کو اسّی کوڑا مقرر کیا، اس کو کسی صحابی نے بدعت نہیں کہا،

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن سات لہجوں میں پڑھا جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی عمل پر تھا، مگر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صرف ایک لہجہ میں قرآن کا پڑھنا متعین کردیا گیا، حضرت عثمانؓ کے اس

عمل کو کسی نے خلاف شریعت اور بدعت نہیں کہا، اور آج پوری دنیا میں اسی لہجہ میں قرآن پڑھا جاتا ہے اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں جمعہ کی اذان ایک ہوا کرتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یہ اذان دو کرادی گئی، سیکڑوں کیا بلکہ ہزاروں صحابہ موجود تھے، پھر تابعین کا زمانہ پھر تبع تابعین کا زمانہ آیا، کسی صحابی کسی تابعی کسی تبع تابعی کسی محدث کسی فقیہ اور اہل سنت والجماعت کے کسی فرد نے ان کے اس عمل کو خلاف شریعت اور بدعت نہیں کہا البتہ شیعوں اور غیر مقلدوں کو ان کا یہ عمل خلاف شریعت اور بدعت نظر آیا، نواب وحیدالزماں غیر مقلدوں کے مشہور عالم ہیں وہ فرماتے ہیں اس سنت پر یعنی جمعہ کے روز صرف ایک اذان کہنے کی سنت پر صرف اہل حدیث عمل کرتے ہیں، نواب صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو۔

اب اس سنت نبوی کو سوائے اہل حدیث اور کوئی بجا نہیں لاتے (تیسیر الباری بحوالہ تشریح بخاری مولانا داؤد راز ص۹۱ ج۸) معلوم ہوا کہ پوری دنیائے اسلام میں ایک بھی فرد نماز جمعہ کی ایک اذان پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے آج تک عمل کرنے والا اہل سنت میں سے نہیں رہا ہے۔

البتہ نواب صاحب کا یہ فرمان قابل غور ہے بلکہ غلط ہے کہ اس سنت پر صرف غیر مقلد کی جماعت عمل کرتی ہے بلکہ ان کے ساتھ شیعہ بھی ہیں وہ بھی اسی سنت پر عمل کرتے ہیں، غیر مقلدین اپنے کو تنہا محسوس نہ کریں، اور اپنے بھائی کو نہ بھولیں، مولانا راز صاحب اس اذان عثمانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اذان عثمانی کو بھی مسنون قرار دیا ان کا قول محل نظر ہے، اور مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کی اذان کو مسنون اذان قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس اذان کو حضرت بن عمرؓ نے بدعت کہا ہے، پس اگر یہ اذان عثمانیؓ مسنون امر ہوتا تو اس پر لفظ بدعت کا اطلاق جائز نہیں ہوتا، (تحفۃ الاحوذی بحوالہ تشریح بخاری ص۹۲ ج۸)

اس اذان عثمانی کو جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک علیکم بسنتی الخ سنت بتلاتی ہے غیر مقلدین کے اصاغر واکابر سب بدعت بتلاتے ہیں اور بدعت سے ان کی مراد بدعت لغوی نہیں بلکہ بدعت شرعی ہے جس کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ کل بدعۃ ضلالۃ یعنی ہر بدت گمراہی ہے گویا غیر مقلدین کا عقیدہ اور مذہب ہے کہ عہد عثمانی سے لے کر آج تک معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تمام مسلمان اور تمام اہل سنت اس بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس گمراہی میں گرفتار ہیں، نہ اس اذان کے بدعت اور گمراہی ہونے کا پتہ کسی صحابی کو چلا نہ کسی تابعی کو نہ کسی تبع تابعی کو نہ ائمہ اربعہ کو نہ کسی محدث کو نہ امام بخاری کو نہ امام مسلم کو نہ کسی اللہ اللہ کرنے والے صوفیائے کرام میں سے کسی کو، یہ راز کھلا تو صرف غیر مقلدین پر یا شیعوں پر، غور کرو کہ وہ طبقہ کتنا بڑا گمراہ طبقہ ہوگا جو صحابہ کے عہد سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کو اس بدعت کا مرتکب قرار دے جو گمراہی ہے، یہ صحابہ کرام کو اور تابعین عظام کو اور دنیائے اسلام کے محدثین اور فقہا کو کتنی بڑی گالی ہے، اس کا تصور کرو۔ تمہارے دل میں ایمان اور اسلام کی کچھ بھی چنگاری ہوگی تو تمہارا سینہ پھٹ جائے گا، اس بددینی اور باطل عقیدہ کے باوجود یہ گروہ غیر مقلدین اپنے کو سب سے بڑا مسلمان اور سب سے بڑا اہل حدیث کہتا ہے اور اپنے ہی کو اہل حق سمجھتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ بدعت کا اطلاق، امر مسنون پر لغۃ جائز نہیں ان کے علم وفضل پر مرثیہ پڑھنے کے لئے کافی ہے۔ تراویح امر مسنون ہے کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں **نعمت البدعة هذه** کا جو لفظ استعمال کیا تھا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب بتلائیں کہ یہاں بدعت کا لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ راز صاحب پر تو نہیں کہ ان کی علمی حیثیت اور قابلیت چنداں قابل ذکر نہیں مگر مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو کیسے گوارا ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کی جاری کردہ اذان کو بدعت شرعی اور امر غیر مسنون قرار دیں، اور اس طرح تمام امت

اسلامیہ کو اس بدعت پر عمل کرنے کا مرتکب قرار دیں، کیا صحابہ کرام معاذ اللہ بدعت پر عمل کرنے والے اور پھر ساری امت اس گمراہی پر جمے رہنے والی تھی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت علی کا زمانہ آیا بتلاؤ اس زمانہ میں جمعہ کی اذان ایک کہی جاتی تھی یا دو، پھر امام بخاری نے بخاری شریف میں حضرت عثمانؓ کی اذان کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ وثبت الامر علی ذلک اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا امام بخاری بھی معاذ اللہ بدعتی تھے؟ اور اسی بدعت کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے وثبت الامر علی ذلک کہ حضرت عثمان کے بعد سے جمعہ کی نماز کے لئے دو اذان دینے کا دستور جاری رہا، کیا اب غیر مقلدین سنت اور بدعت کا شرعی مفہوم حضرت امام بخاری سے بھی زیادہ جاننے والے بن گئے؟

بہر حال آپ نے دیکھا کہ خلفائے راشدین کی سنتوں کو کس بے باکی سے غیر مقلدین کے علماء بدعت کہتے ہیں، اب دیکھئے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں کیا مسلک وعقیدہ رہا ہے، تاکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین کے عقیدہ ومسلک میں کیا فرق ہے آپ کو معلوم ہو جائے؟

صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں میں نے اپنے رسالہ ''صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر'' میں ابن تیمیہ کے کچھ ارشادات نقل کیے ہیں، اسی رسالہ سے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں

ابن تیمیہ کے ارشادات

غیر مقلدین نے خلفائے راشدین کو مطعون کرنے کے لئے وہ سب کچھ روا رکھا ہے جو ایک رافضی اور شیعہ کر سکتا ہے، مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نزدیک خلفائے راشدین کا مقام ومرتبہ کیا تھا اس کو معلوم کرنے کے لئے ابن تیمیہ کے درج ذیل

ارشادات پر نظر ڈالیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پر حضرات صحابہ کو جمع کیا اور حضرت ابی بن کعب کو ان کی نماز تراویح کا امام بنایا، جب ایک رات حضرت عمرؓ نے ان کو اجتماعی شکل میں تراویح پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کہ نعمت البدعۃ ہذہ، یہ کیا ہی عمدہ نو ایجاد کام ہے، چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باجماعت تراویح کا اہتمام نہیں تھا جو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا، تو اس پر آپ نے بدعت کا لفظ استعمال کیا، حضرت عمرؓ کے اس قول کے بارے میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو سنت بتلایا ہے اور اس کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم فرمایا ہے، اس وجہ سے حضرت عمرؓ کا یہ فعل سنت ہے اس کو لغۃً بدعت کہا گیا ہے، اس کی تفصیل کے بعد ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وھذاالذی فعلہ سنۃ لکنہ قال نعمت البدعۃ ھذہ فانھا بدعۃ فی اللغۃ لکو نھم فعلوا مالم یکونوا یفعلو نہ فی حیاۃ الرسول ﷺ یعنی من الاجتماع علی مثل ھذہٖ وھی سنۃ من الشریعۃ ص۲۳۵ ج۲۲

یعنی حضرت عمرؓ کا یہ فعل سنت ہی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت الغۃً کہا ہے، شرعاً نہیں، اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام اس طرح جمع ہو کر تراویح نہیں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کا یہ عمل شرعی سنت ہے۔

غیر مقلدین کے علماء تو فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کا وہ عمل سنت قرار پائے گا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل اور آپ کی سنت کے مطابق ہو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف جو عمل ہوگا وہ بدعت ہوگا، اور ابن تیمیہ کا مسلک وعقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین کا قول وعمل مستقل سنت ہے۔

خلفائے راشدین جو عمل جاری کرتے تھے وہ اللہ اور

رسول کے فرمان کے موجب جاری کرتے تھے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تراویح کے علاوہ متعدد امور کو جن کو خلفائے راشدین نے جاری کیا تھا، شمار کر کے بتلایا کہ یہ سب کے سب سنت ہیں، اس لئے کہ خلفائے راشدین کا ان امور کو جاری کرنا بحکم خدا اور رسول تھا۔

لا نهم سنوه بامر الله ورسوله فهو سنة وان كان في اللغة يمسى بدعة۔ (ص ۲۳۵ ج ۲۲)

یعنی خلفائے راشدین کے جاری کردہ سارے کام اگرچہ لغت کے اعتبار سے بدعت کہلائیں مگر شریعت میں وہ سب کے سب سنت ہی ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

وما سنه خلفائه الراشدون فانما سنوه بامره فهو من سنته (ص ۲۸۲ ج ۱)

یعنی خلفائے راشدین جو طریقہ عمل جاری کریں وہ بھی آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کہلائے گا، اس لئے کہ خلفائے راشدین کا عمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا۔

خلفائے راشدین کا عمل بھی راجح ہے

غیر مقلدین خلفائے راشدین کو دین میں بالکلیہ ساقط الاعتبار کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا خلفائے راشدین کے بارے میں فیصلہ یہ ہے، وہ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ولا قضى به الخلفاء الراشدون لا سيما ولم يثبت عن غيرهم خلافه وان ثبت فان الخلفاء الراشدين اذا خالفهم غيرهم كان قولهم هو الراجح، لان النبی ﷺ قال عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ

وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة (ص۳۴۷ج۳۲)

یعنی جب کہ اس کا فیصلہ خلفائے راشدین نے کردیا اور ان کا کوئی مخالف بھی نہیں اور اگر مخالف بھی ہوتا تو بھی خلفائے راشدین کا فیصلہ ہی راجح ہے، اس وجہ سے کہ انہیں کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو اختیار کرو، میرے خلفاء راہ حق پر ہین ہدایت یافتہ ہیں ان کی سنتوں کو مضبوطی سے تھامو، دانتوں سے پکڑو اور دیکھو نئے نئے کاموں سے بچو اس لئے کہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

خلفائے راشدین کا عمل بدعت نہیں ہوسکتا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور آپ کی سنت پر بدعت کا اطلاق جائز نہیں ہے، اسی طرح سے خلفائے راشدین کا عمل اور سنت کو بدعت کہنا حرام اور ناجائز ہے۔ خلفائے راشدین کا عمل سنت ہی ہوگا بدعت نہیں ہے، ان کے عمل اور ان کی سنت کو بدعت کہنے والا ان کے رشد وہدایت کا منکر ہے۔

خلفائے راشدین کوئی عمل جاری کریں تو وہ شریعت ہے

ابن تیمیہ کے افکار وخیالات خلفائے راشدین کے بارے میں غیر مقلدوں سے بالکل الگ ہیں، غیر مقلدین نے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں خلفائے راشدین کی کوئی عظمت واہمیت نہیں ہے، وہ بلا تکلف ان کو حرام ومعصیت کا مرتکب بتلاتے ہیں، اور ان کی سنتوں پر بدعت ہونے کی پھبتی کستے ہیں، لیکن ابن تیمیہ کا عقیدہ ومسلک یہ ہے کہ ان کے نزدیک جس طرح سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دین وشریعت

ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی بھی سنت دین وشریعت ہے، ایک جگہ محرم کے بیان میں فرماتے ہیں کہ:

ولم یسن رسول اللہ ﷺ ولا خلفائہ الراشدون فی یوم عاشوراء شیئا من ھذہ الامور۔ (ص ۳۱۰ ج ۲۵)

یعنی عاشوراء محرم میں جو بعض لوگ کھانے پینے کا اہتمام کرتے ہیں وہ نہ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین کا عمل اور طریقہ تھا۔

اس کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح دین وشریعت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دلیل شرعی ہے، اس طرح خلفائے راشدین کی سنت بھی دلیل شرعی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی طرح خلفائے راشدین کا عمل بھی مسنون عمل کہلاتا ہے۔

یہ ہے خلفائے راشدین کی سنتوں کے بارے میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا مسلک وعقیدہ اور غیر مقلدین کا جو عقیدہ اور مسلک ہے اس کو آپ نے معلوم کرلیا، اب اپنے بارے میں آپ فیصلہ فرمائیں کہ آپ کس کے ساتھ ہیں، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ساتھ یا غیر مقلدین کے ساتھ جن کے عقیدہ اور مسلک کے رو سے صحابہ کرام اور تمام فقہاء ومحدثین اور تمام اہل سنت بدعتی قرار پاتے ہیں؟ اللہ آپ کو اور ہم سب کو ہدایت دے اور سیدھے راستے پر رکھے اور ہمارے سینہ کو بغض صحابہ سے پاک وصاف کرے، آمین

❀❀❀❀❀

محمد ۱ جمل مفتاحی

قسط سوم

فضائل ابوحنیفہ

حضرت امام ابوحنیفہ پر حسد کرنے اور ان کے علم وفہم کا مرتبہ گھٹانے والے

یحیٰ بن معین سے عباس بن محمد حاتم الدوری نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ قاسم بن معن ایک بلند مرتبہ صاحب علم بزرگ تھے، وہ کوفہ کے قاضی تھے۔ بلا معاوضہ قضا کا کام کرتے تھے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے خاندان کے تھے اور ان کے پوتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان سے ایک دن شریک بن عبداللہ نے کہا کہ تمہارے جیسا صاحب فضل وکمال آدمی امام ابوحنیفہ کے مجلس جاتا ہے اور ان سے علم حاصل کرتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ تمہاری زبان بہت دراز ہے تم سے بحث میں جیتنا مشکل ہے،

نصر بن یحیٰ نے ایک روز امام احمد سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کی کس بات سے آپ لوگ ان سے ناراض رہتے ہیں؟ کہا کہ وہ رائے اور قیاس بہت کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا امام مالک بھی تو رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں، تو امام احمد نے کہا کہ مگر امام ابوحنیفہ کی رائے کتابوں میں ضبط کرلی گئی ہے، تو نصر بن یحیٰ نے کہا کہ امام مالک کی بھی رائے کتابوں میں ضبط کرلی گئی ہے، تو امام احمد نے کہا کہ مگر امام ابوحنیفہ امام مالک سے زیادہ رائے والے ہیں، تو نصر نے جواب میں کہا کہ آپ لوگ کیوں نہیں دونوں کے حصہ کے بقدر دونوں کے بارے میں کلام کرتے ہیں، ان کے بارے میں ان کے حصہ کے بقدر اور ان کے بارے میں ان کے حصہ کے بقدر اس پر حضرت امام احمد خاموش ہوگئے۔

حضرت امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں

ایک روز حاضر ہوا اور ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کا جواب بتلایا تو میں نے امام صاحب سے کہا کہ یہ آپ نے جواب دیا ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ فلاں فلاں حدیث اس جواب کی دلیل ہے، امام یوسف فرماتے ہیں کہ میں امام صاحب کے پاس اٹھ کر قاضی ابن ابی لیلیٰ اور قاضی ابن شبرمہ کے پاس گزرا اور ان سے بھی وہ مسئلہ معلوم کیا تو ان دونوں کا جواب حضرت امام ابوحنیفہ کے جواب سے الگ تھا۔ حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے ان دونوں سے بھی ان کے جواب کی دلیل پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ ہماری دلیل فلاں فلاں ہے تو میں نے ان سے کہا کہ ایک صاحب کا جواب یہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے تو ان دونوں نے کہا کہ یہ جواب اچھا ہے اور ہم لوگ بھی اب اس قول کو اختیار کرتے ہیں، جب ان دونوں نے یہ بات کہی تو میں نے ان سے کہا کہ یہ قول حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے، تو ان لوگوں نے امام ابوحنیفہ کا نام سن کر جس جواب کو اچھا سمجھ کر کے اختیار کیا تھا اس کو چھوڑ دیا اور امام ابوحنیفہ کی برائی کرنے میں لگ گئے حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے ان دونوں کے اس طرز عمل سے بڑا رنج ہوا، اور میں اٹھ کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے؟ تو میں نے سارا قصہ بیان کیا، تو امام ابوحنیفہ نے کہا صبر کرو اور فکر مت کرو، پھر یہ اشعار پڑھے،

(۱) ان یحسدونی فانی غیر لائمھم	قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدو
(۲) فدام لی ولھم مابی ومابھم	ومات اکثر ناغیظا بما یجدو
(۳) انا الذی یجدونی فی حلوقھم	لا ارتقی صعدا فیھا ولا ارد

(۱) اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو میں ان کو ملامت نہیں کرتا ہوں، مجھ سے پہلے بھی فضل وکمال والوں پر حسد کیا گیا ہے۔

(۲) تو جوان کی حالت ہے وہ ان کے ساتھ ہے اور میرے ساتھ میری حالت رہی، اکثر حاسدین غصہ میں مر گئے۔

(۳) میں ہی وہ آدمی ہوں جو ان کے حلق کی ہڈی بنا ہوا ہوں جو ان سے نہ نگلی جاتی ہے اور نہ اگلی جاتی ہے۔

عثمان بن سعد بصری فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ابو عاصم النبیل کے دروازہ پر تھے کہ لوگوں میں حضرت امام ابوحنیفہ کا تذکرہ ہونے لگا، کچھ لوگ ان کی تعریف میں حد سے آگے بڑھ کر گفتگو کر رہے تھے، اور کوئی ان کی برائی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ پھر ہم ابو عاصم کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ دروازہ پر کیا مشورہ ہو رہا تھا؟ تو ہم نے کہا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا ذکر ہو رہا تھا، کوئی ان کی حد سے زیادہ تعریف کر رہا تھا اور کوئی ان کی برائی میں حد سے تجاوز کر رہا تھا، تو امام ابو عاصم نے کہا کہ خدا کی قسم امام ابوحنیفہ کا حال اس طرح کا ہے جس کی تصویر عبداللہ بن قیس زبات نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

حسداً ان رؤک فضلک اللہ بما فضلت بہ النجباء

اس وجہ سے لوگوں کو حسد ہو رہا ہے کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو لوگوں پر ان اوصاف کی وجہ سے فضیلت دی ہے، جن سے شرفاء کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے ہم عصر قاضی ابن ابی لیلیٰ کو امام ابو حنیفہ سے زبردست حسد تھا اور ان کی برائی اور فضیحت میں لگے رہتے تھے اس پر امام ابوحنیفہ بقول ان کے پوتے اسماعیل کہا کرتے تھے کہ ابن ابی لیلیٰ میرے بارے میں اپنے لئے اس بات کو حلال سمجھتے ہیں جس کو میں ان کی بلی کے لئے بھی حلال نہیں سمجھتا ہوں۔

عمر بن بحر جاحظ کہا کرتا تھا کہ امام ابوحنیفہ کی برائی کرنے والے دو طرح کے لوگ ہیں، یا تو جاہل ہیں یا حاسد ہیں، حاسد تو اس وجہ سے ان کی برائی کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو علم و فضل اور مقبولیت و محبوبیت کی جو فضیلت حاصل ہے وہ ان کو حاصل نہیں، اس لئے ان سے جلے رہتے ہیں اور ان کی برائی کرتے ہیں، اور جاہل اس وجہ سے ان کی برائی کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کیا کہتے ہیں اس کا اس کو پتہ ہی نہیں ہوتا ہے۔

یحیٰ بن عبدالحمید حمانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ کے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ کی بہت برائی کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا جو لوگ ان کی برائی کرنے والے تھے، سب نے آخر میں ان سے اور ان کے علم سے استفادہ کیا سوائے شریک بن عبداللہ کے، وہی ایک شخص تھا جو مرتے دم تک ان کی برائی میں لگا رہا۔

یوسف بن خالد سمتی بصرہ کے رہنے والے تھے، وہ کوفہ آ کر عرصہ تک امام ابوحنیفہ سے علمی استفادہ کرتے رہے اور حضرت ابوحنیفہ کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار ہوا، جب وہ واپس جانے لگے تو حضرت امام ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو، جن کو علم فقہ سے زیادہ اشتغال نہیں رہا ہے اور نہ ان کا فقہی علم تمہاری طرح کا ہے۔ جب تم ان سے میری طرف نسبت کر کے مسائل بیان کرو گے تو وہ لوگ تجھ کو برا بھلا کہیں گے، اس لئے تم بلا میرا نام لئے ان کے سامنے میرے اقوال کو بیان کرنا، جب وہ لوگ، ان اقوال کی تحقیق کر لیں تب تم بتلانا کہ یہ اقوال ابوحنیفہ کے ہیں۔

مگر ہوا اس کے برعکس اس کا قصہ یہ ہے کہ بصرہ میں ایک شخص عثمان بتی نامی تھا جو وہاں کے علماء میں فقہ میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، جب یوسف بن خالد بصرہ آئے اور عثمان بتی کے شاگردوں سے ان کا مناظرہ ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ امام ابوحنیفہ کے اقوال بتی کے خلاف ہیں تو لوگوں نے امام ابوحنیفہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور خالد کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا، یوسف کے ساتھ بتی کے شاگردوں کا یہی معاملہ عرصہ دراز تک رہا، پھر امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی بصرہ جانا ہوا، ان کو جب وہاں کے حالات کا علم ہوا اور بتی کے شاگردوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کا معاملہ یوسف کے ساتھ اس طرح کا ہے چونکہ امام زفر یوسف سے زیادہ صاحب فراست اور سمجھدار تھے تو انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے درس کی مجلس میں بلا نام لئے حضرت امام ابوحنیفہ کے

مسائل بیان کیا کرتے تھے وہ خود عثمان بتی کے حلقہ درس پہونچ کر اس سے مناظرہ کرتے، اس کے شاگردوں کے سامنے بتی کے اصول کو لے کر پھر فروع کو لیتے اور بتی سے ان فروعات پر گفتگو کرتے حتی کہ ان کو وہ بات پسند آجاتی، پھر امام زفر فرماتے کہ ان مسائل میں اس سے بھی بڑھ کر ایک بات ہے پھر وہ حضرت امام ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے اور جو ان کی دلیل ہوتی اس کو ذکر کرتے، تب شاگردوں کو امام ابوحنیفہ کے قول کی خوبی اور اس کی دلیل کی قوت کا اندازہ ہوتا، جب لوگوں سے ہر طرح اس قول کی صحت خوبی اور دلیل کی قوت کا اعتراف کرالیتے تب ان کو بتلاتے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، حضرت امام زفر نے جو یہ طریقہ اختیار کیا تو بتی کے تمام شاگرد اس کے حلقہ سے ٹوٹ کر امام زفر کے حلقہ درس میں آگئے، وبقی البتی وحدہ اور بتی اپنے حلقہ درس میں تنہا رہ گیا۔

علم فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کی بلند مقامی کے بارے میں اہل علم کی شہادت

عبداللہ بن تمیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعمش سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ فقہی مسائل کے لئے تو امام ابوحنیفہ ہی ہیں وہی اچھی طرح اس بارے میں گفتگو کرتے ہیں، پھر امام اعمش نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے علم میں برکت رکھی گئی ہے۔

مسعر بن کدام کہا کرتے تھے کہ اللہ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے بیشک فقیہ عالم تھے۔

مالک بن مغول کہا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ فقہ کا علم بصیرت کے ساتھ رکھتے ہیں ،اور جو بات پیش نہ آئی ہوتی ہے وہ اس کو پیش آنے والی باتوں پر قیاس کرتے ہیں۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ نعمان بن ثابت بڑی فہم والے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔علی بن صالح نے امام ابوحنیفہ کے انتقال پر کہا کہ عراق کا

مفتی اور عراق کا فقیہ چلا گیا۔

بشر بن حارث ابن ابی داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر آثار کا علم حاصل کرنا ہو، سفیان ثوری کے پاس جاؤ اور اگر فقہ کا علم حاصل کرتا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ کی صحبت اختیار کرو۔

ابوعبدالرحمٰن مقری جب امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کرتے تو کہتے کہ

حدثنی العالم الفقیه ابو حنیفة.

روح بن عبادہ نے کہا کہ میں سن ایک سو پچاس ہجری میں ابو جریج کے پاس تھا ان کو خبر دی گئی کہ امام ابوحنیفہ کی وفات ہوگئی ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے ان کے ساتھ بہت سا علم چلا گیا۔

سعید ابن عروبہ امام ابوحنیفہ کو فقیہ عراق کہا کرتے تھے۔

یزید بن ہارون سے کسی نے پوچھا اے ابو خالد (یہ ان کی کنیت ہے) آپ نے سب سے بڑا فقیہ کس کو دیکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ کو،

ابو عاصم النبیل سے پوچھا گیا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں کہ امام ابوحنیفہ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری سے بڑے فقیہ ہیں،

زفر بن ہذیل کے سامنے امام ابوحنیفہ اور امام سفیان کا ذکر ہوا کہ ان میں سے کون زیادہ فقیہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ سفیان امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں ہیں،

حضرت عبداللہ بن مبارک کہا کرتے تھے کہ ہم کو جب اثر نہیں ملتا ہے تو ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کا قول ہی اثر ہوتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک ہی فرماتے تھے کہ اگر اللہ نے میری مدد امام ابوحنیفہ اور امام ثوری نہ فرمائی ہوتی تو میں بدعتی ہوتا اور ایک قول میں ہے کہ میں عام لوگوں کی طرح ہوتا، انہیں کا قول ہے کہ میں حضرت سفیان ثوری کی مجلس درس میں اس وقت گیا

جب پوری طرح سے امام ابو حنیفہ کے علم کو حاصل کرلیا اور میری گرفت اس پر مضبوط ہوگئی۔

احمد بن حرب نیشا پوری کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کا مقام علماء میں اسی طرح کا ہے جس طرح خلیفہ کا مقام امراء اور عظام میں ہوا کرتا ہے۔

حضرت ابن مبارک فرماتے تھے کہ اگر کسی کو قیاس اور رائے سے کوئی بات کہنی ہے تو اس کے لئے امام ابو حنیفہ ہیں،

حسن بن صالح کہتے تھے کہ نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) اپنے علم میں بڑے فہیم اور پختہ تھے، ان کو جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پہونچتی تو پھر اسی کو اختیار کرتے دوسری طرف توجہ نہ کرتے۔

عبداللہ بن داؤد خریبی سے ایک آدمی نے پوچھا کہ کس چیز کی وجہ سے امام ابو حنیفہ لوگوں کے معتوب رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا بات کچھ نہیں تھی، صرف اتنی تھی کہ لوگ مسئلہ بیان کرتے تو غلطی کرتے اور امام ابو حنیفہ جو کہتے تو ان کی بات درست ہوتی۔ ان کی قدر و منزلت کا عالم یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ حج میں تھا اور ان کے ساتھ صفا مروہ کی سعی کر رہا تھا تو لوگوں کو دیکھتا کہ ان کی آنکھیں امام ابو حنیفہ کو گھیرے رہا کرتی تھیں،

امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر کا علم رکھنے والا ہو۔

امام شافعی فرماتے تھے کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں کبھی فرماتے کہ جو بھی فقہ کا علم حاصل کرے گا اس کو ابو حنیفہ کا محتاج ہونا ہی پڑے گا۔

کیا شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

محترم المقام حضرت الاستاذ المکرّم زید مجدکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضر والا فون پر جو مسئلہ پوچھنا چاہ رہا تھا اور ٹاور نہ ہونے کی وجہ سے پوری بات نہ ہوسکی وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد بیوی تو اپنے شوہر کو نہلا سکتی ہے۔ یہ بات تو اتفاقی ہے، مگر کیا شوہر بھی اپنی بیوی کو اس کے مرنے کے بعد غسل دے سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ اس کے قائل ہیں، براہ کرم آپ اس بارے میں کچھ لکھ دیں کرم ہوگا، یہاں پر تسلی بخش جواب کوئی نہیں دے رہا ہے کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیوی کو غسل دیا تھا؟

والسلام

آپ کا شاگرد عزیز الرحمٰن بجنوری (بجنور)

عزیزم سلمہ، آپ کا خط ملے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا، میرے پاؤں میں ادھر عرصہ سے کافی تکلیف چل رہی ہے بیٹھ کر لکھنا مشکل ہو رہا ہے آپ کا یاددہانی کا فون آیا تو کس طرح یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

پہلے تو ایک بات سمجھئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کوئی قول اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس کا ماخذ کیا ہے اگر وہ بات کتاب اللہ میں ان کو ملتی ہے تو اس کو اختیار کرتے ہیں اگر حدیث اس کے خلاف ہو تو اس حدیث کی وہ تاویل کرتے ہیں حدیث کو کتاب اللہ کے تابع رکھتے ہیں کتاب اللہ کو حدیث کے تابع نہیں کرتے،

دوسرے حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث قاعدہ

کلیہ سے ٹکراتی ہے تو قاعدہ کلیہ کے موافق قول کو وہ اختیار کرتے ہیں اور حدیث کی وہ تاویل کرتے ہیں،

تیسرے حضرت ابوحنیفہ کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی قولی حدیث ہوتی ہے تو وہ اس کو فعلی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، مثلاً اللہ کے رسول کا ارشاد ہے کہ اسفر وا بالفجر فانه اعظم للاجر ،یعنی صبح کی نماز کو اجالے میں پڑھو اس میں اجر زیادہ ہے، حضور کا یہ ارشاد کہیں نہیں ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو، مگر فجر کی نماز آپ نے اندھیرے میں بھی پڑھی ہے یہ آپ کا فعل تھا اور اوپر کی حدیث میں آپ کا قول اور امر ہے۔ اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک صبح کی نماز اجالے میں پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے غلس یعنی اندھیرے میں پڑھنا اولیٰ اور بہتر نہیں ہے،

حضرت امام اعظم کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ جو بات عام طور پر پیش آنے والی ہوتی ہے اس کو اپنی دلیل بناتے ہیں گاہے گاہے پیش آنے والی بات کو وہ دلیل نہیں بناتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور یہ تھا کہ وہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے، صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دو ایک موقع سے زیادہ آپ سے ثابت نہیں ہے نہ کسی صحابی سے ثابت ہے۔ احناف کے نزدیک بیٹھ کر کے ہی پیشاب کرنا اصل سنت رسول ہوگی کھڑے ہو کر کے پیشاب کرنا نہیں،

حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک اصول یہ تھا کہ اگر مسئلہ میں حلت اور حرمت دونوں پہلو نکلتا ہے تو وہ حرمت کے پہلو کو اختیار کرتے ہیں،

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مزاج یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا اور اس مسئلہ میں ان کے مختلف اقوال ہوتے تو وہ دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اس مسئلہ میں کیا ہے انہیں صحابہ کرام کے اقوال کو عام طور پر وہ اختیار کرتے، مثلاً رفع یدین کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سے منقول ہے، اور عدم رفع یدین کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو لیا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کو اختیار نہیں کیا،

ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر اب آپ میری بات سنیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی حضرت خدیجہ تھیں اور وہ آپ کو اتنی محبوب تھیں کہ ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال آپ کی حیات مبارکہ میں ہوا، اگر شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس سب سے محبوب بیوی کو ضرور غسل دیتے مگر کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل دیا ہو، غسل دینا تو الگ رہا غسل کے وقت ان کے پاس میں آپ موجود رہے ہوں، اس کا بھی ثبوت نہیں ہے۔

سارے فقہاء کے نزدیک مرنے کے بعد بیوی شوہر کے لئے اجنبیہ کے حکم میں ہو جاتی ہے، تو جس طرح اجنبیہ کا چھونا اور اس کی طرف دیکھنا حرام اور ناجائز ہے اسی طرح بیوی کو چھونا اور اس کو دیکھنا بھی حرام اور ناجائز ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شرعی حکم عام کو اختیار کیا ہے۔ رہا یہ کہ وہ، مرحومہ اجنبیہ کے حکم میں آجاتی ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ سب کے نزدیک اس کے مرنے کے بعد اُن کی سگی بہن سے شوہر شادی کر سکتا ہے۔

موت وحیات تو روزانہ کا قصہ ہے مگر دور نبوی میں تو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی کی بیوی مری ہو اور اس کے شوہر نے غسل دیا ہو، دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی کوئی مثال اس کی نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی، اس کے بعد کے ادوار میں کہیں کہیں خال خال اس کی ایک دو مثال ملتی ہے، تو امام ابوحنیفہ نے اپنے اصول کے مطابق اپنے قول کی بنیاد عام طور پر پیش آنے

والی بات پر رکھی ہے خال خال اور گاہے گاہے پیش آنے والی بات پر نہیں، اور ہر عقلمند آدمی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس مزاج اور اس اجتہاد کی تحسین کرے گا، الا یہ کہ کوئی متعصب عقل سے خالی غیر مقلد ہو،

میں نے اوپر عرض کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوتے ہیں تو حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول جو اس مسئلہ میں ہوتا ہے عام طور پر اسی کو اختیار کرتے ہیں چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول مذکور ہے، جب ان کی ایک بیوی کا انتقال ہوا تو انہوں نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ جب یہ زندہ تھیں تو میرا حق ان پر زیادہ تھا اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو تم لوگ ان کے زیادہ حق دار ہو، (مصنف ص ۲۴۷ ج ۷) مطلب یہ ہے کہ کفن دفن غسل وغیرہ کا اب تم انتظار کرو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کہنے پر کسی صحابی نے ان کے قول کو رد نہیں کیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

رہا یہ جو مشہور ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ کو غسل دیا تھا تو یہ بہت مشکوک بات ہے، اس لئے اس پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، بعض لوگوں نے کہا کہ غسلتها ام ایمن (ص ۳۲ ج ۲ بدائع) یعنی حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو غسل دیا تھا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ اور حسماء نے غسل دیا تھا، (دار قطنی ص ۷۹ ج ۲) اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ کو غسل دیا تھا تو اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ثابت ہے۔ چنانچہ بدائع میں ہے، **وان ثبت ان علیاً غسلها فقد انکر علیه ابن مسعود رضی الله عنه حتیٰ قال علی اما علمت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان فاطمة زوجک فی الدنیا والآخرة** (ص ۲ ج ۳۲) یعنی اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا تھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس پر انکار کیا تو حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فاطمہ

دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ شوہر کا بیوی کو غسل دینا جائز نہیں سمجھتے تھے یہی مسلک حضرت علی کا بھی تھا، رہا حضرت فاطمہ کو غسل دینا تو آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے تھا، یعنی یہ حضرت فاطمہ کی خصوصیت تھی اور بعض روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد ان کو غسل ہی نہیں دیا گیا تھا، حضرت فاطمہ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے وقت اس کا پتہ چل گیا تھا کہ اب ان کی وفات ہونے والی ہے تو انہوں نے خود ہی غسل کر کے اپنے کو پاک صاف کرلیا تھا، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی جب وفات کا وقت پہونچا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ وہ غسل کا پانی لائیں چنانچہ حضرت علیؓ نے غسل کا پانی رکھا، حضرت فاطمہ نے غسل کیا اور پاکی حاصل کی اور اپنے کفن کے کپڑے کو منگوایا، چنانچہ کچھ موٹے کپڑے لائے گئے ان کو انہوں نے پہنا اور خوشبو لگائی پھر انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو ان کے بدن کو کھولا نہ جائے اور اسی طرح ان کو کفن پہنا دیا جائے۔

بہر حال ان تمام باتوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں قطعی طور پر نہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کو غسل دیا تھا جہاں غسل کا ذکر ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ حضرت علی نے ان کے غسل کا انتظام کیا تھا کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس نے محل بنانے کا انتظام کیا تھا اس طرح کا مجاز ہماری اردو زبان کی بول چال میں بھی ہوا کرتا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی اس حدیث سے جو ابھی مذکور ہوئی ہے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

رہا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو غسل دیا تھا تو یہ غلط ہے بلکہ ان کی بیوی نے حضرت ابوبکر کو غسل دیا تھا، ان کی بیوی صاحبہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا،

ایک بات اور یاد رکھیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس مذہب میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ حضرت امام شعبی اور حضرت امیر المومنین فی الحدیث سفیان

ثوری جیسے لوگ بھی ہیں، حضرت امام شعبی کی ذات گرامی وہ ہے کہ بہت کم تابعین ان کے ہم پلہ ہوں گے انہوں نے تقریباً پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھا تھا حضرت سفیان ثوری حضرت امام بخاری کے استادوں کے استاد ہیں بخاری شریف ان کی روایتوں سے بھری ہے،

ان تمام امور کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب اس باب میں بہت قوی ہے، اور اوپر میں نے یہ بھی عرض کیا ہے کہ جب مسئلہ حلت اور حرمت کے درمیان دائر رہتا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ازراہ احتیاط جانب حرمت کو اختیار کرتے ہیں۔

چونکہ میرے پاؤں میں بہت تکلیف ہے اس وجہ سے کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ موقع نہیں اور یہ تحریر کسی طرح دو چار گھنٹوں میں مکمل ہوئی ہے، اللہ کرے نافع ہو،

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

۲۰ رمئی ۲۰۱۱ء بعد نماز عصر

محمد اجمل مفتاحی

قسط دوم

گجرات کا ایک یادگار سفر

محمد ابوبکر غازی پوری

گاڑی سے اترنے کے بعد میرا تقاضا تھا کہ میں فوراً ان کے گھر پہونچوں، مگر انہوں نے کہا کہ ہمیں سیدھے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کے گاؤں جانا ہے، وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، کھانا بھی وہیں کھانا ہے اور شاید رات بھی وہیں گزارنی ہو، میں نے پوچھا کہ راستہ کتنی دیر کا ہے، بتایا کہ پینتالیس منٹ میں انشاء اللہ ہم لوگ پہونچ جائیں گے، مولانا ارشد میر صاحب چونکہ پورے انتظام کے ساتھ یعنی گاڑی اور ڈرائیور کے ساتھ موجود تھے اور گاڑی بھی اجرت کی تھی اس وجہ سے عدم بشاشت اور تھکاوٹ کے باوجود میں نے ان کی بات مان لی اور ہم لوگ مولانا متالا مدظلہ سے ملاقات کرنے کے لئے اسی وقت ان کے گاؤں کے لئے روانہ ہوگئے، مولانا اپنی قیام گاہ کے باہر ہی چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے ملاقات ومصافحہ کے بعد انہوں نے کہا کہ پہلے آپ لوگ کھانا کھالیں پھر تفصیل سے ملاقات اور بات ہوگی۔ گاؤں ہی کے ایک صاحب کے یہاں حضرت کی دعوت تھی، ہم لوگوں کو بھی وہیں کھانا کھانا تھا، مولانا ارشد میر نے انصاف سے اور میں نے چونکہ طبیعت میں انشراح نہیں تھا اس وجہ سے قدرے بے انصافی سے کھانا کھایا۔ کھانے میں اور خصوصاً علماء کی دعوت میں دعوت کرنے والوں نے مرغ کا پکانا لازم کرلیا ہے۔ اور میرا حال اب یہ ہے کہ میں مرغ پسند نہیں کرتا، مجھے سادہ کھانا پسند ہے، خصوصاً دال، سبزی البتہ اگر ٹھنڈا مشروب ہوتو اسے رغبت سے لیتا ہوں، بہر حال ہم لوگ ابھی دسترخوان ہی پر تھے کہ میں نے مولانا ارشد صاحب سے کہا مولانا متالا سے اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی، وہ گھر کے اندر چلے گئے ہیں، مولانا ارشد میر کہنے لگے ایسا نہیں ہوسکتا، مولانا

کے خادم نے بتلایا تھا کہ وہ گیارہ بجے اپنی مجلس سے اٹھتے ہیں، اور ابھی ہماری ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے، اور وقت بھی ابھی ساڑھے دس کا ہے، میں ان کی بات پر مسکرا کر رہ گیا، انہیں کیا پتہ تھا کہ "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" ہم جب کھانے سے فارغ ہو کر دوبارہ مولانا متالا سے ملنے گئے تو واقعی وہ اندر جا چکے تھے، خادم نے بتلایا کہ مولانا تھکے ہوئے تھے اس لئے وہ آرام کرنے اور سونے کے لئے اندر تشریف لے گئے اور آپ لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے سونے کا انتظام فلاں مکان میں ہے، وہاں آپ چل کر آرام کریں، اب مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت مولانا سے ملاقات کے لئے ان کے گاؤں جانے پر میری طبیعت کیوں نہیں آمادہ تھی، مولانا ارشد میر بہت شرمندہ تھے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ بلا وجہ میں نے آپ کو اس وقت مزید تھکایا، میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے دل میں ایک بات تھی، اگر چہ یہ اس کا خیال آنے پر میں بار بار استغفار اور استعاذہ راستے بھر کرتا رہا مگر رہ رہ کر وہ بات دل میں پیدا ہو جاتی تھی، شاید اللہ کو یہ دکھلانا منظور تھا کہ میری طرف سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی طرف توجہ کرو گے تو اس طرح کی تھکاوٹیں زندگی میں بار بار آئیں گی، چونکہ مجھے اجنبی جگہ پر رات گزارنے میں بے انتہا وحشت ہوتی ہے اور نیند نہیں آتی اس وجہ سے میں نے خادم سے کہا کہ ہم تو اس وقت واپس ہو رہے ہیں، انشاء اللہ مولانا سے پھر کسی موقع سے ملاقات کریں گے، خادم کے اصرار کے باوجود ہم لوگ سورت واپس آگئے۔ سفر کی تھکاوٹ کا غلبہ تھا، کھانے سے فارغ ہی تھے، بستر پر پڑے اور سو گئے۔

مولانا ارشد میر کے مدرسہ کا مہمان خانہ بھی ہے مگر اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ میرے قیام کی جگہ اوپر کی منزل میں اپنے گھر ہی میں کرتے ہیں، جس جگہ میں قیام کرتا ہوں وہاں ہر طرح کی آسائش ہے، اور جب چاہتا ہوں آواز دے کر ضرورت کی چیزیں مانگ لیتا ہوں، ان کی اہلیہ میری بچی کی طرح ہے میرے آرام کا پورا خیال کرتی ہے اور بچے بھی اس قدر مانوس ہیں کہ مجھے ہر وقت گھیرے رہتے ہیں

غرض ان کا گھر میرا ہی گھر بنا رہتا ہے۔

مجھے بمبئی سے پروگرام کے مطابق ۱۲؍مارچ کو سورت آنا تھا، مگر میں نے ایک روز قبل ہی کا ٹکٹ بنوالیا تھا کہ سورت مجھ کو ایک روز مزید رہنے کا موقع مل جائے۔ ۱۲؍مارچ کو مولانا ارشد نے میرا کوئی خاص پروگرام نہیں بنایا تھا، اس لئے میں نے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ میں آج دوپہر کا کھانا عزیزم قاری محمد صالح سلمہ کے یہاں لاجپور کھاؤں گا اور لاجپور (جہاں وہ رہتے ہیں) بھائی میاں سے ملاقات کروں گا،(۱) جن سے میرا قدیم تعلق ہے اور زمانہ قیام ڈابھیل میں ان کے یہاں بار بار جانا ہوا کرتا تھا، عام طور پر جمعہ کے روز مہینہ میں ایک روز دوپہر کا کھانا وہیں کا ہوتا تھا، میرے ساتھ عموماً بلکہ لازماً حضرت مولانا قاری احمد اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر القراء میں ہوتے تھے، (۲)

---

(۱)..... بھائی میاں کا اصل نام تو مولانا محمد اسماعیل ہے مگر شہر سورت بلکہ گجرات کے بیشتر علاقوں میں وہ بھائی میاں کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کا نام بہت کم لوگوں کو معلوم رہتا ہے، ڈاک خانہ والے بھی ان کو اسی نام سے جانتے ہیں، گجرات کی مشہور شخصیت اور بزرگ عالم دین و مشہور مفتی حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری کے فرزند ارجمند ہیں ان کے صاحبزادہ عزیزم مولانا مرغوب احمد سلمہ میرے شاگرد ہیں اور اس وقت برطانیہ میں اپنے دادا مرحوم کی جانشینی کر رہے ہیں، بھائی میاں کے وصف میں میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ کیا تم نے کسی فرشتہ صفت انسان کو دیکھا ہے؟ تو جو نام بلا کسی تکلف کے میری زبان پر آئے گا وہ بھائی میاں دامت برکاتہم کا ہوگا، جب میں گجرات جاتا ہوں تو دس ہی منٹ کے لئے سہی ان سے ملنے لاجپور ضرور جاتا ہوں۔

(۲).....مولانا قاری احمد اللہ صاحب قاسمی جامعہ قاسمیہ مراد آباد کے فارغ ہیں، جب میں گجرات ڈابھیل میں مدرس تھا اس وقت شعبۂ قرأت میں مدرس ہو کر آئے تھے، بڑے نفیس طبیعت کے باذوق آدمی ہیں۔

قرآن پڑھنے پڑھانے کا ان میں جو ذوق میں نے دیکھا وہ ذوق بہت کم قاریوں میں نظر آیا اس وقت گجرات میں ان کا فیض عام ہے۔ ایک لمبی مدت سے وہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل قرآن کریم کی خدمت کر رہے ہیں، گجرات کے علاوہ بیرونِ ہند، ساؤتھ افریقہ، برطانیہ امریکہ اور اس کے علاوہ متعدد ممالک میں ان کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں، قرآن سادہ مگر مؤثر انداز میں پڑھتے ہیں، جب وہ گجرات تشریف لائے اسی وقت سے میرا اور ان کا مضبوط رشتہ رفاقت قائم رہا، جو آج بھی الحمد للہ باقی ہے، جب تک میں گجرات رہا، وہ میرے سفر و حضر کے ساتھی ہوا کرتے تھے، افسوس اس سفر گجرات میں ان سے ملاقات نہ ہو سکی ششماہی امتحان کی چھٹی پر وہ گھر گئے ہوئے تھے۔

میں نے ۱۲ر مارچ کو صبح جلد ہی پہلے لاجپور جا کر بھائی میاں سے ملاقات کی پھر جامعۃ القراءات کفلیتہ گیا عزیزم قاری محمد اسماعیل اور عزیزم قاری محمد صالح سلمہما سے ملاقات کی تھوڑی دیر وہاں رک کر قاری محمد صالح کے گھر آیا، وہاں ضروریات سے فارغ ہو کر ہم لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تھے کہ سورت سے مولانا عبدالرحیم متالا صاحب کے خادم کا مولانا ارشد میر کے نام حضرت متالا کا پیغام آیا کہ وہ سورت آگئے ہیں اور مولانا غازی پوری سے ملنے کے لئے وہ ان کے مدرسہ میں خود آرہے ہیں، چونکہ صبح کو مولانا کو معلوم ہوا کہ میں نے ان کی مقرر کردہ جگہ پر رات نہیں گزاری ہے اور ان سے ملاقات بھی بس برائے نام تھی اس کا ان کو خیال تھا، اس وجہ سے انہوں نے از راہ کرم خود ہی مولانا ارشد میر کے مدرسہ میں آنے کا اور مجھ سے ملاقات کرنے کا پروگرام بنالیا تا کہ رات میں جو واقعہ گزرا اس کی تلافی ہو،

دو پہر کے کھانے کے بعد میرا معمول لازماً تھوڑی دیر قیلولہ کرنے کا ہے، اور یہ وقت میرے لئے ایسا ہے کہ اگر میں اس وقت گھنٹہ آدھا گھنٹہ نہ سوؤں تو میرے سر میں چوبیس گھنٹہ درد رہتا ہے جب دوسرے روز دوپہر کے کھانے کے بعد سولوں تو یہ درد غائب ہو جاتا ہے، اس لئے مجھے اس وقت سورت جانا مشکل معلوم ہو رہا تھا، مگر مولانا ارشد میر کا اصرار ہوا کہ، مولانا آپ ہی کی وجہ سے میرے مدرسہ میں آرہے ہیں تو ابھی چلنا چاہئے مجھے بھی مولانا متالا دامت برکاتہم کی اس زحمت اٹھانے کا خیال ہو رہا تھا، اس لئے ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوتے ہی مولانا صالح کے گھر سے سورت آگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا متالا دامت برکاتہم بھی آگئے اور بار بار معذرت کر رہے تھے کہ اگر خادم نے مجھے اطلاع کر دی ہوتی کہ آپ حضرات واپس ہو رہے ہیں تو میں اس وقت جاگ رہا تھا ضرور ملاقات کرتا، پھر مولانا بڑی دیر تک نہایت ہی بے تکلفی اور محبت سے باتیں کرتے رہے۔ (۱) اور جاتے جاتے یہ کہہ کر انشاء اللہ ۱۱ر مارچ کو پھر ملاقات ہوگی اپنی کرم نوازیوں سے کچھ اس انداز سے نوازا کہ

میں اپنی کتابوں اور زمزم کے لئے ان کی محبت اور قدر دانیوں سے سرشار ہوگیا، اور میرے پاس الفاظ نہیں تھے کہ میں ان کا شکریہ ادا کروں، حضرت مولانا دامت برکاتہم نے میری عربی کتاب **وقفة مع اللا مذهبية** کا شاندار دوسرا اڈیشن بھی پاکستان سے چھپوایا تھا، جس کی اشاعت بڑے پیمانہ پر سعودیہ میں ہوئی، اس سال جب میں عمرہ کے لئے گیا تو حضرت مولانا اسماعیل بدات مدظلہ (۲) کی مجلس میں مسجد نبوی میں ان سے ملاقات ہوئی، نہ وہ مجھے پہچانتے تھے اور نہ میں ان کو پہچانتا تھا مگر جب تعارف ہوا تو نہایت بے تکلفی اور محبت سے ملے۔ اور وہ مجھ سے بار بار کہتے رہے کہ تم جو کام کر رہے ہو وہ دوسرا نہیں کر رہا ہے، اس میں لگے رہو، میں تمہارا تعاون کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں، میں ان کو محبت سے دیکھتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا کہ ایسے محبت کرنے والے بھی ہمارے بزرگ ہیں، ورنہ من آنم کہ من دانم، علم وفضل تو کجا اپنے دامن کو دیکھتا ہوں تو داغوں سے بھرا پاتا ہوں آخرت کے لئے اگر کوئی سرمایہ ہے تو بس انہیں اللہ والوں کی محبت اور ان کی دعائیں،

---

(۱) حضرت مولانا عبدالرحیم متالا دامت برکاتہم برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ مظاہر العلوم میں جب وہ طالب علم تھے تو حضرت شیخ کے خادم خاص تھے، فراغت کے بعد تین سال تک حضرت کی خدمت میں رہ کر حضرت کا درس بخاری ضبط کرتے رہے، اور اب وہی درسی افادات سراج القاری کے نام سے مرادآباد سے شائع ہو رہے ہیں، دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں، زمزم کے اس سے پہلے والے شمارہ میں سراج القاری کا تعارف شائع ہو چکا ہے،

مولانا متالا دامت برکاتہم نے حضرت شیخ کے حکم سے زامبیا کو اپنا وطن بنالیا ہے اور وہیں جامعۃ الرشید کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر کے دینی تعلیم کو فروغ دے رہے ہیں **متعنا اللہ بطول حیاتہ،**

(۲)..... مولانا اسماعیل بدات دامت برکاتہم مہاجر مدنی حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے خادم خاص اور انہیں کے ساتھ آپ کی خدمت کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں، نہایت پاک دل، صاف گو، اکابر کے مذہب وعقیدہ اور مسلک پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اکابر کے مسلک سے ایک انچ ادھر ادھر ان سے برداشت نہیں ہوتا، خواہ آدمی کسی مقام ومرتبہ کا ہو اگر اس کا قدم اپنے اکابر کے مسلک سے ذرا بھی ادھر ادھر ہوا تو اس پر وہ بے تکلف نکیر کرتے ہیں، مدینہ پاک میں ایک عرصہ سے مقیم ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ سے ان کو خلافت حاصل

مولانا ارشد میر صاحب کا پروگرام ساؤتھ افریقہ جانے کا تھا، اس سفر کے تکمیلی مراحل پورا کرنے کے لئے ان کو ۱۳؍ مارچ کو بمبئی جانا تھا، میں نے ان سے کہا کہ آپ بمبئی تشریف لے جائیں، اتنے میں میں بارڈولی ڈابھیل اور کفلیتہ کا پروگرام نمٹا لیتا ہوں، ۱۸؍ مارچ تک میں ان جگہوں سے فارغ ہو جاؤں گا اور پھر آگے کا سفر ہوگا، انہوں نے کہا کہ بہت مناسب ہے، چنانچہ میں ۱۲؍ مارچ کی شام کو بعد مغرب بارڈولی پہونچ گیا اور عزیزم محمد زکی سلمہ کے گھر سامان رکھ کر دارالاحسان مولانا ابراہیم غزیا کے مدرسہ گیا جہاں اساتذہ وطلبہ اور حضرت مفتی غزیا صاحب میرا انتظار کر رہے تھے، آج کی رات دارالاحسان ہی میں گزارنی تھی،

دارالاحسان ایک ابھرتی ہوئی درسگاہ ہے۔ اساتذہ صاحب ذوق اور صاحب علم اور نیک طبع ہیں، طلبہ محنتی اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں، اور یہ سب مفتی ابراہیم غزیا کا حسن تربیت کا نتیجہ ہے، دارالاحسان کی ایک خاص بات یہ ہے

ہے، مگر اس کا اظہار ان کی کسی بات سے نہیں ہوتا، نہ وہ کسی کو بیعت کرتے ہیں، آپ مدینہ منورہ جائیں اور مسجد نبوی میں حاضری ہو تو صفہ کی طرف کے ساتویں ستون کے قریب ایک شخص کو ہمہ وقت تلاوت میں مصروف پائیں گے۔ سر پر دو پلیا ٹوپی ہوگی، یہ حضرت مولانا اسماعیل مدظلہ ہوں گے، موجودہ علماء میں قرآن پاک کی تلاوت اتنی کثرت سے کرنے والا میں نے نہیں دیکھا، رمضان میں روزانہ ایک ختم قرآن کرنے کا ان کا معمول ہے۔ مسجد نبوی میں رمضان کے ماہ مبارک میں ہندوپاک اور افریقہ اور یورپ کے علماء ان سے ملنے آتے ہیں، اور عشاء بعد بعض مخصوصین کے ساتھ ان کی مجلس ہوتی ہے۔ میرے ساتھ ان کا معاملہ بڑی شفقت ومحبت اور قدردانی کا ہے، زمزم اور میری کتابوں کے قدرداں ہیں، میری کئی کتابیں ان کے کرم وعنایت سے شائع ہوئی ہیں، پاکستان سے میری عربی کتاب **وقفة مع اللامذهبية** انہیں کی توجہ سے شاندار اڈیشن والی چھپی، مجھ سے اپنی بزرگی کے باوجود بہت بے تکلف ہیں، اب انہوں نے پان کھانا چھوڑ دیا ہے، پہلے جب پان کھاتے تھے تو دو چار گلوری میرے لئے بھی گھر سے لاتے تھے، جس سے میرا کام ودہن لذت ہوتا تھا، ان کا مزاج میرے ہی مزاج جیسا ہے، یعنی حق بات کہو اور حق بات سنو، اور اکابر کی راہ سے الگ راستہ مت نکالو، بڑی سادہ مگر بڑی پاک زندگی ہے، یعنی کبھی وہ ہندوستان آتے ہیں تو ان کا قیام گجرات کے شہر سورت میں ہوتا ہے۔ سورت پہونچ کر مجھے فون کرتے ہیں، اور اپنے خرچ پر وہ مجھے سورت ملاقات کے لئے بلاتے ہیں، حضرت مولانا اسماعیل بدات دامت برکاتہم کی ذات میرے لئے اور میرے کاموں کے لئے بڑا سہارا ہے، **متعنا الله بطول حياته ورزقه توفيقه للخير**

کہ اس درسگاہ کا خرچ جو لاکھوں کا ہے تعاون ہی کی مد سے پورا ہوتا ہے، زکوٰۃ کی مد اس مدرسہ میں نہیں لگتی، نہ زکوٰۃ کی مد کا کوئی پیسہ لیا جاتا ہے، پورے ہندوستان میں اس مثال کی کوئی دوسری درسگاہ مجھے نظر نہیں آتی، طلبہ کے لئے راحت و آرام کا پورا لحاظ وخیال ہے، مگر اس کے ساتھ ان کی نگرانی بھی ایسی ہے کہ وہ بے راہ رو نہ ہوں نہ ان میں تعلیم سے لاپرواہی پیدا ہو۔ مفتی ابراہیم صاحب اپنا پورا وقت اس مدرسہ کے لئے للہ وقف کئے ہوئے ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ ان کا احترام کرتے ہیں، طلبہ سے نرم گفتگو کرتے ہیں اور اساتذہ کا اکرام ملحوظ رکھتے ہیں تو اساتذہ اور طلبہ بھی ان سے محبت کرتے ہیں، اگر مہتمم اور مدرسہ کا ناظم اس مزاج اور اس طبیعت کا ہو تو مدارس میں طلبہ مدرسین اور انتظامیہ میں کوئی چپقلش پیدا نہ ہو، اور مدرسہ نہایت سبک رفتاری سے اپنا کام کرتا رہے۔

آج رات کا کھانا مفتی ابراہیم صاحب ہی کے یہاں تھا، جس میں مدرسہ کے بعض اساتذہ بھی شریک تھے، اگرچہ میں نے یہ کہہ رہا تھا کہ میں سادہ کھانا کھاؤں گا، یعنی گجرات کی کڑھی کھچڑی یا گجرات کا دالچہ اور چاول۔ مگر مفتی ابراہیم غزیا دامت برکاتہم کھانے میں متنوع قسم کی چیزیں لازماً رکھتے ہیں اور ایسی محبت سے کھلاتے ہیں ان کے انداز پر پیار آتا ہے۔

کھانے سے فراغت کے بعد ہم لوگ دارالاحسان آ گئے اور عشاء کی نماز کے بعد اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ کچھ دیر مجلس رہی، پھر میں نے آرام کرنے اور سونے کے لئے اپنی چارپائی سنبھال لی، اور بسم اللہ اموت واحیٰ کہہ کر سو گیا۔ سو کر اٹھے پھر نوافل پڑھی، فجر سے پہلے ہی، میری عادت کا خیال کر کے کہ میں صبح کی نماز سے پہلے چائے اور ایک انڈا لیتا ہوا ئے اور انڈا کے ساتھ ایک طالب علم حاضر ہو گیا۔

❀❀❀❀❀

راز اصاحب کی تشریح بخاری

کیا نماز میں جلسہ استراحت کرنا اور زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنا مسنون ہے؟

محمد ابوبکر غازی پوری

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ذکر کی ہے اس کا ترجمہ راز صاحب نے کیا ہے اور پھر جو اس کی تشریح کی ہے وہ آپ ملاحظہ فرمائیں، حدیث یہ ہے۔

ایوب سختیانی ابوقلابہ سے روایت کیا ہے کہ ابوقلابہ نے بیان کیا کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے یہاں تشریف لائے اور آپ نے ہماری اسی مسجد میں نماز پڑھائی، انہوں نے فرمایا کہ میں نماز پڑھا رہا ہوں، مگر میری نیت کسی فرض کی ادائیگی کی نہیں ہے، بلکہ صرف تم کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے، ایوب سختیانی نے بیان کیا کہ میں نے ابوقلابہ سے پوچھا کہ مالک بن حویرثؓ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح۔ ایوب نے کہا کہ شیخ تمام تکبیرات کہتے تھے اور جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو تھوڑی دیر بیٹھتے اور زمین کا سہارا لے کر پھر اٹھتے۔

راز صاحب فرماتے ہیں:

یعنی جلسہ استراحت کرتے پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھتے، جیسے بوڑھا شخص دونوں ہاتھوں پر آٹا گودھنے میں ٹیکا دیتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

حنفیہ نے اس کے خلاف ترمذی کی حدیث سے دلیل لی کہ آنحضرت اپنے

پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہوتے تھے تو یہ حدیث ضعیف ہے، (ص۲۶ ج۸)

غیر مقلدین کو جب کسی حدیث پر عمل کرنا نہیں ہوتا ہے تو یہی صرف ایک بہانہ ان کے پاس ہے کہ حدیث ضعیف ہے (۱)، ان کی پہونچ حدیث کے بارے میں یہیں تک ہے، اب آپ دیکھیں کہ بخاری شریف کی جس حدیث کا راز صاحب نے ترجمہ کیا ہے، اس کا تعلق شیخ کی نماز یعنی بوڑھے آدمی کی نماز سے ہے۔خود راز صاحب نے اپنی تشریح میں اس کا اعتراف کیا ہے خط کشیدہ لفظ پر آپ غور کریں، احناف بھی تو یہی کہتے ہیں کہ کمزور معذور بوڑھا آدمی اسی طرح نماز پڑھے اگر وہ پاؤں کی انگلیوں پر ٹیک لگا کر اٹھے گا تو اس کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔اب غیر مقلدوں کی عقلمندی اور حدیث فہمی دیکھو کہ جو حدیث بوڑھوں اور کمزوروں کے لئے تھی اس کو عام کر دیا اور اپنے نو جوانوں کو بھی اسی طرح نماز پڑھنے کا درس دیا، یہ ہے ان کی حدیث دانی اور اس پر وہ احناف کو طعنہ دیں گے کہ وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل

---

(۱) اس کی مثالیں تو بہت ہیں مگر یہاں صرف تین مثالیں ملاحظہ ہو،

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ دو دفعہ تیمم کرنے کے لئے ہاتھ مارا جائے، اور یہ حدیث حضرت عمار سے صحیح سند سے مسند بزار میں مروی ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، مگر چونکہ غیر مقلدین کا مذہب تیمم میں صرف ایک مرتبہ ہاتھ مارنے کا ہے، اس وجہ سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے جو غیر مقلدوں کے مشہور محدث ہیں اپنی کتاب ابکار المنن میں اس کو ضعیف قرار دیا اور یہ لکھا،

ابن حجر کا مقصود یہ ہے کہ حضرت عمار کی حدیث کی سند حسن ہے اور حدیث ضعیف ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ سند کا صحیح ہونا حدیث کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے، ص۲۲۵

دیکھا آپ نے کس جرأت کے ساتھ صحیح اور حسن حدیث کو مولانا مبارکپوری نے محض اپنے مذہب کی خاطر رد کر دیا، اور، مولانا کی یہ غلط بیانی بھی ملاحظہ فرمائیں کہ حافظ ابن حجر کی طرف یہ نسبت کر دی کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔جب کہ حافظ کے کلام میں اس کا دور دور نشان و پتہ نہیں،

(۲) صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اقامت کے کلمات دھرے کہیں جائیں مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کو صحیح سند سے نقل کیا گیا ہے اور اس حدیث کے بارے میں ابن حزم کے الفاظ یہ ہیں **ھذا اسناد فی غایة الصحة** یعنی حدیث کی سند انتہائی درجہ کی صحیح ہے، مگر چونکہ برصغیر کے غیر مقلدوں کا مذہب اس کے خلاف ہے اور ان کے

کرتے ہیں، ناظرین غور فرمائیں کہ کیا احناف نے بخاری کی اس حدیث کو چھوڑا ہے؟

اب سنئے کہ محدثین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں، جلسہ استراحت والی حدیث جس کے راوی مالک بن حویرث ہیں اس کو امام ترمذی نے بھی نقل کیا اور اس کو نقل کر کے (۱) ترمذی فرماتے ہیں **والعمل علیہ عند بعض اھل العلم و بہ یقول بعض اصحابنا** ، یعنی اس حدیث پر کچھ ہی اہل علم کا عمل ہے اور ہمارے اصحاب یعنی محدثین میں سے کچھ ہی لوگ اس کے قائل ہیں،

اور پاؤں کی انگلیوں کے بل والی بھی امام ترمذی نے حدیث ذکر کی ہے اس کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں، اس کو نقل کر کے امام ترمذی فرماتے ہیں:

قال ابو عیسیٰ علیہ العمل عند اھل العلم یختارون ان ینھض الرجل فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ یعنی امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی نماز میں اپنے دونوں قدموں کے سرے پر کھڑا ہو،

نزدیک اقامت اکہری کہی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اپنے مذہب کی رعایت میں انتہائی درجہ کی جو صحیح حدیث ہے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مبارکپوری کہتے ہیں کہ بلاشک اس حدیث کو روایت کرنے والے صحیح کے رجال ہیں لیکن حدیث کی سند میں نظر ہے اگرچہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کی سند انتہائی درجہ کی صحیح ہے اس لئے کہ اس کی سند میں اعمش ہیں اور وہ مدلس ہیں، ص ۲۹۲

ملاحظہ فرمائیں ح کہ غیر مقلدین اپنے مذہب کے خلاف والی صحیح حدیث کتنی بے باکی سے رد کر دیتے ہیں اور اپنا نام بے حیائی سے اہل حدیث بھی رکھتے ہیں، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ان محدثین میں سے ہیں جن کی روایتوں اور حدیثوں سے بخاری بھری پڑی ہے، مگر مبارکپوری صاحب کو اس کا بھی خیال نہ رہا کہ اگر امام اعمش کی روایت اسی طرح رد کی جاتی رہے گی تو بخاری کا بھرم بھی جاتا رہے گا۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز احناف کے یہاں نہیں ہے اور ان کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے جو حدیث رفوع کے حکم میں ہے اور صحیح سند سے مروی ہے، **لاتشریق ولا جمعۃ الافی مصر جامع** ، فتاوی نذیریہ میں ہے

۱ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول صحیح ہے ابن حزم نے اس قول کی تصحیح کی ہے

اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین جب اپنی کتابوں میں اہل علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد فقہاء اور محدثین ہوتے ہیں تو اب دیکھئے کہ امام ترمذی نے جب پہلی حدیث نقل کی تو یہ کہا کہ اس پر کچھ ہی لوگوں کا عمل ہے اور جب دوسری حدیث نقل کی تو فرمایا کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے اور اہل علم کا لفظ مطلقاً بول کر بتلایا کہ چند لوگوں کے علاوہ عام طور پر محدثین اور فقہاء کا عمل اس دوسری حدیث پر ہے۔

دوسرا فرق یہ ملاحظہ فرمائیں کہ جب امام ترمذی نے پہلی حدیث ذکر کی تو یہ کہا کہ اس پر بعض لوگوں کا عمل ہے اور جب دوسری حدیث ذکر کی تو پورا مسئلہ بیان کیا کہ نماز پڑھنے والا سجدہ سے سر اٹھا کر اس طرح کھڑا ہو، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ سجدہ ثانیہ سے سر اٹھا کر کھڑا ہونا اصل سنت ہے، مگر مسئلہ کی اس گہرائی تک جانے کے لئے عقل وفہم اور گہرے علم کی ضرورت ہے اور اس نعمت سے غیر مقلدین کا بڑے سے بڑا عالم بھی غیر مقلدیت کی نحوست کی وجہ سے محروم رہتا ہے، امام ابوحنیفہ کے مدارک اجتہاد وفقہ تک پہونچنا اور سمجھنا غیر مقلدوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اصلی نماز کی سنت جیسا کہ امام ترمذی کے بیان سے معلوم ہوا کھڑے ہونے کی یہی ہے کہ آدمی پنجوں کے بل کھڑا ہوا اور یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں ٹیک لگا کر کھڑے

مصنف عبدالرزاق میں بھی حضرت علی کا یہ اثر صحیح سند سے مروی ہے شوکانی بھی کہتے ہیں کہ یہ اثر صحیح ہے،

مگر چونکہ حضرت علیؓ کا یہ قول غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف ہے اس وجہ سے فتاویٰ نذیریہ میں ان اعترافات کے باوجود کہ یہ قول صحیح سند سے ثابت ہے یہ بھی لکھدیا کہ،

حضرت علی کے اس قول سے صحت جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا (ص ۲۹۴ ج ۱)

جی، ہرگز ہرگز حضرت علی کا یہ فرمان غیر مقلدوں کو قبول نہیں، کیوں؟ اس وجہ سے حضرت علی کا یہ فرمان غیر مقلدوں کے مذہب کے خلاف ہے، اور جو اثر یا جو حدیث غیر مقلدوں کے مذہب کے خلاف ہوگی غیر مقلدین اس کو ہرگز ہرگز نہیں قبول کریں گے، مگر اپنا نام اہل حدیث ضرور رکھیں گے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اللہ ایسی اہل حدیثیت اور غیر مقلدیت سے سب کو پناہ میں رکھے۔

ہونے کی ممانعت ہے۔

حضرت امام ابوداؤد نے باب قائم کیا ہے،

باب کراهية الاعتماد على اليد في الصلوٰة

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ نماز میں ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھڑا ہونا منع ہے اوراس باب کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے۔

عن ابن عمر نهانی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یعتمد الرجل علی یدیه اذا نهض فی الصلوٰة، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سجدہ سے کھڑے ہونے کے وقت ہاتھ پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے، اور پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی نہیں ہے نہ صحیح نہ ضعیف کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہو۔ مگر وہ غیر مقلد ہی کہاں جو ان باتوں کو سمجھے اور مسئلوں کی گہرائیوں میں اترے۔

حضرت وائل کی حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا مضمون ہے حضرت وائل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، **کان، ذارفع راسه من السجدتین استویٰ قائماً** یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دونوں سجدے سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے اور یہی بات حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرماتے ہیں، ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں،

ان کان یمکن جبهته وانفه من الارض ثم یقوم کانه السهم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر جماتے تھے پھر تیر کی طرح سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے اور نعمان بن ابی عیاش فرماتے ہیں، **ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم فکان اذا رفع راسه من السجدة فی اول رکعة وفی الثانیة قام کما هو ولم یجلس،** یعنی میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابیوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ پہلی اور دوسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کھڑے ہوجاتے اور بیٹھتے نہیں تھے (ان احادیث کے لئے دیکھئے تلخیص الحبیر ص ۹۹) راز

صاحب سے میں پوچھتا ہوں کہ صحابہ اور تابعین میں سے کس کس پر آپ حکم لگائیں گے کہ ان کا طریقہ نماز خلاف سنت ہوا کرتا تھا،

جاننے والے جانتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کو غیر مقلدین اپنے زمانہ کا امام وقت ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی تحقیق کے ساتھ بڑے سے بڑے امام کی نہیں سنتے۔ طلاق کے مسئلہ میں ان کا از اول تا آخر اعتماد ابن قیم ہی تحقیق پر ہے، اور غیر مقلدوں کے مجتہد اعظم یعنی نواب صدیق حسن خان بھوپالی تو ابن قیم کو خدائی کے درجہ پر پہونچائے ہوئے تھے اور ابن قیم مددے کی ان کی قوالی بہت مشہور ہے، اس مسئلہ میں وہ ابن قیم کیا فرماتے ہیں، ذرا غیر مقلدین اس کو بھی سن لیں، ابن قیم فرماتے ہیں کہ:

قدروی عن عدة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر من وصف صلاته صلی اللہ علیه وسلم لم یذکر هذه الجلسة وانما ذکرت فی حدیث ابی حمید ومالک بن حویرث ولو کان هدیه صلی اللہ علیه وسلم فعلها دائما لذکرها کل واصف صلاته ومجرد فعله صلی اللہ علیه وسلم لها لایدل علی کونها سنة من سنن الصلاة فهذا تحقیق المناط فی هذه المسئلة (زادالمعاد ص ۶۱،۶۲ ج ۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام اور تمام ان لوگوں سے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بیان کیا ہے کسی سے بھی جلسہ استراحت کا بیان ثابت نہیں، صرف دو صحابہ اس کو ذکر کرتے ہیں، ایک ابوحمید اور دوسرے مالک بن حویرث، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز یہی ہوتا کہ آپ جلسہ استراحت فرماتے تو ہر وہ صحابی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بیان کیا ہے، اس کو ذکر کرتا، اور محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی کبھار اس کا کرنا اس بات کو نہیں بتلاتا ہے کہ یہ جلسہ استراحت نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ اس مسئلہ میں یہی حقیقی

اور واقعی بات ہے۔

ابن قیم مزید فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں اور گھٹنوں اور رانوں پر ہاتھ ٹیک کر اٹھا کرتے تھے اور زمین پر ہاتھ نہیں ٹیکتے تھے (ایضاص ۶۱ ج ۲)

اب ہم کو دیکھنا ہے کہ غیر مقلدین ابن قیم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ راز صاحب کی ایک عادت ہے کہ وہ اس کا پروپگنڈہ بہت کرتے ہیں کہ حنفیہ نے فلاں حدیث کے خلاف کیا، انہوں نے فلاں کام سنت کے خلاف کیا اور جو مذہب حنفیہ کا ہوتا ہے وہی مذہب دوسرے ائمہ کا بھی ہوتا ہے مگر ان کا وہ نام نہیں لیتے مثلاً اسی مسئلہ میں دیکھیں کہ جو مذہب جلسہ استراحت نہ کرنے اور بلا ٹیک لگائے سجدہ سے کھڑے ہونے میں احناف کا ہے وہی مسلک حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، مگر راز صاحب نے حضرت امام مالک کا نام نہیں لیا، گویا غیر مقلدوں کو صرف حضرت امام ابوحنیفہ سے عناد ہے، ایک بات اور قابل غور ہے کہ راز صاحب نے بخاری شریف کی جو اصولی اور تفصیلی حدیث ذکر کی ہے اس میں کہیں ایک جگہ کے علاوہ رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، یعنی صرف شروع نماز میں رفع یدین کا ذکر ہے، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت یا تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، مگر راز صاحب نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا، اگر رفع یدین کا اس تفصیلی اور اصولی حدیث میں ذکر ہوتا تو کیا راز صاحب یہاں خاموش رہتے؟ اور کیا وہ سینہ پھلا پھلا کر یہ نہ کہتے کہ دیکھو اس اصولی اور تفصیلی حدیث میں رفع یدین کا ذکر ہے مگر حنفیہ اس کو سنت نہیں کہتے اور حدیث کے خلاف رائے اور قیاس پر عمل کرتے ہیں، جی ہاں غیر مقلدیت اسی کا نام ہے۔

آخر میں ناظرین سے گزارش کروں گا کہ اس مضمون کو ایک دفعہ اور پڑھ لیں اور دیکھیں کہ غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو ٹھکرایا ہے اور اس کے باوجود اپنا نام انہوں نے اہل حدیث رکھا ہے، یعنی زنگی (حبشی) نے اپنا نام کافور رکھا ہے۔

وللناس فيما يعشتون مذاهب

خمار سلفیت

جمعہ کے روز شیخ کلو حفظہ اللہ نے اپنی مسجد میں دو اذان کہلوائی

بیٹا: ابا جی! کچھ آپ نے سنا اس دفعہ جمعہ کے روز شیخ کلو حفظہ اللہ نے اپنی مسجد میں جمعہ کی اذان احناف کی مساجد میں اذان کی طرح دو دفعہ کہلوائی!؟

باپ: جی بیٹا! اس روز شام کو شیخ جمن حفظہ اللہ میرے پاس آئے تھے، بہت غم زدہ تھے چہرے پر پریشانی کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں، انہوں نے مجھ سے شیخ کلو حفظہ اللہ کی اس نئی بدعت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار بڑے درد بھرے انداز میں کیا تھا،

وہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ حرکت کوئی اور کرتا تو زیادہ فکر کی بات نہیں تھی مگر شیخ کلو حفظہ اللہ کا جماعت میں ایک خاص مقام ہے اس کا اثر جماعت کے دوسرے افراد پر پڑے گا، اور ہم جو ڈیڑھ سو سال سے اس سنت پر عمل کر رہے تھے وہ مجروح ہوگی۔

بیٹا: ابا جی! آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ کیا ہم لوگوں کا وجود صرف ڈیڑھ سو سال کا ہے ہمارا وجود تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے، اصل مسلمان تو ہم ہی لوگ ہیں؟

باپ: بیٹا! یہ بات صرف اپنے سینہ میں رکھو کہیں اس کا تذکرہ کرنا بھی ہو تو شیخ جھولن کے چائے خانہ میں کرنا وہاں اکثر ٹھیلا چلانے والے ہوتے ہیں کوئی پڑھا لکھا نہیں ہوتا۔

بیٹا: ابا جی! اصل میں بات یہ ہے کہ ہم لوگ کہتے تو یہی ہیں کہ ہمارا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے مگر اس کا ہمارے پاس کوئی

شرعی ثبوت نہیں ہے۔

بیٹا: ابا جی! ''ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے''، اس کا کیا مطلب ہے آج تو آپ بات معمہ والی زبان میں کرر ہے ہیں؟

باپ: بیٹا! شرعی ثبوت کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اگر ہم سے کوئی خدا کی قسم دے کر کہے کہ قسم کھاؤ کہ تمہارا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے تو ہم اگر ہمارے اندر امانت ودیانت ہوگی اس پر قسم نہیں کھا سکتے۔

بیٹا: کیوں ابا جی! ہم قسم کیوں نہیں کھا سکتے سچی بات پر قسم کھانا تو جائز ہے؟

باپ: بیٹا! یہی تو المیہ ہے، ہمارا وجود تو اصلاً برطانوی دور کا ہے، مگر ہم لوگوں نے اپنے کو اصلی مسلمان ظاہر کرنے کے لئے یہی کہتے رہے ہیں کہ ہم لوگ قدیم المذہب ہیں اور عہد نبوی والے مسلمان ہیں،

بیٹا: ابا جی! اب بات سمجھ میں آ گئی کہ شیخ کلو حفظہ اللہ نے اپنی مسجد میں کیوں دو اذان کہلوائی وہ یہی تو کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے لے کر حضرت علیؓ کے زمانہ تک ہزاروں صحابہ تابعین کا زمانہ تھا، لاکھوں تابعین اور تبع وتابعین کے زمانہ میں ہر شہر، ہر دیہات میں ہزاروں فقہاء اور محدثین تھے، کسی مسلمان اور اہل سنت کی مسجد میں جمعہ کی ایک اذان آج تک نہیں ہوئی تو اسی کا دستور یعنی دو اذان والا سارے بلاد اسلامیہ میں رہا، صرف شیعوں نے اس کو نہیں مانا، ہمارا فرقہ بھی شیعوں کے ساتھ ہے،

باپ: بیٹا! شیخ کلو جو کچھ کہہ رہے اس کا انکار نہیں کیا سکتا، آج صرف شیعہ فرقہ جمعہ کی دو اذان کا منکر ہے، ورنہ سارے اہل سنت دو اذان والے ہیں،

بیٹا: ابا جی! ہمارے علماء کا کیا کہنا ہے؟

باپ: بیٹا! ہمارے علماء کی بات سنو گے تو تمہاری پریشانی بڑھ جائے گی نواب وحید الزماں حیدرآبادی اپنی کتاب تیسر الباری ترجمہ بخاری میں لکھتے ہیں کہ یہ اذان بدعت ہے آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھی، آج اس سنت کو یعنی

جمعہ کے روز ایک اذان کہنے والی سنت کو سوائے اہل حدیث کے اور کوئی بجانہیں لاتے،

مولانا مبارکپوری صاحب نے بھی اس کو بدعت کہا ہے اور اس کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے۔

بیٹا: ابا جی! اب بات سمجھ میں آگئی کہ شیخ کلو نے کیوں ہمارا مذہب چھوڑ کر اپنی مسجد میں دو اذان کہلوائی، ان کا یہی تو کہنا ہے کہ اگر ہمارے علماء کی بات سچ ہوتی کہ یہ اذان بدعت ہے تو صحابہ وتابعین ومحدثین حتیٰ کہ امام بخاری جیسا محدث بھی اس بدعت پر کیوں عامل ہوتا، ہمارے علماء کے قول سے یہ تمام صحابہ وتابعین اور جملہ مسلمان بدعتی قرار پاتے ہیں اور ایک غیر سنت عمل کو سنت سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہیں، اتنا بڑا الزام مسلمانوں کو کوئی اسلام کا دشمن ہی دے سکتا ہے۔

باپ: تمہاری بات بالکل سچ ہے اس وجہ سے ہم لوگ اس بات کو چھپاتے ہیں کہ ہمارا مذہب اصل اہل سنت والا ہے،

بیٹا: ابا جی! مگر نواب وحید الزماں کا یہ کہنا کہ اس سنت پر آج صرف اہل حدیث عمل کر رہے ہیں کیسے صحیح ہے، شیعوں کا بھی تو یہی مذہب ہے، ان کا نام انہوں نے کیوں نہیں لیا۔

باپ: پتہ نہیں بیٹا،

غیر مقلد عالم ومحدث مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا غیر ذمہ دارانہ کلام

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! حضرت عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تو ہماری جماعت کے بہت بڑے محدث اور بہت بڑے عالم تھے۔

باپ: جی بیٹا! حافظ عبداللہ محدث غازیپوری کے خاص شاگرد تھے، ترمذی شریف کی انہوں نے شرح لکھی ہے، تحفۃ الاحوزی نام اس شرح کا ہے، ہندو پاک ہی نہیں عرب دنیا میں بھی اسی شرح کا چرچا ہے۔

بیٹا: ابا جی! آپ نے اس شرح کو دیکھا ہے؟

باپ: بیٹا! میں نے اس کو دیکھا ہی نہیں بلکہ اس کا مطالعہ کیا ہے، اس شرح میں احناف کا ایسا رد کیا ہے کہ احناف مقلدوں کو اس شرح کا نام سن کر پسینہ آجاتا ہے۔

بیٹا: ابا جی ہوگی وہ شرح ایسی ہی جیسی آپ کہہ رہے ہیں مقلدین کا پسینہ چھڑانے والی، مگر ذرا اس شرح کی اس عبارت کی آپ شرح فرمادیں، محدث مبارکپوری اس شرح میں اذان عثمانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان الاستدلال علی کون الاذان الثالث ھو من مجتھدات عثمان امرا مسنوناً لیس بتام الاتری ان ابن عمر قال الاذان الاول یوم الجمعة بدعة فلو کان ھذاالاستدلال فاما و کان الاذان الثالث امرا مسنوناً لم یطلق علیه لفظ البدعة ل لا علی سبیل الانکار ولا علی سبیل غیرالانکار فان الامرالمسنون لا یجوزان یطلق علیه لفظ البدعة بای معنی کان،

باپ: بیٹا! کیا یہ عبارت تحفۃ الاحوزی میں ہے؟

بیٹا: ابا جی! مولانا داؤد راز صاحب نے تحفۃ الاحوزی کی یہ عبارت اپنی کتاب تشریح البخاری میں نقل کی ہے، یہ عبارت ص۹۲ پر ہے، راز صاحب فرماتے ہیں کہ جولوگ اذان عثمانی کو مسنون کہتے ہیں ان کا قول محل نظر ہے، پھر مولانا مبارکپوری کی انہوں نے یہ عبارت نقل کی ہے۔

باپ: بیٹا! میں نہ اس عبارت کا ترجمہ کروں گا نہ اس کی شرح کروں گا، مجھے تعجب ہورہا ہے کہ مولانا مبارکپوری کے قلم سے ایسی عبارت نکلی کیسے!

بیٹا: ابا جی! آپ کو کیوں تعجب ہو رہا ہے اسی عبارت میں کیا خاص بات انہوں نے فرمائی ہے؟

باپ: اس عبارت میں انہوں نے سارے صحابہ کرام کو جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تھے، بدعت پر عمل کرنے والا بتلایا ہے، اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو اس بدعت کا مرتکب قرار دیا ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ جو بات مولانا مبارکپوری کو سمجھ میں آئی ہے نہ یہ بات امام بخاری کو سمجھ میں آئی اور نہ امام مسلم کو نہ کسی اور محدث اور فقیہ کو، اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو سنت فرمایا تھا اور اس کو لازم پکڑنے کا حکم دیا تھا مولانا مبارکپوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف اس کو بدعت کہہ کر اس سے منع کر رہے ہیں۔

بیٹا: ابا جی! مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو وہ نام لے رہے ہیں کہ اذان عثمانی کو انہوں نے بدعت کہا؟

باپ: بیٹا! یہی بات تو مولانا کے علم کا مرثیہ پڑھوا رہی ہے، حضرت ابن عمر کے والد نے بھی تو تراویح باجماعت کو بدعت کہا تھا، آخر ہم اس کو سنت کیوں کہتے ہیں؟ جو بات مولانا نے فرمائی ہے کہ بدعت کو لغوی معنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں نہیں لیا جا سکتا یہ بچوں والی بات ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے جو تراویح کے بارے میں بدعت کا لفظ استعمال کیا سب نے اس کا لغوی معنی ہی مراد لیا ہے کسی عالم نے اس کا شرعی معنی مراد نہیں لیا۔

بیٹا: ابا جی! تو کیا ہمارے مبارکپوری صاحب کی حدیث کی سمجھداری حضرت امام بخاری سے بھی بڑھ گئی؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا۔

وتر کی تیرہ رکعت پڑھانے پر حملہ
جامع سلفیہ میں ہنگامہ

ابا جی کل مقتدی

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ابا جی! آپ نے رات تراویح کی نماز کہاں پڑھی تھی، سنا ہے کہ ہم لوگوں کی مسجد میں رات بڑا ہنگامہ رہا، شیخ تواب حفظہ اللہ نے شیخ جمن حفظہ اللہ پر اپنی لور(۱) نکال لی تھی؟

باپ: بیٹا! میں رات تراویح پڑھنے نہیں گیا تھا، اس سال میں نے سنت والی تراویح پڑھ لی ہے، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ رات ہماری مسجد میں ہنگامہ ہوا تھا؟

بیٹا: آپ نے اس سال سنت والی تراویح پڑھ لی ہے اس کا کیا مطلب ہے کیا ہماری مسجد میں اب جو تراویح ہو رہی ہے وہ سنت والی نہیں ہے؟

باپ: بیٹا! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے رمضان جماعت کے ساتھ اپنی زندگی میں تراویح نہیں پڑھی تھی، نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کا رواج تھا، یہ پورے مہینہ جماعت کے ساتھ تراویح تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے، اس کا آغاز انہوں نے اپنے زمانہ میں کیا تھا،

بیٹا: ابا جی! تو اس خلاف سنت تراویح پر ہم لوگ عمل کر رہے ہیں؟

باپ: بیٹا! اس بحث میں اس وقت مت پڑو، بتاؤ کہ رات ہنگامہ کس بات پر تھا؟

بیٹا: ابا جی! کل مولانا داؤد راز کی کتاب تشریح بخاری کی آٹھویں جلد شیخ جمن

(۱) لور اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کو دیہات کے لوگ تیل پلا پلا کر ایسا کر دیتے ہیں کہ اگر جم کر ایک لاٹھی کسی پر پڑ جائے تو اس کا کام تمام ہو جائے۔

حفظہ اللہ کے پاس آتی ہے، اس میں انہوں نے وتر کا بیان پڑھا، تو اس میں داؤدراز صاحب نے لکھا ہے کہ وتر ایک مستقل نماز ہے اس نماز کی کم سے کم ایک رکعت پھر تین پانچ، سات، نو، گیارہ، تیرہ رکعت تک پڑھی جاسکتی ہے، (ص ۱۴۷ ج ۸) تو شیخ جمن حفظہ اللہ نے امام صاحب کے کان میں چپکے سے کہہ رکھا تھا کہ آج وتر کی نماز تیرہ رکعت پڑھانا،

باپ: بیٹا! یہ بات شیخ جمن حفظہ اللہ نے چپکے سے کیوں کہی؟

بیٹا: ابا جی! ان کو ڈر تھا کہ اگر لوگوں کو اس کا پہلے سے پتہ چل جائے گا تو سب اہل حدیث بھاگ جائیں گے اور اس سنت پر عمل کرنے والا کوئی نہ رہے گا،

باپ: پھر ہنگامہ کیوں ہوا؟

بیٹا: ابا جی! تو جو نماز ساڑھے نو بجے ختم ہوا کرتی تھی ساڑے دس بجے ختم ہوئی مصلیوں کا برا حال تھا، اور لوگوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے یہ نئی وتر کہاں سے نکالی، امام صاحب نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا ہے، یہ شیخ جمن حفظہ اللہ کا آڈر تھا۔

باپ: تو لوگوں نے شیخ جمن کو پکڑا؟

بیٹا: ابا جی! شیخ جمن کو پکڑا، اور ان سے لوگوں نے پوچھا یہ نئی تراویح کی بنیاد آپ نے کس حدیث کی روشنی میں ڈالی ہے، شیخ قمر الزماں نے کہا کہ میرے باپ نے کبھی تیرہ رکعت وتر نہیں پڑھی، شیخ نور الدین نے کہا کہ میرے دادا نے کبھی تیرہ رکعت وتر نہیں پڑھی، شیخ کلو نے کہا کہ میرا خاندان دور برطانیہ سے اہل حدیث بنا ہوا ہے۔ کبھی میرے خاندان میں تیرہ رکعت وتر نہیں پڑھی گئی، شیخ تواب نے کہا کہ میرا خاندان آبائی اہل حدیث ہے کبھی سارے خاندان والوں نے تراویح کے ساتھ تیرہ رکعت وتر نہیں پڑھی۔

باپ: بیٹا! ان لوگوں کی بات تو سچ ہے، پورے ہندوستان میں آج تک کسی اہل

حدیث مسجد میں تیرہ رکعت وتر نہ جماعت کے ساتھ نہ بلا جماعت کہیں نہیں پڑھی، نہ میاں صاحب کے زمانہ میں نہ نواب بھوپالی کے زمانہ میں۔

بیٹا: تو ابا جی! مولانا داؤد راز صاحب نے یہ تیرہ رکعت وتر والی بے پر کی اڑائی ہے؟

باپ: بیٹا! راز صاحب بڑے عالم تھے، ان کی بات پر والی ہوگی بے پر والی نہیں ہوسکتی۔

بیٹا: مگر ابا جی! حدیث میں تو صرف پانچ رکعت تک وتر پڑھنے کا ذکر ہے اس سے زیادہ کا نہیں ہے۔ اور اصحاب حدیث تو عام طور پر صرف تین رکعت پڑھا کرتے تھے، خود بخاری شریف میں ہے حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم جو مدینہ کے زبردست فقیہ اور بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے والد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، بہت سے لوگوں کو صرف تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک رکعت وتر اور تین رکعت وتر سب کی گنجائش ہے، کسی میں کچھ حرج نہیں، حضرت قاسم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے ہیں اور ان کا شمار فقہائے تابعین میں سے ہوتا ہے۔

باپ: بیٹا! مگر داؤد راز صاحب بڑے ذمہ دار عالم تھے، ان کی بات ہوائی نہیں ہوسکتی،

بیٹا: ابا جی! اگر ان کی بات ہوائی نہیں ہوسکتی تو کسی ایک حدیث سے تو کوئی ثابت کرے کہ رمضان کے زمانہ میں یا بلا رمضان کے جماعت کے ساتھ یا بلا جماعت کے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ رکعت وتر پڑھی؟

باپ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راز صاحب نے بلا سمجھے بوجھے تیرہ رکعت وتر والی بات کہی ہے۔

بیٹا: ابا جی! کہی ہے یا بے پر کی اڑائی ہے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

معصوم کی دعا

از محمد ابو بکر غازی پوری

میرے آقا مجھے علم کی دولت دیدے
مال وزر سے نہیں علم سے عزت دیدے

میں رہوں تابع فرمان محمدؐ ہردم
مجھے احمدؐ مرسل کی محبت دیدے

مال ودنیا کی طمع مجھ کو نہ ستائے مولیٰ
فکر عقبیٰ مجھے دے اپنی محبت دیدے

کوثر وتسنیم سے مخمور مجھے کردے
اپنے محبوب کی جنت میں رفاقت دیدے

دست باطل نے بہت ظلم ہے ڈھایا ربا
قصر باطل کو گرادوں مجھے طاقت دیدے

پرچم دین محمد کا نگہبان رہوں
مجھے اس بات کی یارب تو سعادت دیدے

ذکر تیرا ہی رہے میری زباں پہ ہردم
مجھ کو محروم نہ کر مجھ کو یہ نعمت دیدے

دین کی شمع کا پروانہ بنادے مجھ کو
میرے ہاتھوں میں تو پرچم سنت دیدے

تجھ سے میری دعا ہے میرے آقائے کریم
معاف کردے گناہوں کو تو جنت دیدے
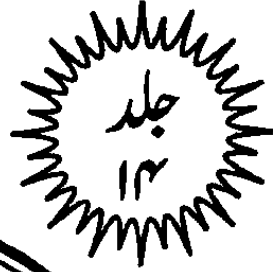
مکتبہ اثریہ غازیپور سے شائع ہونیوالا
جلد ۱۴
دوماہی دینی وعلمی مجلّہ
شمارہ ۶
زمزم
ذی القعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
مدیر مسئول و مدیر التحریر
محمد ابوبکر غازی پوری
سالانہ چندہ ۱۰۰/روپے
پاکستان کے لئے .... پاکستانی ۲۵۰/روپے سالانہ
پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ غیر ممالک سے دس ڈالر امریکی
ترسیل زر کیلئے اکاؤنٹ نمبر PunjabNationalBaink0662010100011488 صرف محمد ابوبکر لکھا جائے
پتہ
مکتبہ اثریہ قاسمی منزل سیدواڑہ، غازیپور۔ یوپی
Pin. 233001 .... Mob.9453497685/08423339082

فہرست مضامین

ادار یہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ، اللہ کی توفیق اور اس کی مہربانی سے اس سال بھی مجھے رمضان المبارک کے کچھ ایام اور شعبان المعظم کا آخری عشرہ حرمین شریفین میں گزارنے کا موقع ملا، میرے پاؤں کی تکلیف جو مسلسل چل رہی ہے اس کی وجہ سے خیال ہو رہا تھا کہ اس سال میں سفر نہ کرسکوں گا مگر جب شعبان کا مہینہ شروع ہوا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی طاقت ہے جو مجھے ابھار رہی ہے کہ میں سفر کی تیاری شروع کروں، اس وقت سفر اور عمرہ کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ہم جیسے فقیروں اور مالی اعتبار سے کمزور آدمی کے لئے حج وعمرہ کا سفر کرنا آسان نہیں رہ گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے، کام بنانے والا وہی ہے، اس نے بمبئی میں ہمارے کرم فرما بھائی عمر کا پڈیا جو میرے ساتھ انتہائی محبت اور اخلاص کا تعلق رکھتے ہیں ان کو اس سفر کا بظاہر ذریعہ بنادیا، میرے پاس ان کا فون آیا کہ آپ کے لئے میں نے بہت سستا ٹکٹ خرید لیا ہے، اس لئے آپ سفر کے لئے آمادہ ہوجائیں، پہلے میرا جو سفر ہوتا تھا اس پر ویزا اور ٹکٹ کا تقریباً پینتیس ہزار کا خرچ آتا تھا، اس سال بھائی عمر نے میرا ٹکٹ صرف سولہ ہزار میں خریدا اور ویزا کے لئے ساڑھے چار ہزار روپئے مجھے ادا کرنے ہوئے اس طرح بیس ہزار پانچ سو روپئے مجھے ادا کرنے ہوئے، بھائی عمر بتلارہے تھے کہ میں جب ٹکٹ کے بارے میں معلوم کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک ٹکٹ سستا والا بچا ہے، اس لئے میں نے آپ سے پوچھے بغیر اس کو آپ کے لئے خرید لیا، اس کے فوراً بعد ٹکٹ کا دام ساڑھے اکیس ہزار ہوگیا اور پھر بڑھتے بڑھتے آخر شعبان تک اٹھائیس ہزار ہوگیا، اور ویزا کی رقم الگ۔

۱۸/اگست کو بمبئی کے لئے روانہ ہوا اور بمبئی ایک روز قیام کر کے ۲۱/اگست کو بمبئی ایر پورٹ سے براہ ریاض مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی، مدینہ منورہ ایر پورٹ پر عزیزم مولانا عبدالرحمٰن سلمہ جو میرے بزرگ محترم مولانا عبداللہ صاحب بستوی مرحوم مہاجر مدینہ منورہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھے مولانا عبدالرحمٰن سلمہ قبا میں رہتے ہیں اور میرے ساتھ ان کا اور ان کے گھر والوں

کا بڑی عقیدت ومحبت کا معاملہ ہے ان کے تعلق ہی کی بات ہے کہ وہ اپنے سوا کسی اور کے گھر کھانے یا رہنے کی اجازت بڑی مشکل سے دیتے ہیں۔ حرم نبوی میں تحفیظ کے مدرس ہیں وہی مجھے حرم لیجاتے اور لے آتے ہیں، مدینہ پاک میں میرا قیام تقریباً نو روز رہا رمضان کا چاند دیکھ کر اور پہلی تراویح پڑھ کر دوسرے روز میں مکہ مکرمہ آ گیا تھا، پہلی تراویح مدینہ پاک میں اور پہلا روزہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔

ایک نئی خبر

مسجد نبوی میں میں ایک روز اپنے محب وکرم فرما مولانا اسماعیل بدات کے پاس بیٹھا تھا کہ پاکستان کے ایک صاحب ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ میں حرم میں غیر مقلد عالم مولانا جونا گڈھی کا ترجمہ والا قرآن پاک تلاش کر رہا ہوں وہ مل نہیں رہا ہے، کیا وہ بند ہو گیا؟ مولانا نے فرمایا: بہت دنوں سے مجھے بھی نظر نہیں آیا، بند ہونے یا نہ ہونے کی مجھے اطلاع نہیں ہے۔ مجھے اس خبر سے دلچسپی ہوئی تو دوسرے روز میں حرم نبوی کے اس آفس میں گیا جہاں سے قرآن کریم تقسیم ہوتا ہے، اور اس ترجمہ والے قرآن کے بارے میں معلوم کیا تو آفس والوں نے بتلایا کہ اب اس کی تقسیم واشاعت بند ہے، بند ہونے کی وجہ کیا ہوئی، اس کا پتہ نہیں چل سکا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ ابن باز کی وفات کے بعد حکومت سعودیہ میں غیر مقلدین کی وہ حکمرانی نہیں رہ گئی ہے جو شیخ ابن باز کے زمانہ میں تھی پہلے احناف کی کتاب کے داخلے پر بڑی پابندی تھی اور علامہ کوثری کی کتابوں کا داخلہ تو سعودیہ میں بڑا مشکل تھا، چوری چھپے کبھی مصر سے پہونچ جاتی تھی مگر اب احناف کی کتابوں پر سے پابندی ہٹائی گئی ہے، حتیٰ کہ علامہ کوثری کی کتابیں تو اب کی دفعہ جامعہ اسلامیہ میں جو کتابوں کی نمائش لگی تھی خوب بکیں، اگرچہ ان کی قیمت بہت تھی مگر سب سے زیادہ ان کی ہی کتابوں کی فروخت ہوئی۔ خود میری کتابیں وقفہ مع الاندیہ اور صور تنطق کو سعودیہ میں داخلہ کی اجازت مل گئی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کے سیکڑوں نسخے وہاں کے علمی ودینی طبقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

خیال تھا کہ مدینہ پاک میں دو ایک روز گزار کر مکہ مکرمہ جاؤں گا مگر میرے کرم فرما قاری خلیق اللہ صاحب دامت برکاتہم کا فون آیا کہ اگر تم نے دو تین روز

مدینہ میں مزید قیام کیا تو مکہ مکرمہ میں صرف دو ہی روز کا موقع ملے گا جو ہم لوگوں کے لئے بہت کم ہے، اس لئے اب فوراً مکہ مکرمہ آجاؤ، چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں پہلی تراویح کی رات ہی میں تقریباً دو بجے شب میں مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گیا، ڈرائیور نے گاڑی کو ہوائی جہاز بنادیا پانچ سو کلومیٹر کے قریب کا فاصلہ صرف ڈھائی گھنٹہ میں طے کیا دو سو اور دو سو بیس کی رفتار سے اس نے گاڑی چلائی ہم لوگوں نے مکہ مکرمہ کے قریب پہونچ کر فجر کی نماز مکہ ہی میں ادا کی،

مدینہ پاک میں تو اندازہ نہیں ہوا، مگر مکہ مکرمہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ اس سال عمرہ کرنے والوں کی پوری دنیا سے بہت بڑی تعداد آئی ہے۔ میں جو طواف کرنے حرم گیا تو پورا مطاف بھرا ہوا تھا پاؤں رکھنے کی بھی گنجائش نہیں تھی، اس لئے میں نے کچھ پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے اور کچھ اس کی وجہ سے عربیہ (وہیل چیر) لیا اور دوسری منزل سے طواف وسعی کو ادا کیا عربیہ والا گونگا تھا، بڑی محبت سے اس نے مجھے سعی وطواف کرایا، اس نے مجھے عام آدمی سمجھا اس لئے جگہ جگہ وہ رکتا اور اشارے سے دعا کے لئے کہتا، اور نہایت اخلاص اور محبت سے زمزم پلاتا، اور اس نے معاوضہ صرف سو (۱۰۰) ریال لیا، جس نے سنا تعجب کیا، ایک صاحب کہنے لگے کہ مولانا اللہ تعالیٰ ہر جگہ آپ پر مہربان رہتا ہے، میں نے کہا کہ بلاشک میرا مولیٰ بڑا رحیم وکریم ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت قاری خلیق اللہ صاحب کے گھر قیام رہا۔ ان کا گھر میرے لئے اپنا ہی گھر ہوتا ہے، جہاں ہر طرح کے آرام کے علاوہ حضرت قاری صاحب کی شخصیت میرے لئے بڑی دلچسپی کا باعث بنتی ہے، ان کی ہر ادا پیاری ہوتی ہے اور اس پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے، میری کتابوں اور زمزم کے وہ عاشق ہیں، سعودیہ میں ان کے پاس میری کتابیں رہتی ہیں، جس کو معلوم ہو جاتا ہے وہاں سے میری کتابیں حاصل کر لیتا ہے۔

۸/ اگست کو میری انڈیا کے لئے فلائٹ کنفرم تھی، میں جدہ ۶/ اگست کی شام کو پہونچ گیا جدہ میں حضرت مولانا قاری عبدالباسط پاکستان صوبہ سرحد کے مدرسہ میں قیام رہا، جہاں میرے عزیز مفتی طاہر قاسمی اعظمی تین چار سال سے تدریس اور ذمہ داری کا کام سنبھالے ہوئے ہیں، مفتی طاہر خود بڑے جید مفتی اور عالم ہیں مگر میرے ساتھ ان کا معاملہ استاذ شاگرد جیسا ہو جاتا ہے، جس سے خود مجھے شرم آنے لگتی

ہے، مفتی طاہر بڑے ہنس مکھ اور باغ و بہار طبیعت کے مالک ہیں،

جب میں جدہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ قاری عبدالباسط صاحب پاکستان گئے ہوئے ہیں آج ہی کل میں جدہ پہونچیں گے، چنانچہ وہ سات اگست کو جدہ آگئے، ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ دل کی کلی کھل گئی، جدہ میں عام طور پر میرا کھانا افطار وسحری سب بھائی عبدالمتین کے یہاں ہوتا ہے، جو لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اور قاری صاحب کے مدرسہ کی ایک منزل پر کرایہ سے رہتے ہیں۔ بھائی عبدالمتین ان کے والد اور ان کے گھر والے اور ان کے لڑکے عزیزم ابوبکر سلمہ وعثمان وعمر بڑی محبت سے خدمت میں لگے رہتے ہیں، ان کے تینوں بچے ماشاءاللہ بہترین حافظ قرآن ہیں اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، اللہ ان کی عمر اور ان کے علم میں برکت دے۔

جدہ ہی میں حیدرآباد کے رہنے والے میاں ساجد سلمہ ہیں جن کو جدہ میں میرے ملنے والے میرا مجنوں کہتے ہیں، ہر وقت میرے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں بڑی سیدھی اور نیک طبیعت کے نوجوان ہیں، جدہ میں دو سال سے مجھے ایرپورٹ چھوڑنے اپنی گاڑی سے وہی آتے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے مجھے ایرپورٹ پر ایک قدم چلنا نہیں ہوتا ہے۔

سات کا دن گزار کر ۸ر کی شب میں میرا جہاز تین بجے شب میں تھا، ریاض میں دو تین گھنٹہ رکا رہا پھر اسی روز تقریباً چار بجے دن میں ہم بحمدللہ، وبحفاظت خداوندی بمبئی پہونچ گئے، ایرپورٹ پر بھائی عمر کاپڑیا مدظلہ کے بڑے صاحبزادہ محمد رضوان سلمہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ ۹ر اگست کا دن بمبئی میں گزرا اور دس اگست کو بمبئی سے پون اکسپریس سے چل کر غازی پور ہم پہونچ گئے۔ غازی پور اسٹیشن پر میرے داماد شمشاد سلمہ اور میرا لڑکا عزیزم عبید الرحمٰن سلمہ موجود تھے، الحمدللہ اس طرح یہ مبارک سفر بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا، رمضان کے زمانہ کے عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے، اس وجہ سے پوری دنیا کے مسلمان اگر ان کو موقع ملتا ہے تو رمضان ہی میں عمرہ کرنے کو پسند کرتے ہیں، اس سال تقریباً ساٹھ لاکھ لوگوں نے عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی جیسا کہ وہاں کے اخبار کی اطلاع تھی۔

❀❀❀❀❀

نبوی ہدایات

محمد ابوبکر غازی پوری

(۱)......بخاری شریف میں سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ وہ مریض تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میرے پاس مال بہت ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت دوسروں کے لئے کردوں؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آدھے کی وصیت کردوں، تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کیا میں ایک تہائی مال کی وصیت کردوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، اور فرمایا کہ ایک تہائی مال بھی بہت ہوتا ہے، اور پھر فرمایا کہ تم اپنے پیچھے اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو کہ وہ دوسروں سے سوال کرتے پھریں، (بخاری)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی مالدار ہے اور وہ اپنا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس خرچ کرنے میں بھی آدمی کو اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے، اس کو اپنے ورثاء کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ بعد میں ایسے تنگ دست نہ ہوجائیں کہ وہ خود دوسروں کے محتاج ہوجائیں،

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت مسنون عمل ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس اگر زیادہ مال ہے تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے بشرطیکہ یہ مال حلال طریقہ سے آیا ہو، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقارب اور رشتہ داروں کا حق دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے اور ان کا حق دوسروں سے مقدم ہے۔ اور یہ کہ آدمی کو ثلث مال سے زیادہ کی دوسروں کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲)......حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ورثاء کے لئے وصیت نہیں ہے، (ابوداؤد، ترمذی)

یعنی کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مرتے وقت اس کے مال سے

جو وارث ہونے والے ہیں ان میں سے کسی خاص آدمی کے لئے وصیت کرے، اس لئے کہ ورثاء کا حق اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآن میں مقرر کر دیا ہے اس حق کے سوا اگر کسی خاص وارث کے لئے وصیت ہوگی تو دوسری ورثاء کا حق مارا جائے گا اور یہ ان دوسرے ورثاء کے ساتھ ظلم ہوگا جو جائز نہیں ہے، ہاں اپنی زندگی میں مرض الموت سے قبل اس کی ممانعت نہیں ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں ہے۔

(۳)...... بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ افضل صدقہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت صدقہ کرو کہ تم کو مال کی ضرورت ہو اور تم مال کے لئے حریص ہو، خرچ کرنے میں تم بخیل ہو مالداری کی امید رکھتے ہو اور فقر سے ڈرتے ہو اور فرمایا کہ صدقہ کرنے کو اتنا نہ ٹالو کہ تمہاری موت کا وقت آپہونچے اور موت قریب ہوتے وقت یہ کہو کہ میرا اتنا مال فلاں کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں کے لئے ہے اب تو تمہارا مال فلاں فلاں کے لئے ہو ہی گیا ہے، حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کو پیسے کی ضرورت ہے اور تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ اگر تم پیسہ خرچ کروگے تو تم کو فقر و فاقہ بھی لاحق ہو سکتا ہے یعنی تم کو حالت زندگی میں اس وقت اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا اور غرباء و مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے موت کے وقت اگر تم خرچ کرتے ہو تو اس کا تم کو زیادہ فائدہ نہیں ہوگا اس لئے کہ اب وہ مال تمہارے کام نہیں رہا ہے۔ تمہارے مرنے کے بعد اب تو وہ دوسرے کا ہو ہی گیا ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ موت کے وقت مال خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جب خود اس کو پیسہ کی ضرورت ہوتی ہے خرچ کرے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنی زندگی میں اور صحت کی حالت میں ایک درہم خرچ کرے وہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم خرچ کرے۔

بعض سلف کہا کرتے تھے کہ لوگ اپنے مال میں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں ایک مرتبہ زندگی میں کہ یہ وقت مال کے خرچ کرنے کا ہوتا ہے وہ بخل کرتے ہیں اور ایک مرتبہ موت کے وقت کہ اس وقت مال کا خرچ کرنا زیادہ مفید نہیں ہوتا ہے مگر اس موقع پر اسراف کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ موت کے وقت جو خرچ کرتا ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنا پیٹ بھرے پھر دوسروں کو کچھ دے یعنی جب اس کی ضرورت اس کو باقی نہیں رہ گئی ہے تب دوسروں کو دیتا ہے۔

(۴) بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان کو بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرنے کی بات کہتیں تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، صدقہ کر دو،

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالی صدقہ کرنا میت کو فائدہ پہونچاتا ہے، بعض روایت میں اس کی صراحت بھی ہے۔ یعنی اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کا ان کا اجر ملے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اجر ملے گا۔ یہ روایت بھی بخاری ہی میں ہے۔

میت کو مالی صدقہ کے علاوہ دوسرے اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، قرآن کی تلاوت کا ثواب پہونچتا ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اعمال کا بھی ثواب میت کو پہونچتا ہے۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (یہ شخص کافر یا یہودی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قرض لیا تھا وہ اپنا قرض مانگنے آیا تھا) اور اس نے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور حضور سے سخت کلامی کی، تو صحابہ کرام نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، تو آپ نے صحابہ کرام کو منع کیا اور فرمایا جس کا حق ہوتا ہے تو وہ تیز گفتگو بھی کرنے کا حق رکھتا ہے، (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو چاہئے کہ اگر کسی سے قرض لے اور وقت پر ادائیگی اس سے نہ ہو سکی ہو تو اگر قرض طلب کرنے والا سختی سے قرض کا مطالبہ کرے تو اس سے لڑنا جھگڑنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر صبر کرنا چاہئے، اور قرض کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہئے بلکہ اس کو کچھ مزید تحفہ تحائف کی شکل میں دے دینا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔

پانچویں قسط

محدثین کی قوت حفظ تاریخ کی روشنی میں

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ باتفاق امت فقیہ امت اور گروہ مجتہدین کے سرخیل ہیں، امت کا دو تہائی حصہ آپ ہی کی فقہ کا پیرو ہے۔ اللہ نے آپ کی فقہ کو جو قبولیت بخشی وہ کسی اور فقہ کو نصیب نہیں ہوسکی اور مذہب حنفی کا جتنا شیوع ہوا اتنا کسی اور امام کا مذہب شائع نہ ہوسکا، آپ کو تابعی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، متعدد صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے اور ان میں سے بعض سے آپ کو لقاء اور سماع حاصل رہا ہے۔ رویت صحابہؓ اور خاص طور پر حضرت انسؓ کی رویت تو مسلم ہی ہے جس کا انکار خطیب جیسے مثالب ابوحنیفہ بیان کرنے والے سے بھی نہ ہوسکا۔ امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری مقری شافعی نے ایک جزو تصنیف کیا ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ کی روایات کو جو صحابہ سے ہیں، جمع کر دیا ہے، اس میں انہوں نے حضرت امام کا یہ بیان ذکر کیا ہے،

قال ابوحنیفة لقیت من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعة وھم انس بن مالک وعبداللہ بن جزالزبیدی وجابر من عبداللہ ومعقل بن یسار وواثلة بن الاسقع وعائشه بنت عجرد .

یعنی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے میری سات صحابی سے ملاقات ہے اور وہ یہ ہیں، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن جز زبیدیؓ، جابر بن عبداللہؓ، معقل بن یسار، واثلہ بن اسقع اور عائشہ بنت عجرد (ساتواں کون تھا اس کا ذکر رہ گیا)

پھر اسی کتاب میں انہوں نے حضرت انسؓ سے تین حدیثین، ابن جز سے

ایک حدیث اور حضرت واثلہ سے دو حدیثیں اور ایک حدیث حضرت جابر اور ایک حدیث عائشہ بنت عجرد سے امام کی روایت سے ذکر ہیں، تبییض الصحیفہ میں ابن حجر کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے اس لئے کہ ان کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے اور اس وقت صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں، اور حضرت انسؓ بصرہ میں تھے، اور ان دو کے علاوہ دوسرے بلاد وامصار میں بھی صحابہ کی ایک جماعت تھی، ابن سعدؒ نے بھی طبقات میں ذکر کیا ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے، سبط ابن جوزی نے امام صاحبؒ کی صحابہ سے روایت کے بارے میں اپنی کتاب الانتصار والترجیح میں مستقل ایک باب باندھا ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے امام صاحب کو نہ صرف یہ کہ تابعین میں شمار کیا ہے بلکہ عائشہ بنت عجردؓ اور حضرت انسؓ سے ان کی روایت کو بھی اپنی مسند سے ذکر کیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں تو امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ کو متعدد بار دیکھا ہے اور سماع بھی ثابت ہے۔ مرآۃ الجنان میں رافعی نے کہا ہے کہ امام نے چار صحابہؓ کو پایا ہے۔ **کان قد ادرک اربعة من الصحابة هم انس بن مالک بالبصرة وعبدالله بن ابی اوفیٰ بالکوفة وسهل بن سعد الساعدی بالمدينة وابو الطفيل عامر بن واثلة بمكة.**

نواب صاحب بھوپالی نے بھی التاج المکلل میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے اور مرآۃ الجنان کی اس عبارت کو ثبوت میں ذکر کیا ہے مگر غلطی سے اس کی نسبت امام رافعی کے بجائے خطیب کی طرف کردی ہے۔

یہ چند باتیں امام ابوحنیفہ کی تابعیت کے سلسلہ میں نہایت اجمال سے یہاں ذکر کردی گئی ہیں، اس سلسلہ میں میں نے اپنی عربی کتاب الامام ابوحنیفۃ ومکانتہ فی الحدیث میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ نیز اپنی ایک دوسری عربی کتاب اعلام الکوفۃ میں بھی امامؒ کی تابعیت کو ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے اس کی طرف مزید معلومات کے لئے مراجعت کرنی چاہئے۔(۱)

(۱) افسوس یہ دونوں کتابیں ایک حادثہ میں طبع ہونے سے پہلے ہی ضایع ہوگئیں۔

امام ابوحنیفہ کی فقہ میں امامت وسیادت کو سب نے تسلیم کیا ہے اور امام شافعیؒ کا یہ مقولہ زبان زد خلائق ہے۔ الناس عیال فی الفقۃ علی ابی حنیفۃ یعنی لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں۔

آپ کی ذہانت، ذکاوت وفور علم اور عقل کا دنیا نے اعتراف کیا ہے اور بڑے بڑے محدثین اور فقہا نے بلند سے بلند کلمات وعبارات میں آپ کی مدح وثنا کی ہے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں...... خلف بن ایوب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ علم اللہ رب العزت سے چل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا، پھر آپ سے چل کر صحابہؓ تک آیا، پھر صحابہ سے تابعین تک اور پھر تابعین سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب تک آیا، اب جس کا جی چاہے راضی رہے یا ناراض رہے۔ داؤد طائی فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ وہ کوکب درخشاں ہیں جس کی روشنی میں چلنے والا راستہ پاتا ہے، ان کا علم ایسا علم ہے جس کو دل قبول کرتا ہے، قاضی ابوعبداللہ صمیری نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ فقہاء چار ہیں اور پہلے نمبر پر امام ابوحنیفہ کا نام لیا پھر سفیان کا پھر امام مالک کا اور پھر امام اوزاعی کا۔

مشہور بزرگ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ فقیہ آدمی تھے، فقہ میں مشہور تھے، ورع آپ کا زبان زد خلائق تھا، مالدار تھے اور جود وسخا کے سمندر تھے، حرام وحلال کا اگر کوئی مسئلہ آپ پر پیش کیا جاتا تو آپ حق کی طرف رہنمائی فرماتے۔ آپ سلاطین سے گریزاں رہتے۔ امام مسعر فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث سیکھنے میں رہے اور وہ ہم پر غالب رہے، ہم زہد وورع میں ایک ساتھ لگے وہ اس میں بھی ہم سے فوقیت لے گئے اور جب ہم طلب فقہ میں لگے تو ان کا اس میں وہ مقام ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

بعض لوگوں نے ازراہ تعصب امام کو سئی الحفیظ کہا ہے لیکن واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حفظ کی نعمت بھرپور دی گئی تھی اور آپ کا شمار حفاظ زمانہ میں تھا یزید بن ہارون جو زبردست محدث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کان

احفظ زمانہ یعنی امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ ہیں، مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ کان اعلم زمانه اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حماد بن سلیمان فرماتے ہیں کان و اللہ حسن الفهم جید الحفیظ ،یعنی واللہ امام ابوحنیفہ بہترین سمجھ والے اور عمدہ حافظہ والے تھے، قاضی ابوعبیداللہ صمیری نے حسن بن صالح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے حافظ تھے، اسرائیل محدث سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو وہ ساری حدیثیں یاد تھیں جس میں کوئی فقہی مسئلہ یا نکتہ ہوتا، خود امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں حماد کی مجلس میں بیٹھتا تھا تو اس مجلس میں جتنے مسائل بیان ہوا کرتے تھے سب کو یاد کر لیتا تھا، اسی طرح دوسرے اور تیسرے روز کے سارے مسائل میں یاد کر لیتا میرا حافظہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا اور ہمارے دوسرے ساتھی غلطیاں کیا کرتے تھے، چنانچہ استاذ کا حکم ہوا کہ میرے سامنے سوائے ابوحنیفہ کے اور کوئی نہ بیٹھے۔ عقود الجمان میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کوفہ کی ساری حدیثوں کے حافظ تھے۔ (دیکھو امام کے تفصیلی حالات کیلئے اخبار ابی حنیفہ وصاحبہ عقود الجمان، تاریخ بغداد ج ۱۳، مناقب موفق ومناقب کردری، مرأۃ الجنان، جامع بیان العلم وفضلہ)

محمد اجمل مفتاحی متو ناتھ بھنجن یوپی انڈیا

نویں قسط

داؤد راز کی تشریح بخاری

محمد ابوبکر غازی پوری

راز صاحب اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو فقیہ اعظم مجتہد مطلق وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور پھر اپنی افتاد طبع سے مجبور ہر کر دوسروں پر خصوصاً احناف اور دیوبندی جماعت کے علماء پر طنز بھی کرتے ہیں، کبھی نام لیکر اور کبھی بلا نام لئے۔ چنانچہ ایسے مواقع میں سے ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود مجتہد مطلق ہیں جامع الصحیح میں جگہ جگہ آپ نے اپنے خداداد ملکہ اجتہاد سے کام لیا ہے آپ کا سامنہ یہ نہیں ہوتا کہ ان کو کس مسلک کی موافقت کرنی ہے اور کس کی تردید ان کے سامنے صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہوتی ہے۔ پھر موجودہ دیوبندی ناشران بخاری کا کئی جگہ یہ لکھنا کہ یہاں امام بخاری نے فلاں امام کا مسلک اختیار کیا ہے بالکل غلط اور امام کی شان اجتہاد میں تنقیص ہے، (ص ۱۶۲ ج ۴)

اگر حضرت امام بخاریؒ کی یہی شان اجتہاد تھی تب تو ان کا فقہی مسلک سب سے زیادہ چالو ہونا چاہئے تھا، کہ وہ خالص کتاب وسنت والا مسلک ہے، مگر پوری دنیائے اسلام میں کہیں ایک فرد بھی امام بخاریؒ کے مسلک اور ان کے فقہی مذہب کا متبع نظر نہیں آتا، حتیٰ کہ غیر مقلدین خود امام بخاریؒ کے مذہب اور ان کے فقہی مسلک سے برگشتہ اور دل برداشتہ نظر آتے ہیں، امام بخاری کا مذہب دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ہے، مگر غیر مقلدوں کو ان کا یہ مذہب پسند نہیں، وہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو سنت جانتے ہیں، امام بخاریؒ کا مذہب سخت گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا ہے مگر غیر مقلدوں کو امام بخاریؒ کا کتاب وسنت والا یہ مسلک پسند نہیں، حضرت امام بخاری تراویح کی نماز اور تہجد کی نماز الگ الگ پڑھتے تھے مگر غیر مقلدوں کو ان کا یہ عمل پسند نہیں ان کے نزدیک تراویح کے بعد تہجد پڑھنا سنت کے

خلاف عمل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک وقت کی تین طلاق کو تین کہتے تھے مگر غیر مقلدوں کو کتاب وسنت والا یہ مذہب پسند نہیں، حضرت امام بخاری کے مذہب میں صحابہ کا قول وعمل حجت ہے، مگر غیر مقلدوں کا فرمان یہ ہے کہ صحابہ کا عمل اور ان کا قول شریعت میں کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کے مذہب میں ڈاڑھی کی مقدار ایک مشت ہے۔ اگر اس سے زیادہ ڈاڑھی ہو تو اس کا بال تراش کر ایک مشت کرلیا جائے۔ مگر غیر مقلدوں کا مذہب امام بخاریؒ کے کتاب وسنت والے اس مذہب کے خلاف ہے، ان کے نزدیک ڈاڑھی ناف تک بھی پہونچ جائے تو اس کا تراشنا حرام ہے اور سنت رسول کے خلاف ہے اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن میں غیر مقلدوں نے امام بخاریؒ کا کتاب وسنت والا مذہب چھوڑ کر اپنا خود تراشیدہ مسلک اختیار کیا ہے۔ غرض غیر مقلدوں کا حال تو یہ ہے کہ مگر امام بخاریؒ کی شان میں قوالیاں گاتے پھریں گے۔

اگر ان مسائل اور ان جیسے مسائل میں امام بخاری کا مذہب کتاب وسنت والا ہے تو یقیناً غیر مقلدوں کا مذہب کتاب وسنت والا نہیں ہے۔ اور اگر غیر مقلدین ان مسائل میں اپنے ہی مذہب کو کتاب وسنت والا سمجھتے ہیں تو یقیناً امام بخاری کا مذہب کتاب وسنت والا نہیں ہے، اب غیر مقلدین اپنے بارے میں اور امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فیصلہ فرمائیں کہ کس کا مذہب کتاب وسنت والا ہے؟

اچھا راز صاحب سے کوئی یہ پوچھے کہ "جامع الصحیح" امام بخاریؒ کی کونسی کتاب ہے اور اس کا وجود دنیا میں کہاں ہے؟ جس کو امام بخاری کی کتاب کا صحیح نام بھی نہ آتا ہو وہ اس کتاب کی احادیث کی تشریح کرنے کا شوق پالے ہوئے ہے،

راز صاحب فرماتے ہیں:

"اہل مدینہ اور امام شافعی اور احمد اور اہل حدیث سب اس کے قائل ہیں کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو مدعی سے قسم لے کر ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کردیں گے، مدعی کی قسم دوسرے گواہ

کے قائم مقام ہو جائے گی، اور یہ امر صحیح حدیث سے ثابت ہے
جس کو امام مسلم نے ابن عباس سے نکالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کیا...... اہل کوفہ جیسے امام
ابوحنیفہ اسے جائز نہیں کہتے اور صحیح حدیث کے برخلاف آیت
قرآن سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ آیت قرآن حدیث
کے برخلاف نہیں ہو سکتی۔

(ص۱۵۴ج۴)

راز صاحب کی یہ پوری عبارت جو انہوں نے نواب وحید الزماں کی کتاب
تیسر الباری سے نقل کی ہے جھوٹ بددیانتی اور خیانت اور جہالت کا بھنڈار ہے، میں
ایک ایک بات کو واضح کرتا ہوں پہلی خیانت تو یہ ہے کہ راز صاحب نے نہیں بتلایا کہ
جو حنفیہ کا مذہب ہے وہی امام بخاری کا بھی مذہب ہے اور حضرت امام بخاری نے خود
قرآن سے استدلال کیا ہے، اور اس بارے میں قاضی ابن شبرمہ اور ابوزناد کی بات
چیت نقل کی ہے ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب تھا جو امام بخاریؒ کا ہے۔

نیز حضرت امام بخاریؒ نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
شاھداک او یمینہ نقل کر کے بتلا دیا ہے کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو
گواہوں کا ہونا بتلایا ہے، اور دو گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی،

"حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس باب کے تحت لکھتے ہیں کہ اس میں امام
بخاریؒ دو چیزوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، اور دوسری چیز یہ ہے، **الثانی انہ لا یصح
القضاء بشاھد واحد ویمین المدعی واستشھا د المصنف بقصۃ ابن
شبرمۃ یشیر الی انہ اراد الثانی**، یعنی دوسری بات جو امام بخاری اس باب میں
ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنا ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے
درست نہیں ہے، اور امام بخاریؒ نے جو ابن شبرمہ کے قصہ سے استشہاد کیا ہے وہ اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام بخاریؒ کی مراد یہی دوسری بات ہے،

دیکھئے حافظ ابن حجر کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مذہب بعینہ وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے اور امام بخاریؒ نے اس بارے میں قرآن کی آیت، حدیث نبوی اور ابن شبرمہ کا جو مکالمہ ابوزناد کے ساتھ ہوا ہے ان سب سے دلیل پکڑی ہے۔ مگر راز صاحب کو امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ تو یاد آئے اور ان کو حدیث کی مخالفت سے متہم قرار دیا، مگر امام بخاری کے بارے میں راز صاحب گونگے بن گئے، غیر مقلدیت اسی کا نام ہے۔

دوسری غلط بیانی راز صاحب کی یہ ہے کہ امام مسلم کی حدیث کا تو ذکر کیا مگر امام بخاری نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا،

تیسری غلط بیانی راز صاحب کی یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ مسلم شریف والی جس حدیث کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ منقطع ہے، اس لئے کہ اس حدیث کو عمرو بن دینار حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں اور عمرو بن دینار کا سماع حضرت ابن عباس سے ثابت نہیں ہے، عمرو بن دینار اور حضرت ابن عباس کے درمیان کوئی واسطہ ہے اور واسطہ کون ہے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

چوتھی غلط بیانی راز صاحب کی یہ ہے کہ "ابن عباس کی روایت کو وہ ہر طرح کے قضا میں حجت مانتے ہیں جب کہ خود اس حدیث میں تصریح ہے کہ عمرو بن دینار فرماتے ہیں، انما ذالک فی الاموال یعنی ایک شاہد اور ایک مدعی کی قسم سے فیصلہ صرف اموال میں ہوگا، یعنی حدود میں نہیں ہوگا، مگر راز صاحب نے اس کو بالکل چھپالیا اس لئے کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ اموال اور حدود ہر طرح کے معاملات میں ایک شاہد اور مدعی کی قسم سے فیصلہ کرنا جائز ہے، یعنی مسلم شریف کی جس منقطع حدیث سے وہ حجت پکڑ رہے ہیں وہ بھی ان کے پورے کام کی نہیں ہے۔

پانچویں بے ایمانی راز صاحب کی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے

صرف قرآن سے استدلال کیا حالانکہ بخاری شریف میں وہ حدیث بھی موجود ہے جس سے امام بخاری اور امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے۔

اور چھٹی بے ایمانی راز صاحب کی یہ ہے بلکہ بدعقیدگی کہئے کہ وہ قرآن مجید کو حدیث کے تابع قرار دے رہے ہیں ان کا فرمان ہے کہ آیت قرآن حدیث کے برخلاف نہیں ہوسکتی، یہ بات کسی مسلمان اور کسی اہل علم کی زبان سے نہیں نکل سکتی، اس کلام میں صاف اشارہ ہے کہ راز صاحب کے نزدیک حدیث کا درجہ قرآن سے بڑھا ہوا ہے۔ حدیث کا درجہ قرآن سے بڑھانا یہ باطل عقیدہ ہے اور گمراہی کی بات ہے۔

راز صاحب کی بہت بڑی گمراہی یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صحیح حدیث کے خلاف آیت قرآن سے استدلال کرتے ہیں، یعنی راز صاحب کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا آیت قرآن سے استدلال کرنا عیب بن گیا، یہ بات کوئی بددین گمراہ اور جاہل ہی کہے گا، آیت قرآن سے جو استدلال کرے اس پر عیب لگانا کہ وہ قرآن سے کیوں استدلال کررہا ہے حدیث سے کیوں نہیں کرتا کتنی بڑی گمراہی کی بات ہے۔

غرض راز صاحب کی مذکورہ بات جہل، ضلالت، بددینی بے ایمانی، خیانت کا بھنڈارا ہے، اللہ تعالیٰ ان غیر مقلدوں کو عقل دے،

راز صاحب فرماتے ہیں کہ! اسلام نے ثقہ عادل گواہ کے لئے جو شرائط رکھی ہیں ایک غیر مسلم کا ان کے معیار پر اترنا ناممکن ہے (ص ۱۶۵ ج ۴) یہ ہے راز صاحب کی فہم اور ان کے علم کا عالم، راز صاحب بتلائیں کہ اسلام نے ثقہ عادل گواہ کے لئے جو شرائط رکھی ہیں وہ مسلمان کے لئے ہیں یا غیر مسلم اور کافر مشرک یہودیوں کے لئے، آپ ان شرائط کو غیر مسلم میں تلاش کررہے ہیں۔

الٹی سمجھ کسی کو ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

بخاری شریف کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد منقول ہے: فــلا

وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم یعنی لوگ مومن اس وقت ہوں گے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلاف میں حکم بنائیں، اس کے ضمن میں راز صاحب لکھتے ہیں،

آیت کریمہ سے ان مقلدین جامدین کا بھی رد ہوتا ہے جو صحیح احادیث پر اپنے ائمہ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے فیصلہ نبوی کو ٹال دیتے ہیں۔ (ص ۱۸۴)

بالکل صحیح فرمایا مگر آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ اس آیت کریمہ سے ان نام کے اہل حدیث اور غیر مقلدین کا بھی رد ہوتا ہے جو محض اپنے نام نہاد مذہب کی خاطر فرمان رسول کو ٹھکرا دیتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد ہے کہ نماز فجر اسفار میں ادا کرو اس میں ثواب زیادہ ہے مگر غیر مقلدین نے اس کو ٹھکرا دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد تیرہ رکعت ادا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخاری میں حدیث ہے مگر غیر مقلدوں نے اس حدیث کو ٹھکرا دیا، ایک غیر مقلد بھی اس پر عمل کرتا نظر نہیں آتا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز آٹھ رکعت ادا کرتے تھے تو ہر چار رکعت ہی پر بیٹھتے تھے مگر غیر مقلدوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو ٹھکرا دیا ہے، ترمذی شریف اور بخاری شریف میں حدیث ہے کہ نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک جگہ شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے، ان دونوں حدیثوں کو غیر مقلدوں نے ٹھکرا دیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو جیسا کہ مسلم شریف میں ہے اور مسلم شریف میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کچھ پڑھنا نہیں ہے، حضور کا یہ ارشاد متعدد احادیث کی کتابوں میں ہے کہ امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہے مگر ان تمام احادیث کو غیر مقلدوں نے ٹھکرایا، اگر مثال دینے پر آؤں کہ غیر مقلدوں نے

اپنے مصنوعی اور بناوٹی اور بدعتی مذہب کی خاطر کتنی حدیثوں کو ٹھکرایا ہے تو پچاسوں مثال دے سکتا ہوں، راز صاحب کو احادیث کا ٹھکرانا صرف مقلدین کے یہاں نظر آتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر ان کو نظر نہیں آتا،

راز صاحب تقلید دشمنی میں پاگلوں جیسی بات کرتے ہیں کہ مقلدین اپنے ائمہ کے اقوال کی خاطر صحیح حدیث اور فیصلہ نبوی کو ٹھکرا دیتے ہیں یعنی راز صاحب نے صرف احناف ہی کو الزام نہیں دیا بلکہ شوافع موالک اور حنابلہ سب کو ملزم بنا دیا، اور سب کو اس گھناؤنے جرم کا مجرم قرار دیا، اور ان تمام ائمہ ہدی اور ائمہ شریعت کے اقوال کو احادیث صحیحہ کے خلاف قرار دیا، گویا دنیا میں احادیث نبویہ پر عمل کرنے والا صرف ایک فرقہ ہے اور وہ فرقہ غیر مقلدین کا ہے، راز صاحب پاگلوں کی دنیا سے باہر آئیں اور اہل خرد اور عقل والوں کی دنیا میں آکر بات کریں، کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، کا یہ عمل نہیں ہوتا کہ صحیح حدیث کی موجودگی میں اپنے ائمہ کے اقوال کو صحیح حدیث پر محض ان کی تقلید کے لحاظ میں مقدم کرے، ان مقلدین پر راز صاحب کا یہ اتنا بڑا الزام ہے کہ اس کو محض لفاظی سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اس کو حقائق کی روشنی میں ثابت کرنے کے لئے راز صاحب کو دانتوں تلے چنے چبانے پڑیں گے اور آگ کے دریا سے گزرنا ہوگا، پھر بھی راز صاحب اس کو ثابت نہیں کرسکتے۔ راز صاحب جگہ جگہ اس قسم کی بات کرتے ہیں اس لئے مجھے یہاں ذرا طول کلام سے کام لینا پڑا،

بخاری شریف میں ہے باب الوصیۃ بالثلث یعنی ایک تہائی وصیت کا بیان، اسکے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن بصری کا یہ قول نقل کیا ہے وقال الحسن لا یجوز للذمی وصیۃ الا بالثلث یعنی ذمی کو ثلث سے زیادہ وصیت جائز نہیں ہے۔

راز صاحب فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اگر وارث نہ ہوں یا وارث اجازت دیں تو ثلث سے زیادہ میں بھی وصیت نافذ ہوسکتی ہے ابن بطال نے کہا کہ امام بخاریؒ نے حسن بصری کا قول لا کر حنفیہ پر رد کیا ہے، اس کے بعد راز صاحب نے

فتح الباری سے بلا ترجمہ ایک عبارت نقل کی ہے۔ اور فرماتے ہیں، عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو مذکور ہوا، ص ۲۲۱

راز صاحب مدینہ شریف میں بیٹھ کر مسجد نبوی میں کبھی ممبر کے قریب اور کبھی مواجہہ شریف کے قریب کبھی ریاض الجنۃ میں تشریف فرما ہو کر بخاری شریف کی احادیث کا ترجمہ اور تشریح کر رہے ہیں، اور دل کی گندگی کا عالم یہ ہے وہ بے ایمانی پر بے ایمانی کئے جاتے ہیں اور ان کو اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ کتنی پاک اور مقدس جگہ پر ہیں، جہاں بددیانتی کا جرم اور اس کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے، ان کی بددیانتی ملاحظہ ہو، پہلی بددیانتی یہ ہے کہ انہوں نے بلا کسی قطعی ثبوت کے ابن بطال کے حوالہ سے امام حسن بصری کے قول کو امام بخاریؒ کی طرف منسوب کر کے اس کو حنفیہ پر رد قرار دیا، معلوم نہیں کہ امام بخاریؒ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات رہی ہوگی کہ نہیں، دوسری بددیانتی انہوں نے یہ کی جس فتح الباری سے انہوں نے اس بات کو نقل کیا ہے اسی جگہ پر ابن منیر کا یہ قول بھی ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی یہ مراد نہیں ہے، راز صاحب نے ابن بطال کے قول کو تو نقل کیا مگر ابن منیر کے قول کو نقل نہیں کیا۔ تیسری بددیانتی یہ کی ہے انہوں نے ابن حجر کی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا اگر وہ ترجمہ کر دیتے تو ان کی بددیانتی کھل جاتی اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی اور چوتھی بددیانتی یہ کی کہ حافظ ابن حجر کی بلا ترجمہ عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں، عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو مذکور ہوا، حالانکہ حافظ ابن حجر کی عبارت میں صاف مذکور ہے، **وقال ابن المنیر لم یرد البخاری ھذا**، یعنی ابن بطال نے جو کہا ہے ابن منیر کہتے ہیں کہ بخاری کی یہ مراد نہیں ہے، اس دروغ گوئی، بے ایمانی اور خیانتوں کا نام ہی غیر مقلدیت ہے،

حضرت امام بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ **من بعد وصیة یوصی بھا او دین**، اس کے تحت امام بخاری جو ایک حدیث لائے ہیں اس کے بارے میں راز صاحب فرماتے ہیں، یہ حدیث کتاب العتق میں گزر چکی ہے اس کی مناسبت ترجمہ سے مشکل ہے، ص ۲۲۸ ج ۴

یہاں آکر آخر راز صاحب نے بھی ہتھیار ڈال ہی دیا اور ان کو اقرار کرنا پڑا

کہ امام بخاریؒ کا مقام اجتہاد اور شان فقہ ایسی نہیں ہے جیسا کہ پوری کتاب میں جگہ جگہ راز صاحب اعلان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

بخاری شریف میں ایک روایت ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقواماً من بنی سلیم الی بنی عامر فی سبعین یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ میں سلیم کے کچھ لوگوں کو ستر آدمیوں کے ہمراہ بنی عامر کی طرف روانہ کیا، اس روایت کو امام بخاری حفص بن حوضی سے نقل کرتے ہیں راز صاحب فرماتے ہیں،

حافظ نے کہا کہ اس میں حفص بن عمر امام بخاریؒ کے شیخ سے سہو ہو گیا ہے اور صحیح یوں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کے ایک بھائی حرام بن ملحان کو ستر آدمیوں کیساتھ بنی عامر کی طرف بھیجا تھا۔ ص ۲۶۹ ج ۴

میں پوچھتا ہوں کہ اس کا پتہ امام بخاریؒ کو چلا تھا کہ نہیں کہ ان کے شیخ سے غلطی ہو رہی ہے؟ اگر چلا تھا تو انہوں نے اپنے شیخ کو اس پر متنبہ کیوں نہیں کیا؟ اگر نہیں پتہ چلا تھا تو اس سے امام بخاریؒ کے حافظہ اور ان کی مہارت علم حدیث پر حرف آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ بخاریؒ کو پتہ تو چلا تھا مگر انہوں نے ادباً ان کو ٹوکا نہیں، تو عرض ہے کہ ایسا ادب کہاں جائز ہے کہ رسول اللہ کی حدیث میں کسی سے غلطی ہو رہی ہو اور محض کسی کے ادب کی وجہ سے یہ جانتے ہوئے کہ حدیث میں غلطی ہو رہی ہے وہ خاموش رہے، اگر امام بخاری کو پتہ تھا تو کم از کم اس حدیث کو جب انہوں نے نقل کیا تو اس کو صحیح نقل کرنا چاہئے تھا، اس کا جوں کا توں جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دینا، اس سے دو باتوں میں سے ایک کا یقیناً پتہ چلتا ہے۔ یا تو امام بخاری کو بھی اس حدیث کا صحیح علم نہیں تھا، یا صحیح علم تھا مگر ادباً انہوں نے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا۔ تو یہ انتہائی درجہ کا غیر شرعی ادب ہے اور اپنے شیخ کی بدترین تقلید،

مگر ہے کوئی غیر مقلد جو امام بخاری کی اس تقلید کے خلاف آواز بلند کرے؟

قسط چہارم

فضائل ابو حنیفہ

فتویٰ میں امام صاحب کی سوجھ بوجھ اور سوال کے فوری جواب باصواب کے بارے میں اہل علم کی شہادتیں

حضرت لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کا ذکر سنا کرتا تھا میری تمنا تھی کہ میں انہیں دیکھوں میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ ایک آدمی پر لوگ ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ میں نے سنا کہ ایک شخص ان کا نام لیکر ان کو مخاطب کر رہا تھا تو میں نے جان لیا کہ یہی امام ابوحنیفہ ہیں جنہیں دیکھنے کی مجھے تمنا تھی، وہ آدمی جس نے امام ابوحنیفہ کو مخاطب کیا تھا وہ ان سے پوچھ رہا تھا کہ میں خراسان کا رہنے والا ایک مالدار آدمی ہوں میرا ایک لڑکا ہے میں اس کی شادی کرتا رہتا ہوں اور اس کا خرچ میں ہی برداشت کرتا ہوں، لیکن وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو میرا سارا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ زرِ کثیر خرچ کر کے میں اس کیلئے باندی خریدتا ہوں تو وہ اس کو آزاد کر دیتا ہے اس مصیبت سے بچنے کی مجھے کوئی تدبیر بتلایئے۔ تو حضرت امام ابا حنیفہ نے جواب دیا کہ تم اس کو لیکر غلاموں کے بازار میں جا، جس باندی کو لڑکا پسند کر لے اس کو اپنے لئے خرید لو پھر باندی کی شادی لڑکے سے کر دو، اب اگر وہ طلاق دے گا تو باندی تمہاری کی تمہاری رہے گی اور اگر آزاد کرے گا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ باندی اس کی ملکیت میں نہیں ہے، باندی تمہاری ہوگی اس کی نہیں، حضرت لیث فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس جواب کی صحت سے مجھ کو اتنا تعجب نہیں ہوا جتنا کہ ان کے اس فوری اور بے ساختہ جواب سے تعجب ہوا۔

یزید بن کمیت شریک بن عبداللہ قاضی سے نقل کرتے ہیں کہ خاندان بن ہاشم کے ایک نوجوان کے جنازہ میں ہم لوگ تھے کوفہ کے بڑے بڑے مشائخ، شرفاء

اور اصحاب حیثیت لوگ بھی تھے۔ میں ابن شبرمہ کے بغل میں تھا انہیں کے ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک جنازہ رک گیا، لوگوں نے ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ کیا بات ہے، جنازہ بڑھ کیوں نہیں رہا؟ تو معلوم ہوا کہ میت کی والدہ آہ وبکا کرتی ہوئی چہرہ کھولے ہوئے آگئی ہے، عورت خوب صورت تھی اور اس کا اصرار تھا کہ وہ بھی جنازہ کے ساتھ ساتھ قبرستان تک جائے گی، میت کا والد اس کے اس طرح گھر سے بے پردہ نکلنے سے گھبرایا ہوا ہے، اور اس کو واپس گھر بھیجنا چاہتا ہے۔ مگر وہ جا نہیں رہی ہے، غصہ میں اس نے قسم کھالی ہے کہ اگر وہ گھر واپس نہیں جائے گی اور آگے قدم بڑھائے گی تو اس کو تین طلاق، جواباً عورت نے بھی قسم کھائی ہے کہ اگر وہ یہاں سے بلا نماز پڑھے واپس ہوتی ہے تو اس کا سارا مال صدقہ اور اس کے سارے غلام آزاد، جنازہ کے ساتھ بڑے بڑے فقہاء موجود تھے۔ انہوں نے اس مشکل سے چھٹکارا پانے کے بارے میں سوچنا شروع کیا، اس کا اس وقت کسی کے پاس حل نہیں تھا، تو لوگوں نے آواز دے کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا، وہ سر ڈھانکے ہوئے تشریف لائے، مرد اور عورت دونوں وہاں موجود تھے، حضرت امام ابوحنیفہ نے عورت سے پوچھا تو نے کس طرح قسم کھائی تو اس نے بتلایا کہ میں نے اس طرح قسم کھائی ہے۔ باپ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے یہ قسم کھائی ہے۔ تو حضرت امام ابوحنیفہ نے میت کے والد سے کہا کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، نماز کے بعد امام صاحب نے عورت سے کہا کہ تمہاری قسم پوری ہوگئی اب واپس چلی جا، اور پھر لوگوں سے کہا کہ چلو جنازہ آگے بڑھاؤ۔

حضرت امام کے اس جواب کو سب نے پسند کیا شریک سے منقول ہے کہ اس موقع پر ابن شبرمہ (جو امام صاحب کا حریف تھا) نے کہا کہ عورتیں ابوحنیفہ جیسی اولاد پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔

خارجیوں کو امام ابوحنیفہ کا مسکت جواب

حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ خارجیوں کو (جن کا مذہب

یہ تھا کہ معصیت سے انسان کافر ہو جاتا ہے) یہ بات معلوم ہوئی کہ امام ابوحنیفہ مسلمان اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے ہیں، تو انہوں نے چالیس آدمیوں کا ایک وفد ہتھیار بند امام ابوحنیفہ کو قتل کرنے کے لئے کوفہ بھیجا، وہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ان کے حلقہ درس میں پہونچا، اورانہوں نے کہا ہمیں دو مسئلوں کا جواب چاہئے ورنہ ہم آپ کو قتل کردیں گے، اور آج کا دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ ان خارجیوں نے تلوار کھینچ رکھی تھی، حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کیا تم مجھ سے سوال کرنا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم ان دو مسئلوں کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو امام نے ان سے کہا کہ تمہاری تلواروں کی چمک سے مجھے گھبراہٹ ہورہی ہے پہلے تلواروں کو میان میں کرو پھر سوال کرو، خارجیوں نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا ہم تم کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں، تب امام نے ان سے کہا اچھا اپنا سوال پوچھو انہوں نے کہا کہ تمہاری اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے شراب پی اور بدمست ہوا پھر شراب کی قئی کی اور اتنی قئے کی کہ قئے کرتے کرتے مرگیا، وہ مومن مرا یا کافر؟ اسی طرح اسی عورت کے بارے میں کیا کہتے ہو، جس نے زنا کیا اور زنا سے حاملہ ہوئی اس نے کچھ پیا اور اس کا حمل ضائع ہوا اور وہ اسی حالت میں مرگئی، وہ عورت مومنہ مری یا کافر ہوکر مری؟ امام ابوحنیفہ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مرد اور عورت یہودی تھے، خارجیوں نے کہا کہ نہیں، امام نے ان سے پوچھا کیا وہ نصرانی تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں امام نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مجوسی تھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں وہ مجوسی بھی نہیں تھے تو امام ابوحنیفہ نے ان سے پوچھا ان کا دین اور مذہب کیا تھا؟ تو خارجیوں نے کہا کہ وہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو کلمہ شہادت کی گواہی دیتے ہیں۔ تو امام ابوحنیفہ نے ان سے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ ایمان کا کلمہ ہے یا کفر کا تو انہوں نے کہا کہ ایمان کا کلمہ ہے امام صاحب نے ان سے پوچھا یہ کلمہ کتنے ایمان والا ہے آدھے یا تہائی کا یا ثلث کا تو انہوں نے کہا کہ پورے ایمان کا

کلمہ ہے تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اب تو تم لوگوں نے خود ہی ان دونوں مرد اور عورت کے ایمان کا اقرار کرلیا، تو خارجی لاجواب ہو گئے اور کہا کہ اچھا اس کو چھوڑو بتلاؤ کہ وہ دونوں اہل نار میں سے ہیں یا جنتیوں میں سے ہیں؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ان کے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو بات حضرت نوح علیہ السلام نے ان گناہ کرنے والوں سے بڑا گناہ کرنے والوں کے بارے میں کہی تھی، یعنی اپنی قوم کے بارے میں کہی تھی، **وما علمی بما کانوا یعلمون**، یعنی مجھے علم نہیں کہ وہ بعد میں کیا کرنے والے تھے، **ان حسابھم الا علی اللہ** ان کا حساب تو اللہ کے حوالہ ہے۔ **وما انا بطارد المؤمنین** ہم اپنی مجلس سے مومنوں کو دھتکارنے والے نہیں ہیں۔ اور امام نے فرمایا میں ان دونوں کے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اس قوم کے بارے میں کہی تھی جو ان دونوں سے بڑھ کر جرم کرنے والے تھے۔ **فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم**. اے اللہ جو ان میں سے میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہے اور جو میری بات نہیں مانے گا تو تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور امام نے کہا کہ میں ان دونوں کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے جرم سے بڑھ کر جرم کرنے والوں کے بارے میں کہی تھی۔ **ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم**. اللہ اگر تو ان کو عذاب دے گا پس بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دے گا تو تو بیشک غالب حکمت والا ہے۔

اور میں ان دونوں کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو بات اللہ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری، **ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ الی قولہ انی اذا لمن الظلمین** جس کا ترجمہ یہ ہے اور میں نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کا خزانہ ہے اور میں غیب نہیں جانتا ہوں اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں ان کو اللہ کوئی بھلائی نہیں دے گا

اللہ ہی ان باتوں کو خوب جاننے والا ہے، اگر میں ایسا کروں تو میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گا۔ تو ان خارجیوں نے ایک زبان ہو کر کہا تو نے ہم سب کا دل ہلکا کر دیا اللہ تمہارا دل ہلکا کرے ہم اللہ سے بخشش چاہتے ہیں ان خیالات اور بدعقیدگی سے جس پر ہم تھے، پھر وہ امام ابوحنیفہ کی مجلس سے توبہ کر کے واپس ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ کا تین مختلف ائمہ کے اقوال کے درمیان محاکمہ

اسماعیل بن محمد بن حجادۃ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں شک ہوا تو میں نے شریک بن عبداللہ سے اس کے بارے میں فتویٰ معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ تو کہہ کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا تھا اور اب اُس سے رجوع کر لیا ہے اور ہم کو اس پر گواہ بنالو، اسماعیل کہتے ہیں کہ پھر میں نے سفیان ثوری سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم کہو کہ اگر میں نے طلاق دیا تھا تو اس سے رجوع کر لیا ہے۔ پھر میں نے حضرت زفر سے اس کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ وہ تمہاری بیوی ہے جب تک کہ تمہیں یقین نہ ہو جائے کہ تم نے اس کو طلاق دیا ہے، اسماعیل کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے ان تینوں اماموں کے فتویٰ کو پیش کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ سفیان کا فتویٰ ورع کے عین مطابق ہے اور امام زفر کا جواب فقہ کے عین مطابق ہے اور رہے شریک بن عبداللہ تو ان کا جواب ایسا ہے کہ تم نے ان سے کہا کہ مجھے شک ہے کہ میرے کپڑے میں پیشاب لگا ہے کہ نہیں تو انہوں نے تم سے کہا کہ اپنے کپڑے پر پیشاب کر کے پھر اسے دھولو،

امام ابوحنیفہ کی فراست

عمر بن الولید الاغصف فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ سے علم حاصل کرنے کے لئے کوفہ کا سفر کیا مگر ان کی مجلس میں سے استفادہ کے لئے میرے

پاس اتنا علم نہیں تھا کہ میں اس سے فائدہ اٹھا سکوں تو میں حضرت امام ابو یوسف کی خدمت میں جانے لگا اور ان سے علم حاصل کرتا رہا، ایک روز میں ان کے پاس تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ تشریف لائے تو میں اپنا کپڑا سمیٹ کر اس پر بیٹھ گیا، امام ابوحنیفہ نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ بصرہ کا یہ ایک جوان ہے فقہ سیکھنے کے لئے آیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ زندہ رہا تو قاضی بنے گا، چنانچہ بعد میں واقعتہً اس نے قاضی کا عہدہ سنبھالا،

رافضی نے فتویٰ پوچھا تو امام نے اس کے مذہب کے مطابق جواب دیا

محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ ایک رافضی نے حضرت امام ابوحنیفہ سے فتویٰ پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ کے لفظ سے طلاق دیا ہے؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ تمہاری بیوی کو تین طلاق پڑ گئی، تو اس نے کہا کہ آپ اپنا فتویٰ بتلائے مگر امام ابوحنیفہ بار بار حضرت علی کا قول ہی ذکر کر رہے تھے مگر وہ رافضی مصر تھا کہ نہیں مجھے آپ کا جواب چاہئے تو امام نے کہا کہ اس کو ایک طلاق بائن پڑے گی تو اس کے مطابق اس رافضی نے عمل کیا، (۱)

امام ابوحنیفہ کا ثبات قلب اور حکمت عملی

ایک زمانہ میں کوفہ اور بصرہ میں خارجیوں کا بڑا زور تھا اور وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے تھے، اس زمانہ کا قصہ ہے جس کے راوی امام یحیٰ بن معین ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ کوفہ کی مسجد میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے تھے تو خارجیوں کی ایک جماعت آ گئی حضرت امام نے ان کو دیکھا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر جم کر رہو خارجی آئے اور ان کے سر پر کھڑے ہو کر پوچھا

---

(۱) یہاں سے دو بات معلوم ہوئی ایک حضرت امام ابوحنیفہ کی دیانت وامانت کے جو سائل کا مذہب تھا اس کے مطابق پہلے انہوں نے جواب دیا اور اس کو بار بار دہراتے رہے، دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خواہش نفس پر عمل کرنے والے اپنی خواہش کو پوری کرنے کے لئے اگر ان کا مذہب ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا ہے تو اپنا مذہب چھوڑ دیتے ہیں،

کہ تم لوگ کون ہو؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ہم لوگ پناہ لینے والے ہیں (نحن مستجیران) تو خارجیوں کے امیر نے کہا کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان کو ان کے امن کی جگہ پہونچا دو، اور ان کو قرآن پڑھ کر سناؤ، چنانچہ ان خارجیوں نے قرآن پڑھا اور ان کے امن کی جگہ تک پہونچا دیا۔ (۱)

حضرت امام ابوحنیفہ کی شان میں ان کے شاگرد اور حضرت امام بخاری کے استاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے مدحیہ اشعار

شداد بن حکیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے سنا جو حضرت امام ابوحنیفہ کی مدح وتوصیف میں ہیں۔

(۱) رأیت ابا حنیفة کل یوم — یزید نبالة ویزید خیرا
(۲) وینطق بالصواب ویصطفیه — واذا ماقال اهل الجور جورا
(۳) یقاس من یقاسیه بلب — فمن ذا تجعلون له نظیرا
(۴) کفانا فقد حماد وکانت — مصیبتنا به امرا کبیرا
(۵) فرد شماتة الاعداء عنا — وافشی بعده علما کثیرا
(۶) رأیت ابا حنیفة حین یوتی — ویطلب علمه بحرا غزیرا
(۷) اذا ما المعضلات تدافعتها — رجال العلم کان بها بصیرا

(۱) میں نے حضرت امام ابوحنیفہ کو ہر روز بلندی مرتبہ اور خیر و بھلائی میں بڑھتے ہوئے دیکھا۔

(۲) جب ناحق والے ناحق بات کہتے ہیں تو وہ درست اور چنا ہوا کلام کرتے ہیں

(۳) جب کوئی ان سے قیاس میں مقابلہ کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ تو عقل اور سمجھ بوجھ سے قیاس کرتے ہیں تو تم کس کو ان کا مقابل جانو گے،

---

(۱) خارجی قرآن کے خلاف کرنے کو کفر سمجھتے تھے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ نے قرآن پاک کی آیت کریمہ کا سہارا لے کر ان کی مصیبت سے نجات حاصل کی، آیت کریمہ یہ ہے، وان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مامنه ، یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو تم اس کو پناہ دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہونچا دو

(۴) جب حضرت حماد کا انتقال ہوا تو ان کی وفات ہمارے لئے بڑی مصیبت تھی مگر حضرت ابوحنیفہ ہمارے لئے ان کی جگہ کو کافی ہو گئے۔

(۵) حضرت حماد کا جب انتقال ہوا تو دشمن خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ چلو حنفیوں کا ایک بڑا امام چلا گیا، ابوحنیفہ نے ان کی خوشیوں کو ان کی جگہ پر کر کے ختم کر دیا اور ان کے بعد خوب علم پھیلایا۔

(۶) جب اہل علم کو مشکل مسائل پریشانی میں ڈالتے ہیں تو امام ابوحنیفہ (کو دیکھا کہ) وہ ان مسائل میں صاحب بصیرت اور ان کے خوب واقف کار تھے۔

ایک خارجی کو حضرت عائشہ پر اعتراض کا جواب

ایک آدمی نے کہا کہ فلاں خارجی شخص حضرت عائشہ پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ وہ غیر محرم کے ساتھ سفر کیا کرتی تھیں تو حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اسے کیا معلوم کہ مسئلہ کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین تھیں اس لئے ہر مسلمان کے لئے وہ محرم تھیں،

ایک بچہ کی امام ابوحنیفہ نے جان بچائی

حضرت امام زفر فرماتے ہیں کہ میں ایک روز امام ابوحنیفہ کے پاس تھا کہ ان کا ایک پڑوسی ان کے پاس آیا اور کہا کہ ایک عورت مرگئی ہے اور اس کے پیٹ میں ایک بچہ ہے جو حرکت کر رہا ہے؟ تو امام ابوحنیفہ نے کہا کہ فوراً اس عورت کے پاس جاؤ اور اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لو تو لوگوں نے ایسا ہی کیا اور بچہ کو زندہ ماں کے پیٹ سے نکال لیا، امام زفر فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کی مجلس میں ایک روز تھا تو اسی بچہ کو لے کر لوگ امام کی خدمت میں آئے، میں نے دیکھا کہ اس کے کان میں ایک بالی لٹک رہی تھی، لوگوں نے کہا کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کی ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا تھا،

امام ابوحنیفہ کی دور اندیش اور فقہی بصیرت سے ایک مشکل حل ہوگئی

ابومحمد العقیلی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ کوفہ میں تھا، دو بھائیوں کی شادی کے

ولیمہ میں شریک تھا، اور لوگ بھی تھے جن میں قاضی ابن شبرمہ، قاضی ابولیلیٰ، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام زفر جیسے ائمہ فقہ وحدیث موجود تھے، ان اماموں کے ساتھ ان کے شاگرد اور دوسرے لوگ بھی تھے، دستر خوان لگایا گیا اور کھانا چن دیا گیا کہ دیکھا گیا کہ لوگوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں، اور سب خوف زدہ اور حیران ہیں، معلوم ہوا کہ صاحب خانہ کے گھر میں سخت غلطی ہوگئی، ہر ایک بھائی کی بیوی دوسرے بھائی کے پاس کر دی گئی ہے اور ان بھائیوں نے ان سے صحبت بھی کرلی ہے، حضرت سفیان سے لوگوں نے صورت حال عرض کی تو انہوں نے کہا کہ ان دونوں عورتوں کی مہر واجب ہوگئی ہے اور وہ عورتیں تین حیض عدت گزار کر اپنے اپنے شوہر کے پاس جائیں گی، لوگوں کو حضرت سفیان کی بات پسند نہیں آئی، دوسروں کے پاس لوگ گئے تو انہوں نے کیا کہا مجھے معلوم نہیں کہ اس کا حل کیا ہے پھر امام صاحب کے پاس آکر لوگوں نے صورت حال ان سے ذکر کی تو امام صاحب نے دونوں لڑکوں کو بلا کر ان سے تنہا تنہا پوچھا کہ کیا انہوں نے جس عورت کے ساتھ رات گذاری ہے وہ اس عورت سے راضی ہیں؟ تو دونوں نے جواب دیا کہ ہاں ہم ان سے راضی ہیں تو امام صاحب نے دونوں سے کہا کہ تم اپنی بیویوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا ہے طلاق دیدو پھر ان دونوں کا ان عورتوں سے نکاح کرادیا جن کے ساتھ دونوں لڑکوں نےصحبت کی تھی، امام ابوحنیفہ کے اس قول سے سب گھر والے راضی ہوگئے۔ اور نعرہ تکبیر بلند ہوا اور سب نے ماحضر تناول کیا۔ عورتوں کی مہر بھی بڑھ گئی، یعنی ڈھائی گنا ہوگئی، آدھی مہر دخول سے قبل نکاح کی اور ایک پوری مہر صحبت کی اور ایک پوری مہر نکاح والی۔

محمد اجمل مفتاحی

گمراہی کی بات

محمد ابوبکر غازی پوری

مکرمی حضرت مولانا غازی پوری صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاج اقدس

حضرت والا ہمارے یہاں بعض غیر مقلدین اور کچھ جماعت اسلامی یعنی مودودی جماعت کے لوگ ہیں، ان سے جب بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا یہ بات بخاری شریف میں ہے اور بعض لوگ بخاری کے ساتھ مسلم کا بھی نام لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ بات صحیحین میں ہے؟ ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی کتاب کی صحیح حدیث کو بھی قبول نہیں کرتے۔ براہ کرم فرمائیں ان کا یہ مطالبہ کس حد تک شرعی اور جائز ہے۔

محمد مسلم ابن محسن، مہاراشٹر اورنگ آباد

زمزم برادرم، اگر آپ کے علاقہ میں اس طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں تو ان کی گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی مثال اسلام کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، یہ منکرین حدیث کی ایک نئی جماعت ہے، یہ گمراہ لوگ آپ ہی کے یہاں نہیں ہیں اب تو غیر مقلدین کی دعوت وتبلیغ سے اس طرح کے لوگ جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ گمراہی عوام سے تجاوز کر کے بعض اہل علم تک پہونچ چکی ہے۔ آپ کا خط آنے سے پہلے مجھے بذریعہ فون مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے ایک قاسمی مولانا کے بارے میں معلوم ہوا جن کی شہرت مودودی جماعت میں خاص ہے اور کچھ کتابوں کے مصنف بھی ہیں، تقریر بھی بڑی شاندار کرتے یں، سمیناروں میں ان کا لکچر بھی بڑا زوردار ہوتا ہے۔ یہ حضرت بھی اسی بیماری کے مریض ہیں کہ بخاری ومسلم میں جو حدیث ہوگی انہیں کو مانیں گے، تو جب اس قسم کی باتیں مولانا قسم کے لوگ کریں گے تو عوام تو بہرحال عوام ہیں، بہرحال آپ یقین کریں کہ اس قسم کی باتیں کرنے والا کوئی

بھی ہو، وہ شخص خود بھی گمراہ بددین اور شریعت سے جاہل منکرین حدیث کے گروہ کا آدمی ہے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہی میں مبتلا کرنے والا ہے، کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے والے امام ترمذی نہیں تھے، ترمذی شریف حدیث کی کتاب نہیں ہے۔ امام نسائی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ ان کا شمار ائمہ حدیث میں سے نہیں ہے؟ کیا یہ کتابیں احادیث کی کتابیں نہیں ہیں، امام بخاری کے استاذ حمیدی کی کتاب مسند حمیدی اور ان کے دوسرے استاذ ابن ابی شیبہ کی مشہور زمانہ کتاب مصنف ابن ابی شیبہ، امام طحاوی کی کتاب طحاوی شریف، اور اس کے علاوہ ائمہ حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں کیا ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ نہیں ہیں، امام بخاری اور امام مسلم کے استاذوں کے استاذ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کی نہایت معتبر اور بخاری و مسلم سے بھی اقدم کتاب مؤطا امام مالک حدیث کی کتاب نہیں ہے، ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث کی کتابیں ہیں جن پر ہر زمانہ کے علماء فقہ وحدیث کا اعتماد رہا ہے ان کتابوں کا انکار کرنا اور ان کی احادیث سے اعراض کرنا نئے زمانہ کا فتنہ ہے، جو غیر مقلدیت اور مودودیت کی برکت سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ اس فتنہ اور اس ضلالت سے مسلمان کو محفوظ رکھے، ان صاحبوں سے آپ پوچھئے کہ پوری اسلام کی تاریخ میں کسی ایک محدث یا فقیہ یا کسی معتبر عالم کا وہ نام لیں جس کی یہ دعوت رہی ہو کہ بخاری و مسلم کے علاوہ کسی اور کتاب کی حدیث کو نہیں لیا جائے گا، ان گمراہوں نے بخاری و مسلم کے علاوہ ان تمام محدثین اور ان کی کتابوں پر سے اعتماد اٹھا دیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہزار ہا ہزار احادیث کا انکار کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا ہے۔ یہ شیطانی گروہ کے لوگ ہیں ان جیسے لوگوں پر ہر دن دس بار لاحول پڑھئے اور ان سے سوال وجواب بند کر دیجئے۔

غیر مقلدین علماء نے فقہی مسائل پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان کی کون سی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے کیا اس میں صرف بخاری کا حوالہ ہے؟ یا دوسری کتابوں سے

بھی استدلال کیا گیا ہے؟ مودودی صاحب کی کتابیں آپ دیکھیں، کیا مودودی صاحب اپنی کتابوں میں صرف بخاری ومسلم کا حوالہ دیتے ہیں۔ غیر مقلدوں یا جماعت اسلامی کے حلقوں میں یہ نیا طبقہ جو پیدا ہو گیا ہے یہ اپنے کو اپنے علماء سے بھی زیادہ قابل سمجھتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو ان کے بڑوں کو بھی کبھی نہیں سوجھی،

آپ ایک بات اور یاد رکھیں جس طرح سے شاذ مسائل میں کسی کی اتباع جائز نہیں ہے اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح سے شاذ قول میں بھی کسی کی اتباع جائز نہیں ہے اور گمراہی کی بات ہے اور یہ بات کہ ہم صرف بخاری ومسلم شریف کی حدیث کو لیں گے اور اسی کو مانیں گے کسی اور کتاب کی حدیث کو نہیں مانیں گے یہ تو شاذ بات بھی نہیں ہے یہ تو ان گمراہوں کو راہ مستقیم سے دور کرنے کے لئے شیطان نے ایک بالکل نئی بات بجھائی ہے، آج سے پہلے کبھی کسی مسلمان کی زبان سے یہ بات نہیں نکلی نہ کسی عالم نے اس کو لکھا، بلکہ علماء نے تو یہ تصریح کی ہے کہ شاذ مسائل میں کسی کی تقلید کرنا شدید تر گمراہی ہے، خواہ اس کا ثبوت کسی طرح پر ہوتا ہی کیوں نہ ہو، اللہ رحمتوں کی بارش فرمائے ہمارے اسلاف کرام پر انہوں نے ہمیں اس طرح کے فتنوں اور گمراہیوں سے پہلے آگاہ کر دیا تھا کہ ہم آگاہ رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ تین باتیں گمراہ کرنے والی ہیں، گمراہی کی دعوت دینے والے پیشوا، اور قرآن کا نام لے کر بحث کرنے والا منافق اور عالم کی لغزش، اور ابوالحسین کرابیسی فرماتے تھے ایک عالم کی غلط بات سے اسلام کو اتنا نقصان پہونچتا ہے جتنا کہ ایک ہزار جاہل کی لغزش سے نہیں پہونچتا، اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو کسی عالم کی نادر نادر باتوں کو لیتا ہے، وہ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور سلیمان تیمی فرماتے تھے کہ ایسے شخص میں پورا شر جمع ہو جاتا ہے، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی اجماعی بات ہے کہ میرے علم میں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور حضرت معاویہ بن قرہ فرماتے تھے کہ وایاک والشاذ من العلم یعنی علم کی جو شاذ باتیں ہیں یعنی جن پر اہل علم کا عمل نہیں ہے اس سے بچو، اور ابن ابی عبلہ فرماتے تھے کہ جو شاذ باتوں کے پیچھے رہا وہ گمراہ ہوا، اور قاضی

اسماعیل بن اسحٰق ایسے شخص کو زندیق کہتے تھے۔

ایک بات اور یاد رکھئے کہ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو یعنی دونوں میں دو طرح کی بات ہو مثلاً ایک حدیث بخاری کی ہے اس میں کچھ اور بات ہے اور ایک حدیث، حدیث کی دوسری کتاب میں ہے اس میں کچھ اور بات ہے تو فوراً یہ فیصلہ کرنا کہ ہم بخاری کی حدیث لیں گے اور دوسری کتاب کی حدیث کو اگر چہ وہ حدیث بھی صحیح ہی کیوں نہ ہو اس کو چھوڑ دیں گے یہ اہل علم کی بات نہیں ہے یہ جاہلوں کی سوچ ہے، دو الگ الگ حکموں والی حدیثوں میں سے کس کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے، یہ طے کرنے سے پہلے بہت سی باتوں کو دیکھا جاتا ہے جس کو محدثین نے تفصیل سے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ نکت علی ابن الصلاح میں امام حافظ اعراقی نے ترجیح کے اسباب ایک سو دس ذکر کئے ہیں، اور ایک سو دو نمبر پر ترجیح کا سبب جو ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث کو دوسری کتابوں کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔ اب جاہل قسم کے لوگ اس زمانہ میں نئے نئے محدث بنے ہیں کہ جو چیز ایک سو ایک نمبر کے بعد کی تھی اس کو پہلے ہی نمبر پر انہوں نے رکھ دیا ہے اور کھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم بخاری و مسلم کی مانیں گے اور بس، اگر یہ بات کوئی عام آدمی کہے تو اس پر تعجب نہیں مگر اب جب یہ بات پڑھے لکھے لوگ کہنے لگیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ گمراہی کہاں سے کہاں تک پہونچ گئی ہے، علامہ شوکانی غیر مقلدوں کے بڑے امام ہیں ان کی ارشاد الفحول نام کی مشہور اور اہل علم میں بہت مقبول کتاب ہے۔ انہوں نے بھی دو الگ الگ حدیثوں میں سے کب کس کو ترجیح دی جائے گی تو انہوں نے اکتالیسویں نمبر پر یہ کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث غیر صحیحین کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ اور امام شوکانی کی یہ بات سند کے سلسلہ میں ہے یعنی سنداً بھی بخاری و مسلم کی احادیث کے راجح ہونے کا درجہ اکتالیسواں ہے۔

آپ اندازہ لگاؤ کہ محدثین کیا کہہ رہے ہیں اور غیر مقلدین کا موجودہ گمراہ طبقہ کیا کہہ رہا ہے؟

غیر مقلدین اور علی گڈھ کے قاسمی مولوی صاحب جیسے لوگ جن کو فن حدیث

کی ہوا بھی نہیں لگی ہے عوام کو حدیث پر عمل کرنے سے بہکانے اور ضلالت کے راستہ پر چلانے کے لئے ایک اور چال چلتے ہیں کہ جب کوئی حدیث ان کے مطلب کے خلاف ہوتی ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ان بیچاروں کو صرف ضعیف حدیث کا نام یاد ہے، اور عوام کو بھڑکانے کا یہ ان کا بہت بڑا ہتھیار ہے یہ بیچارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عاشقوں میں سے ہیں ان سے آپ پوچھیں کہ اگر ضعیف حدیث ایسا ہی شجر ممنوعہ ہے تو امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد کو ضعیف احادیث سے کیوں بھر رکھا ہے، امام بخاری کا مشہور رسالہ جزء القرأت خلف الامام اور جزء رفع یدین ان دونوں رسالوں میں دسیوں حدیث ضعیف ہے۔ جزء القرأت کی پہلی ہی حدیث ضعیف ہے۔ امام ترمذی کی کتاب کو دیکھو اس میں کتنی ضعیف احادیث ہیں اس طرح دوسری احادیث کی کتابیں ہیں سب میں ضعیف حدیثیں ہیں اور ان محدثین کو ان کا ضعیف ہونا معلوم بھی ہے اس کے باوجود ان محدثین نے ان کا اعتبار کیا اور اپنی کتابوں میں ذکر کیا ان سے مسئلوں کا استنباط کیا، اور ان کتابوں پر ہر زمانہ کے علماء نے اعتبار کیا، اور یہ کتابیں اسلامی تراث کا ایک قابل فخر علمی سرمایہ سمجھی گئیں،

حضرت امام ترمذی اپنی کتاب میں ایک حدیث کو ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہے پھر فرماتے ہیں کہ اسی حدیث پر صحابہ کرام اور تابعین اور اہل علم یعنی فقہاء اور محدثین کا عمل ہے۔ یہ بات وہ جگہ جگہ فرماتے ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور فقہاء اور محدثین تو ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے۔ نہ شرمائیں مگر غیر مقلدوں کا گروہ ان اسلاف کرام سے بھی بڑھ کر دین کا شیدائی ہے کہ اس کو ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے شرم آتی ہے اور گریز ہوتا ہے۔ (اس مضمون میں شیخ محمد عوامہ کی کتاب اثر الحدیث فی اختلاف الائمہ والفقہاء سے مدد لی گئی ہے۔

والسلام

محمد ابوبکر غازی پوری

یہ تحریر ایک ہی نشست میں ۲۵ رمضان دو بجے شب ۱۴۳۲ھ میں پوری ہوئی

کیا حضرت امام بخاریؒ نے مسئلہ قراءت خلف الامام والی حدیث ناقص ذکر کی ہے؟

محمد ابوبکر غازیپوری

مولانائے مکرم زادمجدکم وقاکم اللہ شر الحسود وجعلکم فی غایۃ الصحۃ امابعد!

حضرت والا میں اور میرے بہت سے اصحاب آپ کے بے انتہا مشکور ہیں، آپ کی کتابوں نے اور آپ کے رسالہ زمزم نے ہم لوگوں کو گمراہیوں کے دلدل سے نکالا، یہاں کریم نگر میں غیر مقلدوں کے بہکاوے میں آکر ہم لوگ فقہ حنفی کی طرف سے وسوسوں میں پڑ گئے تھے، مگر مولانا محمد معصوم ثاقب صاحب کی توجہ سے ہم لوگوں نے آپ کی کتابوں اور زمزم کا مطالعہ شروع کیا تو سارے وسوسے کافور ہو گئے اور فقہ حنفی کی حقانیت کا کامل یقین ہو گیا،

حضرت والا کے کسی مضمون یا کسی کتاب میں ہم نے پڑھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت خلف الامام والی مشہور حدیث کو ناقص ذکر کیا ہے، براہ کرم اس کی مزید وضاحت فرمادیں،

عبدالحق رشادی قاسمی، کریم نگر

مخدوم مکرم! خدا کا شکر ہے کہ میری کتابوں اور زمزم کے مطالعہ سے آپ حضرات کو فائدہ پہونچا، مجھ سے جو کام ہو رہا ہے یہ محض اللہ کی توفیق ہے، میرا اپنا معاملہ تو یہ ہے کہ نہ علم، نہ فہم، نہ مطالعہ نہ صحت وتندرستی، سکون سے لکھنے کا موقع بھی نہیں ملتا،

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری بخاری شریف میں ایک بھی ایسی روایت نہیں پیش کی ہے جس سے صراحتاً معلوم ہو کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی

تلاوت کرنی واجب ہے۔ بخاری میں انہوں نے اس سلسلہ کا جو باب باندھا ہے خود اس باب میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اور اس باب کے تحت انہوں نے جو تین حدیثیں ذکر کی ہیں ان تینوں میں سے کسی حدیث میں صراحتاً مقتدی کا بیان نہیں ہے۔

پہلے آپ ان تینوں حدیثوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں (جن کو اصل عربی دیکھنا ہو بخاری دیکھ لیں) پہلی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حضرت سعد کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ وہ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھاتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معزول کر کے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاکم بنا کر کوفہ بھیجدیا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس بلالیا اور ان سے کہا کہ کوفہ والے آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھاتے ہیں؟ تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کو بغیر کسی کمی وزیادتی کے وہی نماز پڑھاتا رہا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ عشاء کی نماز ان کو اس طرح پڑھاتا تھا کہ پہلی رکعت کچھ طویل کرتا تھا اور دوسری دو رکعت میں قراءت ہلکی کرتا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے بارے میں ہمارا یہی گمان ہے، پھر کوفہ والوں کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کی تصدیق کرائی تو سب نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کی تصدیق کی اور ان کی تعریف کی ایک شخص نے البتہ ان کے بارے میں کہا کہ یہ مال کی تقسیم کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں اور نہ فیصلے میں انصاف برتتے ہیں تو حضرت سعد نے اس کے لئے بددعا کی اے اللہ اگر یہ شخص محض شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ بات کہتا ہے تو اس کی عمر زیادہ کردے اور اس کا فقر طویل کردے اور فتنوں میں اس کو مبتلا کردے چنانچہ یہ تینوں بددعائیں اس کو لگیں اور وہ کہتا پھرتا تھا کہ مجھے سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔

اس پوری حدیث میں آپ دیکھیں کہیں بھی مقتدی یا سورہ فاتحہ کا ذکر ہے؟

اگر ذکر ہے تو امام کا اور امام کے قراءت کرنے کا، یعنی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نماز پڑھاتے تھے تو عشاء کی پہلی دو رکعت کچھ طویل اور دوسری دو رکعت کچھ ہلکی کرتے تھے اس کا ذکر ہے،

دوسری روایت مشہور حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ کی قراءت نہیں کی، یہ مجمل حدیث ہے نہ اس میں امام کا ذکر ہے نہ مقتدی کا ذکر ہے اور نہ منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کا ذکر ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محض اپنی رائے اور اپنے قیاس سے اس کو عام کر کے امام مقتدی اور منفرد اور سری اور جہری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دے رہے ہیں جب کہ اس حدیث میں ان باتوں کا دور دور کہیں نشان و پتہ نہیں ہے۔

بخاری شریف کی اس باب کے تحت تیسری روایت یہ ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے دو رکعت نماز جلدی جلدی پڑھی تو آپ نے اس سے کہا کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو، پھر اس نے پہلے ہی جیسی جلدی جلدی نماز پڑھی تو آپ نے پھر اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں اس سے اچھی نماز پڑھنا نہیں جانتا آپ مجھے نماز سکھلا دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر آسانی سے جو تمہیں قرآن یاد ہو اس کو پڑھو، پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر اطمینان سے رکوع سے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اطمیان سے سجدہ سے سر اٹھاؤ، پھر اسی طرح نماز پوری کرو،

اس حدیث میں نہ ذکر امام کا ہے نہ مقتدی کا نہ سورہ فاتحہ کا نہ سری نماز کا نہ جہری نماز کا، اس حدیث میں اگر ذکر ہے تو منفرہ کا ذکر ہے، مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی خداداد فقہی بصیرت سے اس حدیث سے مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا

مسئلہ کشید کررہے ہیں اگر فقہی بصیرت اسی کا نام ہے تو قربان جایئے اس فقہی بصیرت پر،

اب رہا یہ کہ ہم نے کہیں یہ لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ والی حدیث کو ناقص ذکر کیا ہے تو یہ یاد تو نہیں ہے کہ میں نے کہاں لکھا ہے، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کا ایک حصہ جس سے ان کے مذہب پر زد پڑ رہی تھی اس کو حذف کر دیا ہے، اب اس حصہ کو حذف کرنے کی کوئی بھی وجہ رہی ہو مگر ایک حصہ کو حذف ضرور کیا ہے، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حصہ کو بھی ذکر کر دیتے تو معاملہ صاف ہو جاتا کہ اس حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق مقتدی سے بالکل نہیں ہے بلکہ امام اور منفرد سے ہے۔

میں ناظرین کرام کی دیدہ عبرت وا کرنے کے لئے نسائی شریف اور مسلم شریف سے پوری حدیث ذکر کرتا ہوں۔

نسائی کی پوری حدیث یہ ہے، **عن محمود بن الربیع عن عبادہ بن الصامت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً**، بخاری شریف میں خط کشید لفظ یعنی فصاعداً کا لفظ نہیں ہے، اس پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ محمود بن ربیع حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ اور کچھ مزید نہ پڑھے، یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید بھی پڑھنا ہے، یعنی سورت یا قرآن کا کوئی حصہ ملانے کے بعد ہی کامل نماز ہوگی۔ اور یہ بات امام اور منفرد کے لئے ہے، نہ کہ مقتدی کے لئے، غیر مقلدین یا امام بخاری امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ مقتدی امام کے پیچھے صرف سورہ فاتحہ پڑھے گا، اس کی کوئی دلیل نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ میں ہے اور نہ کسی صحیح اور صریح حدیث میں ہے۔ بہر حال آپ نے دیکھا کہ پوری حدیث کیا ہے اور امام بخاری نے کتنی حدیث ذکر کی ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مستمر عادت ہے کہ حدیث میں وہ کاٹ چھانٹ بہت کرتے ہیں، اس کی وجہ سے حدیث کا مفہوم کبھی کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث حضرت ابو عبادہ میں آپ نے دیکھا کہ حدیث کا ایک ٹکڑا حذف کر دیا ہے اور اس حدیث کو جو امام اور مقتدی کے بارے میں تھی اپنے مطلب کی بنانے کی کوشش کی ہے، اور اس سے بھی زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عطا بن یسار کی یہ حدیث ذکر کی ہے، **عن عطاء بن یسار انه سأل زید بن ثابت رضی الله عنه فزعم انه قرأ علی النبی صلی الله علیه وسلم والنجم فلم یسجد فیها**، یعنی حضرت عطا بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورہ والنجم کی تلاوت کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت نہیں کیا تھا،

اس حدیث شریف میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عطاء نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جو بات پوچھی تھی حضرت امام بخاریؒ اس کو اڑا لے گئے اور اس حدیث کو صرف سجدہ تلاوت سے متعلق کر دیا کہ سورہ والنجم میں جو آیت سجدہ ہے اس کے پڑھنے پر سجدہ نہیں کیا جائے گا، حضرت امام بخاری نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ حضرت عطاء نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا تھا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب یہ تھا **لاقرأة مع الامام فی شئی** یعنی امام کے ساتھ کچھ بھی قرأت نہیں کی جائے گی، چونکہ حضرت زید بن ثابت کا یہ جواب حضرت امام بخاری کے مزعوم مذہب کے خلاف تھا، اس وجہ سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امیر المؤمنین فی الحدیث نے حدیث شریف سے اس سوال و جواب ہی کو حذف کر دیا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ایسی حرکت کی جائے۔

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں کوئی یہ نہ سمجھے کہ اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں بلکہ

امام بخاری کے سب سے بڑے حمایتی حافظ ابن حجر نے بھی اس کو محسوس کیا ہے کہ حضرت امام بخاری کا اس حدیث سے اصل سوال وجواب کو حذف کر دینا اپنے مذہب کی رعایت میں ہوا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

جس بات کے بارے میں حضرت عطاء نے سوال کیا تھا امام بخاری نے اس کو حذف کر دیا اور ظاہر یہ کیا کہ سوال سورہ والنجم کے سجدہ کے بارے میں تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے، مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عطاء نے کہا کہ میں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ **لا قراءة مع الامام فی شئی** یعنی امام کے ساتھ رہ کر کچھ نہیں پڑھنا ہے۔

اس کے بعد حضرت زید نے سورہ والنجم میں سجدہ نہ کرنے کی بات کہی تھی، امام بخاری نے سوال وجواب کو یا تو اس لئے حذف کر دیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ قرأت خلف الامام کے بارے میں ان کے مذہب کے خلاف تھا۔ **ولانہ یخالف زید بن ثابت فی ترک القرءة خلف الامام**۔ (ص ۵۵۵ ج دوم فتح الباری)

خدا کی قسم میں تو شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں جب یہ دیکھتا ہوں کہ امام بخاری جیسا محدث محض اپنی بات کی رعایت میں اور اپنے مذہب کی پاسداری میں حدیث میں اس طرح کی کانٹ چھانٹ کر کے اصل بات کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے، اور اس کو اس کا خیال نہیں رہتا کہ کسی کی بات میں کتر بیونت کرنا اور اس کے اصل مفہوم کو مسخ کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا بڑی سخت خطرناک قسم کی خیانت ہے۔ یہ تو کسی عام آدمی کی بات میں بھی جائز نہیں ہے، یہاں تو معاملہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے!

بات دور جا پڑی آپ کا سوال تھا کہ کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت والی حدیث کو ناقص ذکر کیا ہے تو اس کا جواب آپ کو معلوم ہو گیا کہ امام نسائی نے جو اس حدیث کو اسی سند سے ذکر کیا ہے اس میں فصاعداً کا لفظ بھی ذکر کیا

ہے، جس کو امام بخاری نے محض اپنے مذہب کی رعایت میں حذف کردیا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو فصاعداً کی زیاد کے ساتھ ذکر کیا ہے، امام مسلم فرماتے ہیں: **حدثناه اسحق بن ابراهيم وعبد بن حميد قالا اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهري بهذا الاسناد مثله وزاد فصاعداً.**

یعنی حضرت عبادہ بن صامت والی حدیث میں جو معمر عن الزہری کے طریق سے اسی سند سے ہے، اس میں فصاعداً کا بھی لفظ ہے۔ اور یہی حدیث ابو داؤد میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے ہے۔ اس میں بھی فصاعداً کا لفظ ہے۔ ابن عیینہ نے تو ابو داؤد شریف میں یہ بھی صاف صاف کہہ دیا ہے کہ **هذا لمن صلى وحده** کہ اس حدیث کا تعلق تنہا نماز پڑھنے والوں سے ہے یہی حدیث ابن ماجہ میں بھی اسی زیادتی کے ساتھ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذوں کے استاذ تو پوری حدیث ذکر کریں اور یہ فرمائیں کہ اس حدیث کا تعلق تنہا نماز پڑھنے والوں سے ہے اور امام بخاری حدیث ناقص ذکر کر کے یہ فرمائیں کہ اس کا تعلق مقتدی سے ہے جب کہ حدیث عبادہ میں اس بات کا دور دور بھی نشان و پتہ نہیں ہے، ترمذی شریف میں اس حدیث کی شرح میں حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رسول تو یہ فرمائیں کہ امام کے پیچھے جو نماز پڑھتا ہے اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرمائیں، مگر امام بخاری کسی کی نہ سنیں، سوال یہ ہے کہ امام بخاری کی بات کی حیثیت صحابی رسول کے مقابلہ میں کیا ہے؟ حدیث کا معنی اور مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا صحابی رسول زیادہ جانے گا کہ امام بخاری جن کو تابعی ہونے بلکہ تبع وتابعی ہونے کا بھی شرف حاصل نہیں ہے؟ کسی حدیث کا معنی اور مطلب حضرت سفیان بن عیینہ جو بیان

فرمائیں گے جو امام بخاری کے استادوں کے استاد ہیں وہ قابل قبول ہوگا۔ جو خود حدیث کے راوی ہیں یا امام بخاری جو معنی بیان فرمائیں گے وہ قابل اعتبار ہوگا؟ جب کہ محدثین تصریح فرماتے ہیں کہ حدیث کا معنی حدیث کا راوی زیادہ جانتا ہے۔

اب آخر میں ایک بات اور عرض کر کے میں اپنی بات ختم کرتا ہوں اور وہ یہ کہ کہا جاتا ہے کہ امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیث یاد تھی، تعجب ہے کہ امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیث یاد تھی اس کے باوجود ایک حدیث بھی صریح ان کو نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی ہر نماز میں واجب اور ضروری ہے، خواہ وہ نماز سری ہو یا جہری اور تعجب ہے کہ انہوں نے جو قراءت خلف الامام پر مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں بھی کوئی حدیث ان کو ایسی نہیں ملی، اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ اس رسالہ میں جو انہوں نے پہلی حدیث ذکر کی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب امام قراءت میں جہر نہ کرے تو تم سورہ فاتحہ اور کوئی ایک سورت ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں پڑھ لیا کرو اور صرف سورہ فاتحہ دوسری دو رکعتوں میں پڑھا کرو، اور اسی طرح مغرب کی آخر رکعت میں اور عشاء کی آخر دو رکعت میں یعنی مغرب کی پہلی دو رکعت میں اور عشاء کی پہلی دو رکعت میں چونکہ امام جہراً قراءت کرتا ہے اس لئے اس میں تم کو کچھ نہیں پڑھنا ہے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی آخر کی دو رکعت میں چونکہ امام سری قراءت کرتا ہے اس لئے اس میں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو،

اس اثر کو امام بخاری کے مذہب سے کیا تعلق؟ مگر امام بخاری جو بقول غیر مقلدین امام الفقہاء وامام المجتہدین ہیں اس اثر سے اپنا مذہب ثابت کر رہے ہیں، اگر فقہی بصیرت اسی کا نام ہے اور امام الفقہاء اور امام المجتہدین ایسی ہی لوگ ہوتے ہوں تو پھر شریعت اسلامیہ مذاق بن کر رہ جائے گی۔

حضرت امام بخاری کا اس مسئلہ میں بیچارگی اور حالت افلاس کا اس سے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اتنے اہم موضوع پر قلم اٹھارہے ہیں اور مستقل رسالہ لکھ رہے ہیں اوران کوایک ایسی صحیح صریح حدیث بھی نہیں مل سکی جس سے ان کا مطلب حاصل ہوتا ہو، اور وہ اس کواس رسالہ کی پہلی حدیث بنائیں۔ اور لطف تو یہ ہے کہ حضرت علی کا جواثر ان کوملا ہے وہ بھی ان کے مطلب کا نہیں ہے، اور لطف بالائے لطف تو یہ ہے کہ یہ اثر بھی ضعیف ہے، اس کا ایک راوی اسحٰق بن راشد ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ حافظ ابن خزیمہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لایحتج بحدیثه، یعنی اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں ہوتی ہے۔ اور حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں **فی حدیثه عن الزامری بعض الوهم**، یعنی اس کی جو روایت امام زہری کے طریق سے ہے اس میں کچھ وہم رہتا ہے، اور یہ اثر بھی جس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے اسی طریق سے ہے۔

وفی ذلک عبرة لاولی الابصار. وصلی اللّٰه علی النبی الامی

<u>محمد ابوبکر غازی پوری</u>

ساعة الضحی یوم الثلثاء تمت هذه الکتابة بفضل اللّٰه وتوفیقه فی وقفتین مع ما کنت اعانی وجعاً شدیدا فی الرجل الیمنیٰ لا یترکنی ان اجلس مستریحاً وهذا بتاریخ ۳/من جمادی الثانیة ۱۴۳۲ھ

محمد اجمل مفتاحی

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کا سبب

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تحصیل علم کے لئے میرا آنا جانا ابن ابی لیلیٰ (کوفہ کے مشہور محدث وقاضی) کے پاس تھا، میں دیکھتا تھا کہ ان کو جب مشکل مسئلہ پیش آتا تو حضرت امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کرتے۔ ابن لیلیٰ کے نزدیک میری بڑی قدر ومنزلت تھی، مجھے ان کی مجلس چھوڑ کر کسی اور کے درس میں جانے سے شرم آتی تھی کہ ایک واقعہ پیش آیا جس نے میرے لئے امام ابو حنیفہ کی مجلس میں جانے کا راستہ کھول دیا، ہوا یہ کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی بیٹی کی شادی تھی نکاح کے وقت شیرینی تقسیم ہوئی تو میں نے اس کو لوٹا، قاضی ابن ابی لیلیٰ نے مجھے یہ کرتے دیکھا تو کہا کہ لوٹنا مکروہ ہے، تو میں نے ان سے کہا کہ جنگ کے موقع پر غنائم کا لوٹنا مکروہ ہے، شادی میں شیرینی کا لوٹنا مکروہ نہیں ہے، میرا یہ جواب ابن ابی لیلیٰ کو گراں گزرا، اور میری جانب سے ان کی طبیعت میں تغیر پیدا ہوا، میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور میں نے ان کی مجلس چھوڑ کر حضرت امام ابو حنیفہ کی مجلس میں جانا شروع کر دیا۔

حضرت امام ابو یوسف نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا تھا، خدیث میں ہے کہ ایک شادی کے موقع پر شیرینی آئی تو صحابہ کرام نے اس کو لوٹا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، شیرینی تم لوگ لوٹتے کیوں نہیں؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے تو نہبہ سے یعنی لوٹنے سے منع کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے لشکر کے مال غنیمت کو لوٹنے سے منع کیا ہے اس شیرینی کو تم لوگ لوٹو،

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ذہن میں یہ حدیث نہیں رہی،

(حسن التقاضی للکوثری ص ۷۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے دادرسی

محدث ابن المقری امام طبرانی اور ابوالشیخ یہ تینوں مشہور محدث ہیں ایک دفعہ یہ تینوں محدثین کرام حدیث شریف کی طلب میں مدینہ منورہ میں مقیم تھے، ان کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا ختم ہو گیا بازار سے کچھ خریدنے کے لئے پیسے بھی نہیں تھے۔ فاقہ کی نوبت آ گئی ابن المقری کہتے ہیں کہ جب عشاء کا وقت ہوا تو ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس گئے اور میں نے کہا کہ یارسول اللہ الجوع اے اللہ کے رسول ہم بھوکے ہیں، طبرانی نے مجھ سے کہا کہ میں تو یہیں بیٹھ رہوں گا اب موت آئے یا روزی کھانے کو ملے، میں یہاں سے ٹلنے والا نہیں، ابن المقری اور ابوالشیخ حضور کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کر کے قیام گاہ چلے آئے، ابن المقری کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں سید خاندان کا ایک آدمی آیا جس کے پیچھے دو غلام دو بڑے بڑے جھولے لئے ہوئے تھے اس میں کھانے پینے کا بہت سا سامان تھا اس نے کہا کہ تم لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ کو حکم دے رہے ہیں کہ میں تم لوگوں کے پاس کھانے پینے کا سامان پہونچاؤں،

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

محمد اجمل مفتاحی

پہلی قسط

ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کی مرتبہ نماز نبوی کتاب پر ایک نظر

جماعت غیر مقلدین کا وجود برطانوی دور سے پہلے دنیا کے کس حصہ میں کبھی نہیں رہا، یہ فرقہ برطانوی دور میں سب سے پہلے ہندوستان میں پیدا ہوا بلکہ انگریزوں نے مسلمانوں کی جہادی تحریک میں انتشار پیدا کرنے اور اس کو متاثر کرنے کے لئے اس فرقہ کو پیدا کیا، یہ فرقہ بالکل جدید فرقہ ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں اس کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نہ ان کی کوئی تاریخ، نہ ان کا کوئی پیشوا، نہ ان کی کوئی کتاب، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، نہ ان کی کبھی کوئی حکومت رہی، جب کہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کا کوئی نہ کوئی تاریخی ثبوت موجود ہے، شیعہ ہوں، معتزلہ ہوں، خوارج ہوں، ظاہریہ ہوں یا اہل سنت والجماعت کے چاروں مذاہب حنفی مالکی شافعی حنبلی ان تمام فرقوں اور مذاہب کی قدامت کا تاریخی ثبوت ہر مسلمان کے سامنے ہے۔

چونکہ غیر مقلدوں کا وجود حادث اور تیرہویں صدی کا ہے، اس وجہ سے اس نے اپنا مذہب جو تیار کیا ہے اور جس پر وہ چل رہا ہے، وہ مختلف فرقوں اور اشخاص کا ملغوبہ ہے، یعنی اس فرقہ میں شیعیت بھی ہے، خارجیت بھی ہے، ظاہریت بھی ہے، معتزلیت بھی ہے، حنفیت بھی ہے، مالکیت بھی ہے، شافعیت بھی ہے، حنبلیت بھی ہے اور کچھ اختراعی اور من گھڑت باتیں بھی ہیں گویا غیر مقلدین کا مذہب ایک ایسا معجون ہے جس کا استعمال کرنا پیٹ کا ہاضمہ خراب کرنے والا ہوتا ہے چونکہ اس مذہب کی اسلام کی تاریخ میں کوئی تاریخ نہیں ہے اس وجہ سے کبھی یہ کہتا ہے کہ اس کا وجود عہد نبوی سے ہے کبھی یہ کہتا ہے کہ اس کا وجود حضرت آدم سے ہے، جیسا کہ ضمیر کا

بحران کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے اور چونکہ اس مذہب کی بنیاد نہ کتاب اللہ پر ہے نہ سنت رسول اللہ پر نہ اجماع امت پر اور نہ اقوال صحابہ پر بلکہ مختلف لوگوں کے مختلف اقوال و آراء پر ہے اس وجہ سے اس مذہب میں تضاد کی بھرمار ہے، مثلاً کبھی ان کا کوئی عالم کہتا ہے کہ اجماع کوئی چیز نہیں کبھی اجماع ان کا مذہب بنجاتا ہے کبھی اقوال صحابہ کے بارے میں ان کا کوئی عالم کہتا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے کبھی اقوال صحابہ سے استدلال بھی ہوتا ہے کبھی خلفائے راشدین کی سنت ان کو بدعت نظر آتی ہے کبھی خلفائے راشدین کا عمل حجت بن جاتا ہے کبھی تقلید و قیاس حرام اور شیطان کا کام کہلاتا ہے اور کبھی قیاس شرعی عمل بن جاتا ہے، کبھی تقلید شرک نظر آتی ہے، کبھی وہ دین کا کام نظر آتی ہے، کبھی مقتدی کو سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملانا ضروری قرار پاتا ہے اور کبھی ایسا کرنا ناجائز ہوتا ہے اور کبھی رفع یدین کرنا واجب قرار پاتا ہے، اور کبھی صرف سنت اور مستحب اور کبھی ضعیف حدیث سے استدلال کرنا بالکل حرام ہوتا ہے اور کبھی ضعیف حدیث قابل قبول ہوتی ہے کوئی کہتا ہے کہ ہم صرف اسی حدیث کو مانیں گے جو بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہوگی اور کبھی حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ان کو حجت نظر آتی ہے۔ غرضیکہ بھانت بھانت کی بولی بولنے والوں کا اس مذہب میں عمل و دخل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ڈیڑھ دو سال کے عرصہ میں یعنی جب سے ان کا وجود پایا جاتا ہے نماز جیسی اہم عبادت پر بھی کوئی ایک معتبر کتاب جس پر سارے غیر مقلدوں کا اتفاق ہو آج تک تیار نہیں ہو سکی، غیر مقلد عالموں نے نماز کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں مگر خود ان کے نزدیک ہر کتاب مخدوش ہے، سب سے مشہور کتاب حکیم صادق سیال کوٹی کی صلوٰۃ الرسول تھی، اس کی پورے ہندوستان پاکستان میں خوب اشاعت ہوئی ریاض میں ادارہ دارلسلام کے غیر مقلد مالک نے اس کو ریاض سے شایع کرا کر اس کے ہزاروں نسخے مفت تقسیم کئے اور یہ کتاب چند سال پہلے سب سے معتبر مانی جانے والی کتاب تھی مگر جب مدیر زمزم نے

اس کتاب کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب ضعیف احادیث سے بھری ہے، حوالے بھی غلط، مسئلے بھی غلط اور جب ان کا رسالہ صلوٰۃ الرسول پر ایک نظر شائع ہوا، تو غیر مقلدوں کو شرم آئی اور اس کتاب کا نام لینا ختم کر دیا اور اب سنا ہے کہ اہل حدیث اداروں نے اس کو شایع کرنا بند کر دیا ہے، اور پاکستان کے ایک ڈاکٹر صاحب نے مختلف نماز کی کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی کتاب ''نماز نبوی'' کے نام سے کمال عیاری وہوشیاری سے اس دعویٰ کے ساتھ مرتب کی ہے کہ اس میں ساری احادیث صحیح ہیں، کتاب کا پورا نام یہ ہے، ''نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں'' ان ڈاکٹر صاحب کا مبلغ علم کتنا ہے اور کیا ہے ہمیں معلوم نہیں مگر اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ان ڈاکٹر صاحب کا حال بھی عیاری ومکاری اور بددیانتی میں دوسرے علمائے غیر مقلدین سے کم نہیں ان ڈاکٹر صاحب کی دیانت کا کمال تو یہ ہے کہ وہ صرف ان احادیث کو نقل کرتے ہیں جو ان کے مطلب کی ہوتی ہیں، اور اس کے مقابل جو دوسری احادیث ہوتی ہیں اس کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں، کسی حدیث پر محدثین نے کیسا بھی کلام کیا ہو مگر کسی محدث نے اس کو صحیح کہہ دیا ہے تو اس محدث کا نام لیکر اس کو صحیح کہد یتے ہیں خواہ وہ روایت نا قابل استدلال ہی کیوں نہ ہو، عام طور پر احادیث کا صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں اصل عربی عبارت نقل نہیں کرتے کہ آدمی جانے کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط، یا اس ترجمہ میں کس فریب سے کام لیا گیا ہے۔ غرض پوری کتاب میں یہی کھیل کھیلا گیا ہے۔

مرتب نے اپنی اس کتاب کو نماز کے سلسلہ کی سب سے صحیح کتاب قرار دیا ہے اور بقیہ نماز کی تمام کتابوں کو خواہ وہ کتاب احناف مصنفین کی ہو یا خود غیر مقلد مصنف کی ہو غیر معتبر اور ضعیف احادیث سے بھری کتاب قرار دیا ہے۔ احناف کی کتابوں کا ذکر میں چھوڑتا ہوں کہ احناف کے خلاف اول فول بکنا غیر مقلدوں کی غذا ہی ہے، غیر مقلد علماء کی ان کتابوں کے بارے میں اس کتاب کے مقدمہ جو لکھا ہے وہ سنئے،

''سفۃ صلاۃ النبی از علامہ البانی، صلوٰۃ النبی از خالد گرجاکھی، صلوٰۃ الرسول از حکیم صادق سیال کوٹی، صلوٰۃ المسلمین از مسعود احمد بی ایس سی،

''ان کتابوں میں بھی ضعیف احادیث ہیں'' (ص ۲۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج تک غیر مقلدوں کی طرف سے نماز کے سلسلہ میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی تھیں سب کی سب سے غیر معتبر تھیں، اور جب یہ کتابیں غیر معتبر تھیں تو ان کی روشنی میں اس نئی کتاب نماز نبوی سے پہلے غیر مقلدوں نے جتنی نمازیں پڑھیں ان کی وہ سب نمازیں بھی غیر معتبر اور مردود تھیں اور ضعیف احادیث والی تھیں۔

صاحب مقدمہ نے اس کتاب ''نماز نبوی'' کے بارے میں لکھا ہے۔

''میری معلومات کے مطابق اس میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے'' (ص ۲۳)

مگر صاحب مقدمہ کا یہ دعویٰ غلط ہے اور ان کی معلومات صحیح نہیں ہیں، سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت مرتب نے صحیح ابن خزیمہ سے نقل کی ہے، حاشیہ میں اس روایت کو صحیح بتلایا ہے، مگر یہ روایت قطعاً صحیح نہیں ہے، خود ایک غیر مقلد محقق نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے۔

''یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب ص ۲۹۰ ج ۲ میں کہا ہے ابو زرعہ نے کہا کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے، میزان ص ۲۲۸ ج ۴ بیہقی میں یہ روایت محمد بن حجر عبد الجبار کے طریق سے ہے محمد بن حجر کے متعلق ذہبی نے کہا ہے کہ اس کے پاس مناکیر ہیں اور امام بخاری سے نقل کیا ہے فیہ نظر اس میں کچھ نظر ہے میزان ص ۵۱۱ ج ۳ اورام عبد الجبار کے متعلق ابن ترکمانی نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے ص ۲۲۸''

معلوم ہوا کہ ابن خزیمہ کی روایت بالکل ضعیف اور نا قابل استدلال ہے، تو صاحب مقدمہ کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا کہ اس کتاب میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت شواہد اور طرق کی بنا پر صحیح ہے، یعنی اصل روایت تو ضعیف ہی ہے دوسری روایتوں کو ملاکر یہ روایت صحیح ہو جائے گی مگر سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ایک مرفوع روایت بھی تو صحیح نہیں ہے، دوسری روایتیں یا تو مرسل ہیں یا مرفوع ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہے تو یہ روایت دوسری احادیث کو ملاکر صحیح کیسے ہو جائے گی؟ اور اگر صحیح ہو جائے گی تو پھر اس روایت کی کیا خصوصیت ہے بہت سی ضعیف روایتیں ہیں جو شواہد اور طرق کی بنا پر صحیح کہلاتی ہیں مگر اصل روایت ضعیف کی ضعیف ہی ہوتی ہے، مجھے اس وقت اس مسئلہ پر اس جگہ بحث کرنی نہیں ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا سلف کا معمول تھا کہ نہیں تھا میں یہاں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ دعویٰ کہ اس کتاب میں ضعیف روایت نہیں ہے غلط ہے،

صاحب کتاب نے ابوداؤد شریف سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منہ ڈھانپنے اور سدل کرنے سے منع فرمایا، (ص ۸۴) اس حدیث کے بارے میں صاحب مقدمہ خود حاشیہ میں لکھتے ہیں،

''میرے علم میں اس حدیث کی دو ہی سندیں ہیں ایک سند حسن بن ذکوان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور دوسری میں عسل بن سفیان ضعیف راوی ہے''

دیکھئے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے والا اور یہ کہنے والا کہ اس کتاب میں کوئی ضعیف حدیث نہیں ہے خود اس نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، **سبحان اللہ ما اعظم شانہ،**

اس کتاب کے مرتب کے بارے میں میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ مرتب نے بڑی عیاری اور ہوشیاری سے کام لے کر احادیث کے اصل الفاظ نقل نہیں کئے ہیں صرف ترجمہ سے کام لیا ہے۔ میں نے اس کو عیاری اس لئے کہا ہے کہ عام طور

پر غیر مقلدین جب اصل عبارت نقل کرتے ہیں تو اصل عبارت کچھ ہوتی ہے اور یہ اس کا ترجمہ کچھ کرتے ہیں تو ان کی چوری پکڑی جاتی ہے تو اس چوری کے پکڑے جانے کے خوف سے نماز نبوی کتاب کے مرتب نے حدیث کے اصل الفاظ نقل کرنے سے گریز کیا ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، اور جہاں اس نے حدیث کے اصل الفاظ نقل کیے ہیں اس کی چوری پکڑی گئی، مثلاً اس نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخل فی وضوئہ فان احدکم لا یدری این بانت یدہ'' اور اس حدیث کا بریکٹ کے ساتھ یہ ترجمہ کیا ہے۔

''جب تم نیند سے جاگو تو اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں جب تک کہ اس کو تین بار نہ دھولو مت ڈالو کیونکہ تم نہیں جانتے ہو کہ اس ہاتھ نے رات کہاں گزاری (ص ۶۷) اللہ کے رسول کی اس حدیث پاک میں تین بار دھونے کا ذکر نہیں ہے، مگر مرتب نے اپنی طرف سے رسول اکرم کی طرف تین بار دھونے کی جھوٹی نسبت کردی، اور اس کو یاد نہ رہا کہ اللہ کے رسول کی طرف کسی بات کو جھوٹ منسوب کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات نہ کہی ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا کتنا بڑا گناہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے شخص کے بارے میں فرمان ہے کہ یہ شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے،

اس ایک نمونہ کے سامنے آنے کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ جب مرتب نے اس کتاب میں احادیث کا صرف ترجمہ کیا ہے اور اصل عبارت نقل نہیں کی ہے تو اس نے کہاں کہاں گھپلہ کیا ہوگا اور احادیث میں اپنی طرف سے کتنی باتیں شامل کی ہوں گی۔

بہر حال ان چند ابتدائی گزارشات کے بعد اب اصل کتاب کا اگلی قسطوں میں ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔ باذن اللہ وتوفیقہ و مشیتہ وصل وسلم علی النبی.

۲۷ رمضان ۱۴۳۲ھ دو بجے شب میں یہ تحریر ایک نشست میں مکمل ہوئی۔

بدایة من الساعة الثانية عشرة ونهاية الى الساعة الثانية

اسلام کا بنیادی عقیدہ

قرآن کریم میں اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نفع ونقصان کا مالک درحقیقت صرف اللہ جل شانہ ہے، کوئی شخص کسی کو حقیقت کے اعتبار سے نہ نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اور ظاہر میں جو کسی کو کسی کے ہاتھ سے نفع یا نقصان پہونچا تا نظر آتا ہے وہ صرف ظاہری صورت اور جو حقیقت کے سامنے ایک نقاب سے زائد کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوے چین بستہ اند

یہ عقیدہ اسلام کے ان انقلابی عقائد میں سے ہے جس نے مسلمانوں کو ساری مخلوق سے بے نیاز اور صرف خالق کا نیاز مند بنا کر ان کی ایک بے مثال البیلی جماعت تیار کردی جو فقر وفاقہ اور تنگ دستی میں بھی سارے جہاں پر بھاری ہے کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتی،

فقر میں بھی سر بسر فخر و غرور وناز ہوں
کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

(از معارف القرآن)

اسلام کا طغرائے امتیاز

تمام دنیا کے مذاہب مین اسلام کا طغرائے امتیاز عقیدہ توحید ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک اور اکیلا جاننے کا نام توحید نہیں بلکہ اس کو تمام صفات کمال میں یکتا و بے مثال ماننے اور اس کے سوا کسی مخلوق کو ان صفات کمال میں اس کا سہیم وشریک نہ سمجھنے کو توحید کہتے ہیں۔

(از معارف القرآن)

قسط سوم

گجرات کا ایک یادگار سفر

صبح کی نماز کے بعد مجھے کچھ دیر لیٹنے کی عادت ہے، میں مولانا محمد فاروق صاحب جامعہ کے استاذ کے کمرہ میں لیٹ گیا، پھر مولانا ابراہیم صاحب نے اپنے گھر سے مدرسہ ہی میں ناشتہ منگوالیا تھا، ہم نے اور مولانا محمد ابراہیم صاحب اور بعض احباب نے ملکر ناشتہ کیا، اتنے میں بعض لوگ ملنے آگئے ان سے گفتگو ہوتی رہی پھر اساتذہ اور طلبہ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے اور میں آرام کی غرض سے مولانا فاروق کے کمرہ میں چلا گیا، دن بھر میں مدرسہ میں رہا، عصر بعد پھر اساتذہ آگئے ان سے علمی گفتگو سوال وجواب کا سلسلہ رہا، دارالاحسان میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ اساتذہ بے تکلف سوال کرتے ہیں اور ان سے زیادہ تر علمی گفتگو ہوتی ہے، اس سے ان کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور مجھے بھی۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے کہا کہ اگر طبیعت آمادہ ہوتو مغرب بعد طلبہ میں کچھ گفتگو ہوجائے ، اگر چہ میری آواز پھنسی تھی مگر مولانا محمد ابراہیم غزیا صاحب جس سے محبت سے بات کرتے ہیں ان کی بات کو رد کرنا آسان نہیں ہوتا، میں نے کہا کہ انشاءاللہ طلبہ سے کچھ باتیں کروں گا، وہاں کے طلبہ اور اساتذہ کو مجھ سے چونکہ تعلق ہے اس وجہ سے میری باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں، تقریبا آدھ گھنٹہ میں نے تقریر کی اور اللہ نے کچھ کام کی باتیں کہلوادیں، مولانا ابراہیم صاحب نے کہا کہ، مولانا بڑی اہم باتیں معلوم ہوگئیں، بڑی مفید تقریر تھی، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اپنے بندوں کی وہی لاج رکھتا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب نے کہا تھا کہ آج مدرسہ میں ایک صاحب کی طرف سے طلبہ و اساتذہ کی دعوت ہے، آپ کو بھی ہمارے ساتھ رات کا کھانا اسی

دعوت کا کھانا کھانا ہے، کھانا مدرسہ ہی میں پک رہا ہے، اور میں دیکھ رہا تھا کہ مدرسہ کے میدان میں چولہا جل رہا ہے، دیگیں چڑھی ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ دعوت کس مناسبت سے ہے تو انہوں نے بتلایا کہ ایک صاحب کے لڑکے نے حفظ قرآن کی تکمیل کی ہے، اس کے والد اسی خوشی میں دعوت کر رہے ہیں، گجرات کے لوگوں کا عموماً یہی مزاج ہے، عام طور پر لوگ اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی حفظ کراتے ہیں، اور اگر بچہ حافظ ہو جائے تو اگر گھر والے صاحب استطاعت ہوتے ہیں تو اپنے بچہ کے حافظ ہونے کی خوشی میں دعوتوں کا اس طرح کا اہتمام کرتے ہیں، اور بچہ کے حافظ ہونے کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی بڑی سعادت سمجھتے ہیں، یہ مزاج گجراتی قوم کا ہے ہندوستان میں یہ مزاج کم جگہوں پر میں نے دیکھا ہے،

میں نے مفتی ابراہیم صاحب سے پوچھا کیا پک رہا ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ بریانی اور شعلہ (۱) میں نے ان سے کہا کہ میری طبیعت بھاری ہے میرے لئے دو پہر والی کڑھی کھچڑی آپ منگوادیں، اور لوگوں نے تو بریانی کھائی اور میں نے کڑھی کھچڑی کو غذا بنایا، اور بریانی کے مقابلہ میں اس کو رغبت سے کھایا۔

آج کی رات مجھے اپنے عزیز شاگرد عزیزم محمد ذکی سلمہ کے گھر گزارنی تھی، سامان تو پہلے ہی بارڈالی پہونچنے پر ان کے گھر رکھ دیا تھا، میں کھانے سے فارغ ہو کر ان کے گھر پہونچ گیا، یعنی گویا اپنے گھر آ گیا، ذکی سلمہ اور ان کے گھر والے میرا انتظار ہی کر رہے تھے، بستر لگا ہوا تھا اور ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں میں ضرورتوں سے فارغ ہو کر بستر پر دراز ہو گیا، اور جلد ہی نیند کے آغوش میں چلا گیا اگر کوئی صاحب ذوق شعر و شاعری والا ہوتا تو میر کا یہ شعر پڑھتا۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

---

(۱) شعلہ، زردہ کی بہت اعلیٰ قسم ہے، جو کچھ سیال سا ہوتا ہے، بڑا ہی لذیذ کھانا ہے گجرات کے علاوہ کہیں اور میٹھے کی یہ قسم میں نے نہیں دیکھی۔

صبح آنکھ کھلی تو ۴ ربج رہے تھے میں نے غسل کیا کچھ نوافل پڑھی اور ابھی مصلے پر ہی تھا کہ عزیزم ذکی سلمہ میری چائے لوازم کے ساتھ لیکر آئے، ان کو میرا صبح اٹھنے کے بعد چائے پینے کا معمول معلوم ہے اس لئے ان سے کچھ کہنا نہیں ہوتا ہے،

میں جب دارالاحسان میں تھا تو میرے شاگرد اور بارڈولی کی مشہور شخصیت مولانا محمد سلیمان مرحوم کے بڑے لڑکے مولوی احمد سلمہ دارالاحسان ملنے آئے تھے اور کہہ رکھا تھا کہ صبح کا ناشتہ میرے گھر آپ کا ہوگا، شاگردوں کی بات کو رد کرنا آسان نہیں ہوتا، میں نے مولوی محمد ذکی کو بتلادیا تھا کہ آج دوپہر کا کھانا تو میں آپ کے یہاں کھاؤں گا مگر ناشتہ کے لئے مجھے عزیزم احمد سلمہ (۱) کے یہاں جانا ہے، میں نے ان سے وعدہ کرلیا ہے انہوں نے بخوشی اس کو منظور کرلیا، اس سے معلوم ہوا کہ مولوی احمد سے ذکی کا خاص تعلق ہے ورنہ عموماً اپنے حصہ کا پروگرام وہ کسی دوسرے کو دینے پر راضی نہیں ہوتے ہیں،

میں نے مولوی احمد سلمہ سے کہہ رکھا تھا کہ آپ آٹھ بجے سواری بھیج دیں گے، مگر مولوی ذکی نے کہا کہ ہم یہیں سے سواری لے لیں گے، انہوں نے فون کرکے مولوی احمد کو سواری بھیجنے سے منع کردیا، اور میں اور محمد ذکی سلمہ آٹھ بجے کے قریب ان کے گھر پہونچ گئے، ناشتہ میں مفتی ابراہیم غزیا صاحب کو بھی شریک ہونا تھا، مگر مدرسہ کی مصروفیت کی وجہ سے انہوں نے معذرت لی تھی،

میں نے مولوی احمد سلمہ سے بھی کہہ رکھا تھا کہ میں ناشتہ میں چاول اور دالچہ

---

(۱) دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور حضرت مولانا مدنی نوراللہ مرقدہ کے شاگرد و مرید مولانا سلیمان صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادہ ہیں، ہمہ وقت چاق وچوبند رہنے والے، بڑے محنتی اور مجاہد قسم کے آدمی ہیں زور سے اور بہت تیز بولتے ہیں، دینی سماجی اور علمی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں، بارڈولی میں ایک ہاسٹل ان کی نگرانی میں چل رہا ہے اور بہت سے مکاتب بھی گجرات کے مختلف حصوں میں ان کی زیرنگرانی کام کررہے ہیں، بہت مخلص، بہت نیک اور جواں ہمت ہیں، سنا ہے کہ انہوں نے والد کی بیماری کی حالت میں بے مثال خدمت کی ہے، وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون

کھاؤں گا کچھ اور زیادہ اہتمام مت کرنا، مگر جب دستر خوان لگا تو معلوم ہوا کہ چاول اور دالچہ تو ہے مگر اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ ہے، میں نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں کہا کہ میری بیوی کہہ رہی تھی کہ یہ کیسا ناشتہ کہ چاول اور دالچہ، اس لئے اس نے اپنی خواہش سے کچھ اور بھی پکا دیا۔ مجھے بار بار کا تجربہ ہے کہ گجرات کے مردوں میں جتنا ضیافت کا ذوق ہے، ان کی عورتوں میں اس سے کم نہیں ہے، وہ مہمانوں کی خدمت کر کے بہت خوش ہوتی ہیں اور مہمانوں کے لئے طرح طرح کے کھانے بڑے ذوق اور بڑی رغبت سے پکاتی ہیں، اگر مہمان کوئی مولوی قسم کا آدمی ہے تو خود ان کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے اگر کپڑے مستعمل ہوں تو بھیجدیں تا کہ وہ اس کو دھودیں اور اس کام میں ان کو ذرا بھی تکلف اور تامل نہیں ہوتا۔ میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں جا چکا ہوں یہ بات مجھے صرف گجرات اور گجراتی عورتوں میں نظر آئی اور کہیں نظر نہیں آئی،

ناشتہ میں جیسا کہ میں نے عرض کیا تنوع تھا جب کہ میرے لئے چاول اور دالچہ کافی تھا، البتہ ایک خاص قسم کا شوربا تھا جو پہلی دفعہ کھانے کا اتفاق ہوا، وہ سبزیوں سے تیار کیا ہوا تھا، اور لذیذ بہت تھا، میں نے مولوی احمد سلمہ سے اس کے بنانے کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے کچھ اس تیزی سے بتلانا شروع کیا کہ میں ان کی باتوں سے لطف اندوز تو ضرور ہوا مگر کیا بتلایا اور کیا کہا مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا، ناشتہ کے بعد میں محمد ذکی سلمہ کے گھر آ گیا اور خوب سویا اٹھا تو طبیعت میں بڑا انشاط تھا، دارالاحسان چلا گیا، طلبہ امتحان دے رہے تھے، تھوڑی دیر کیلئے امتحان گاہ میں، سوالات کے پرچے دیکھے، اور اساتذہ سے گفتگو ہوتی رہی چونکہ مجھے آج ہی ڈابھیل جانا تھا اس وجہ سے میں نے مولانا مفتی ابراہیم غزیا سے کہا کہ میں عصر سے پہلے گجرات پہونچنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ ۲ بجے گاڑی آجائے گی، دارالاحسان سے میں اساتذہ سے مل ملا کر ذکی سلمہ کے گھر آ گیا، دوپہر کا کھانا آج ان کے گھر کھانا تھا،

چنانچہ وقت پر کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کیا، پھر گاڑی مجھے لینے آ گئی سامان رکھا اور ڈابھیل کیلئے روانہ ہو گیا بارڈولی سے ڈابھیل تک کا سفر کار سے آدھے گھنٹہ سے زیادہ کا نہیں ہے چنانچہ عصر کی نماز سے کافی پہلے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پہونچ گیا جہاں جامعہ کے مہتمم اور میرے عزیز شاگرد اور جامعہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا محمد احمد بزرگ سلمہ میرے انتظار میں تھے، اور جب میں ڈابھیل جامعہ پہونچا تو وہ اتفاق سے دفتر اہتمام کے نیچے کے صحن ہی میں مل گئے، وہ کسی سے بات کر رہے تھے مجھے دیکھ کر لپکے اور اپنی جانی پہچانی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا، اور پھر ہم دونوں ساتھ ہی مہمان خانہ گئے اور میں نے اپنے قیام کی جگہ پکڑی، جب اساتذہ اور طلبہ کو میری آمد کی اطلاع ہوئی تو کئی نے آکر اسی وقت ملاقات کی، میں نے مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت کو فون کیا کہ میں جامعہ آ گیا ہوں عصر بعد آپ سے ملاقات کرنے آپ کے گھر آؤں گا، تو انہوں نے کہا کہ نہیں گھر پر مہمان ہے، کھل کر گفتگو نہ ہو سکے گی میں خود ہی عصر بعد مہمان خانہ ملنے آؤں گا۔

حضرت خان پوری از راہ کرم عصر سے پہلے ہی آ گئے ان سے عصر کی نماز تک ملاقات رہی، ان کا انداز وہی ہنس ہنس کر بے تکلف گفتگو کرنے والا تھا، اس وقت مولانا خانپوری گجرات کی بڑی شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں، گجرات کے مقبول ترین شیخ طریقت ہیں، مگر میں نے محسوس کیا کہ مولانا کا میرے ساتھ انداز وہی پرانا والا ہے کہیں سے بھی محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرت خانپوری کو اپنی شیخت کا ذرا سا بھی لحاظ ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع زیادہ تر دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کے فائز ہونے کے بارے میں تھا،

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ دارالعلوم کے اہتمام کا منصب کون سنبھالے، یہ قضیہ بڑا پیچیدہ ہو گیا تھا، شروع

میں جس نام پر عام اتفاق تھا وہ حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب کا نام تھا، مگر انہوں نے اس سے معذرت کرلی تھی، مولانا خانپوری اور خود میں بھی اس حق میں نہیں تھے کہ وہ بنارس جو کام کررہے ہیں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے نفع کا جو کام لے رہا ہے اس کو چھوڑ کر وہ دارالعلوم جائیں، پھر اس منصب کے لئے مولانا غلام محمد استانوی صاحب کا شوریٰ نے انتخاب کیا، حضرت مولانا غلام محمد استانوی کے انتخاب پر دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ میں بے چینی پیدا ہوئی بے چینی کے کچھ اسباب حضرت استانوی کے خود پیدا کردہ تھے، اور حالات نے بڑا نازک موڑ اختیار کرلیا تھا، اب میری بھی اور خود مولانا خانپوری کی رائے بدل گئی کہ اب اگر مفتی صاحب کو شوریٰ اہتمام کے لئے منتخب کرتی ہے تو انکو انکار نہیں کرنا چاہئے، میں نے اس کے لئے بنارس جاکر مولانا نعمانی سے خود بات کی تھی، اس زمانہ میں میری گفتگو بہت سے فضلائے دارالعلوم اور جماعت دیوبند کے اکابر اور شوریٰ کے ممبران سے ہوتی رہی، میں نے دیکھا کہ مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب ان سب حضرات کی پہلی پسند ہیں، الحمدللہ مجلس شوریٰ دارالعلوم نے اپنی دوسری مجلس میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کو دارالعلوم کا مہتمم چن لیا، اور مولانا نعمانی نے بھی اس وقت جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان نگاہ میں رکھ کر اس سے انکار نہیں کیا، غرض ہماری گفتگو کا موضوع زیادہ تر یہی تھا۔

ہماری گفتگو ختم ہوئی تو مولانا خانپوری نماز پڑھنے مسجد چلے گئے اور چونکہ مہمان خانہ سے مسجد کا فاصلہ زیادہ ہے اس وجہ سے میں نے مسافر ہونے کا فائدہ اٹھایا اور مہمان خانہ ہی میں عصر کی نماز پڑھی۔

عصر بعد پھر اساتذہ آ گئے مہتمم صاحب بھی تھے اور ایک بے تکلف علمی مجلس رہی، جامعہ ڈابھیل میں تو الحمدللہ محبت کرنے والے بہت ہیں جن میں میرے شاگردوں کی اچھی تعداد ہے، مگر ایک صاحب جن کا نام مفتی عبدالقیوم راجکوٹی ہے وہ میرے لئے بہت کشش کا باعث بنتے ہیں اور ان کی میرے دل میں بہت قدر ہے،

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ بہت صاف گو آدمی ہیں، بے تکلف اور ریا سے پاک صاف ان کی گفتگو ہوتی ہے، جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر ہوتا ہے مخاطب کو ان کی بات اچھی لگے یا بری اگر وہ بات ان کے مزاج کے خلاف ہوتی ہے تو اس کا اظہار بے تکلف کرتے ہیں، اور یہی ایک اچھے انسان کی علامت ہے۔ مولانا راجکوٹی کا علمی ذوق بھی بہت اچھا ہے، لکھنے پڑھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اس وقت جامعہ کی بہت مفصل تاریخ لکھ رہے ہیں یہ تاریخ غالباً دو جلدوں میں ہوگی۔ اللھم بارک فی حیاته و علمه عمله،

مغرب بعد بھی ملاقات کرنے والے اور ملنے والوں کا سلسلہ جاری تھا، حضرت مہتمم صاحب بھی تھے اور ان کے چھوٹے بھائی قاری عبدالرحمٰن بھی تھے جو میرے بڑے عزیز شاگرد بھی ہیں، مولانا احمد بزرگ سلمہ نے بتلایا کہ کھانا ان کے گھر ہی پر کھانا ہے، تھوڑی دیر کے بعد کمرہ کا دروازہ کھلا تو دیکھا کہ ایک صاحب بڑی بے تکلفی سے میری طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں، یہ تھے مولانا بشیر احمد صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم سوپور کشمیر کے مہتمم، ان سے میری ملاقات کشمیر میں ہوئی تھی، ان کے دارالعلوم میں میرا ایک روز کا قیام بھی تھا، مولانا بشیر صاحب کشمیر کے مشہور عالم ہیں، اور مزاج علمی بے تکلفی گفتگو کرتے ہیں، ہنسی مذاق کا مزاج ان سے اس ناگہانی ملاقات پہ مجھے خوشی ہوئی۔

❀❀❀❀❀❀

محمد اجمل مفتاحی

طہٰ شیرازی

محمد اجمل مفتاحی

خمار سلفیت

حکیم صادق صاحب کی کتاب صلوٰۃ الرسول ایک غیر مقلد محقق کی نگاہ میں

بیٹا: ابا جی!

باپ: جی بیٹا!

بیٹا: ایک مقلد لڑکے نے بڑی اودھم مچا رکھی ہے،

باپ: کیا ہوا بیٹا؟

بیٹا: ابا جی! وہ ہماری مسجد کے مصلیوں سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگوں کی نمازیں ضعیف احادیث والی ہیں، تمہارے علماء نے آج تک ایک کتاب بھی صحیح احادیث والی نماز کی نہیں لکھی ہے اور نہ وہ قیامت تک لکھ سکتے ہیں جس میں نماز کا مفصل بیان صحیح احادیث سے ثابت کریں،

باپ: بیٹا! صلوٰۃ الرسول مولانا حکیم صادق سیالکوٹی کی اس کو کھاؤ اس میں صحیح احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہے،

بیٹا: ابا جی! وہ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اس نے صلوٰۃ الرسول کو ضرور پڑھا ہوگا، صلوٰۃ الرسول کتاب پر غازی پوری مولانا نے جو نقد کیا ہے، اس کو بھی پڑھا ہوگا تبھی تو وہ اتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔

باپ: بیٹا! کیا صلوٰۃ الرسول حکیم صادق صاحب کی کتاب میں بھی ضعیف احادیث ہیں؟

بیٹا: ابا جی! وہ کتاب تو ضعیف کا بھنڈار ہے، چوراسی احادیث کا نقشہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

باپ: بیٹا! ہمارے گھر میں جو صلوٰۃ الرسول ہے اس میں تو کوئی نقشہ نہیں ہے، مولانا صادق رحمۃ اللہ علیہ نے کس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

بیٹا: اباجی! یہی تو المیہ ہے، مولانا صادق صاحب نے ہماری جماعت کو بہت نقصان پہونچایا ہے، اپنی کتاب کوضعیف احادیث سے بھر رکھا ہے، مگر کسی حدیث کے بارے میں واضح نہیں کیا کہ وہ ضعیف حدیث ہے،

باپ: بیٹا! تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کتاب میں چوراسی ضعیف احادیث ہیں؟

بیٹا: اباجی! اس کا بھانڈا تو خود ہماری جماعت کے ایک عالم نے جن کا نام عبدالرؤف بن عبدالحنان ہے اور وہ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ ہیں انہوں نے پھوڑا ہے، انہوں نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے، تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ کتاب ضعیف احادیث کا بھنڈار ہے، اور ان احادیث کو مولانا صادق صاحب نے صحیح بنا کر کے پیش کیا ہے، اباجی اس کتاب میں بعض احادیث تو ضعیف ہی نہیں بہت سخت ضعیف ہیں،

باپ: بیٹا! ذرا دو ایک مثالیں دو، مجھے اس کتاب سے غایت درجہ عقیدت ہے۔

بیٹا: اباجی! مثالیں جاننے سے پہلے کتاب کے محقق جناب عبدالرؤف بن عبدالحنان کی اس کتاب کے بارے میں جو رائے ہے وہ تو معلوم کرلیں، وہ فرماتے ہیں،

''مؤلف نے بعض مسائل میں تحقیق کا التزام نہیں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ کچھ مسائل میں ان سے عجیب تساہل ہوا ہے'' پھر اس کو تین مثالوں سے واضح کیا ہے، مزید لکھتے ہیں،

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں کئی ایک ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں ان ضعیف احادیث کے لئے درج ذیل نمبر دیکھیں،

پھر انہوں نے چوراسی ضعیف احادیث کو نمبر وار شمار کرایا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ واضح رہے کہ یہ احادیث ان احادیث کے علاوہ ہیں جو اپنے طرق وشواہد کی بنا پر صحیح یا حسن درجہ کی ہیں،

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف نے یعنی حکیم صاحب نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ تو اصلاً ہیں ضعیف مگر شواہد یا متعدد سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے ان کو حسن یا صحیح کا درجہ دیا گیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں،

اس مقام پر جو بات قابل مواخذہ ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے

ایسی بھی احادیث ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خودان کتاب میں موجود ہے جن کے حوالے سے مصنف نے انہیں ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے ان احادیث کوذکرکرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے۔

باپ: توبہ استغفراللہ، بیٹااب اس سلسلہ کو بند کرو، اس کتاب کی ضعیف احادیث کی نشاندہی کرو،

بیٹا: ابا جی! چوراسی کی چوراسی احادیث کوذکرکروں یادوایک بطور مثال کافی ہوں گی؟

باپ: نہیں صرف دوایک حدیث ذکرکرو،

بیٹا: اچھا سنئے ابا جی! مولانا نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص نماز کی ایک رکعت پائے تو اس کو دوسری رکعت اس کے ساتھ ملالینی چاہئے اور جس کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اس کو چار رکعت نماز ظہر پڑھنی چاہئے۔
اور حوالہ دیا ہے دارقطنی کا، اس حدیث کے بارے میں محقق صاحب فرماتے ہیں، یہ سند سخت ضعیف ہے، ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
مصنف نے ابوداؤد کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے، امام کو بیچ میں رکھو اور شگافوں کو بند کرو، محقق فرماتا ہے کہ حدیث ضعیف ہے۔
حکیم صاحب نے سینہ پر ہاتھ باندھنے والی حدیث صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے ذکر کی ہے محقق صاحب فرماتے ہیں کہ، یہ سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ (برے حافظہ والا) ہے ابوزرعہ نے کہا کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اس کو منکرالحدیث کہا ہے (یہ امام بخاری کی کسی راوی کے بارے میں بہت سخت جرح ہے،)

باپ: بیٹا! میرے سر میں سخت درد ہورہا ہے مجھے اس کتاب سے بڑی عقیدت تھی، مگراب معلوم ہوا کہ حکیم صادق نام کے ہمارے عالم بھی بڑے غیر صادق ہوتے ہیں، **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

بیٹا: ابا جی! اب یہ کتاب ہماری جماعت کی طرف سے تقسیم نہیں ہوتی، کیا اس کی حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد ہماری جماعت نے اس کو تقسیم کرنا بند کردیا ہے؟

باپ: پتہ نہیں بیٹا!

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کی تصانیف

مسائل غیر مقلدین

غیر مقلدین کی ڈائری

آئینہ غیر مقلدیت

ارمغان حق ۲ جلدیں

غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ

سبیل الرسول پر ایک نظر

کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ

مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں

حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار ردوقبول

صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر

صلوۃ الرسول ہر ایک نظر

کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟

صور تنطق (عربی)

وقفه مع معارضی شیخ الاسلام (عربی)

وقفه مع لا مذهبیه

هل الشیخ ابن تیمیة من اهل السنة والجماعة؟

(صوت الاسلام عربی) سه ماهی رساله

(زمزم اردو ۲ ماہی رسالہ)

اسٹاکسٹ: **ربانی بک ڈپو** دہلی۔

فون: 9873875484 - [illegible]

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری کی تصانیف

مسائل غیر مقلدین

غیر مقلدین کی ڈائری

آئینہ غیر مقلدیت

ارمغان حق ۲ جلدیں

غیر مقلدین کے لیے لمحہ فکریہ

سبیل الرسول پر ایک نظر

کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ

مقام صحابہ کتاب وسنت کی روشنی میں

حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار رد و قبول

صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر

صلوۃ الرسول پر ایک نظر

کیا ابن تیمیہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ہیں؟

صور تنطق (عربی)

وقفه مع معارضی شیخ الاسلام (عربی)

وقفه مع لا مذهبيه

هل الشيخ ابن تيمية من اهل السنة والجماعة؟

(صوت الاسلام عربی) سه ماهی رساله

(زمزم اردو ۲ ماہی رسالہ)